مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؒ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲

خطوطِ غالبؔ

جلد اوّل

خطوطِ غالبؔ

جلد اوّل

مطبوعاتِ مجلسِ یادگارِ غالبؒ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲

خطوطِ غالبؔ

جلد اوّل

باہتمام

غلام رسول مہر

۱۹۶۹ء

مجلسِ یادگارِ غالبؔ

★

صدرِ مجلس:

پروفیسر حمید احمد خان ستارۂ پاکستان، ستارۂ امتیاز وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

ارکان

جناب عبدالرحمٰن چغتائی لاہور

مولانا غلام رسول مہرؔ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ سابق صدر شعبۂ فلسفۂ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

سیّد امتیاز علی تاج، سیکرٹری مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

مولانا حامد علی خان، مدیر مؤسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن لاہور

کیپٹن عبدالواحد مؤسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن لاہور

ڈاکٹر جسٹس ایس اے رحمٰن، سابق چیف جسٹس پاکستان لاہور

پروفیسر ڈاکٹر قاضی سعید الدین احمد صدر شعبۂ امورِ طلبا پنجاب یونیورسٹی لاہور

گروپ کیپٹن سیّد فیاض محمود، ناظم شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

پروفیسر ڈاکٹر سیّد عبداللہ، صدر دائرۃ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ناظم ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج و صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

سیّد وقار عظیم غالب پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

سیّد وزیر الحسن عابدی، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب احمد ندیم قاسمی، مدیر مجلّہ فنون لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی، صدر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب صفدر میر، روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل، صدر شعبۂ نفسیات، گورنمنٹ کالج لاہور

پروفیسر اختر اقبال کمالی، شعبۂ انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

ڈاکٹر وحید قریشی، ریڈر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

جناب انتظار حسین، روزنامہ مشرق لاہور

جناب اقبال حسین، شعبۂ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور

معتمد

ڈاکٹر آفتاب احمد خان، جائنٹ سیکرٹری وزارت اطلاعات و نشریات، حکومت پاکستان ڈھاکہ

ڈاکٹر عبد الشکور احسن، ریڈر شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور

نائب معتمد

سیّد سجاد باقر رضوی، لیکچرر انگریزی، یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

پیش لفظ

مجلسِ یادگارِ غالب کا قیام پنجاب یونیورسٹی کے ایک فیصلے کے مُطابق عمل میں آیا اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب اس کے صدر مُقرر ہُوئے۔ مجلس نے غالب کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے جو کتابیں شائع کرنے کا منصُوبہ بنایا تھا اُنھیں مَیں غالب شناسوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصِل کر رہا ہُوں۔

یُونیورسٹی کے ایک اَور فیصلے کی رُو سے شعبۂ اردُو میں کُرسیٔ غالِب قائم ہُوئی۔ مَیں مسرّت کے ساتھ اِعلان کر رہا ہُوں کہ اِس اسامی پر پروفیسر سیّد وقار عظیم کا تقرر کیا جا چُکا ہے۔

(پروفیسر) علاءُ الدّین صِدّیقی
وائس چانسلر، جامعۂ پنجاب

سینٹ ہال
مارچ ۱۹۶۹ء
لاہور

تعارف

★

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہو رہے ہیں۔ اِس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبۂ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسامی "(کرسیٔ غالب)" قائم کی ہے، بلکہ مجلسِ یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلۂ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلسِ یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے معتمد اور سیّد سجّاد باقر رضوی شریکِ معتمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبدالشکور احسن مجلس کے دُوسرے معتمد قرار پائے۔ اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلۂ کتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدرِ مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسّر رہا۔ جن اربابِ فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلۂ کتب کی ترتیب، تالیف یا تصنیف میں حصّہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلّقہ کتاب کے سرورق

کی زینت ہے۔ مجلسِ یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اِس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جارہی ہے۔

مجلس کے سلسلۂ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اُردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفسِ مضمون کی رعایت سے یا موزونیٔ ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ اِن سب کتابوں پر مؤلّفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسبِ ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ اُن کی بعض نگارشات جو مرورِ زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوانِ غالب کا نسخۂ حمیدیہ، جسے صدرِ مجلس نے مرتّب کیا ہے، ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلسِ ترقّیٔ ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلس یادگار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اِس یگانۂ روزگار کے شخصی، فنّی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی دان لوگ اُردو نہیں جانتے مگر نہیں

غالب کے فکر و فن سے متعارف کرنے کے لئے ایک مفصّل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلّق معلُومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ "مَیں نے غالب سے کیا پایا" ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اِس میں متعدّد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثّرات جمع کئے گئے ہیں۔ اِسی طرح ایک اور مجمُوعے میں گذشتہ ایک سو برس کی تنقیدِ غالب کا خاکہ اِقتباسات کی صُورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا اِن کی تاریخِ اشاعت سے مرزا غالب کی حیاتِ بعدِ ممات کی دُوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اِس دُوسری صدی میں غالب کے قبُولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دُنیا کو ہند اسلامی تمدّن کے آخری ترجمان سے رُوشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں
صدر مجلس یادگارِ غالب
جامعۂ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال
فروری ۱۹۶۹ء

گزارش احوال

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

خطوط غالب کا یہ مجموعہ کسی طویل تمہید و تعارف کا متقاضی نہیں - اس میں میرزا کے وہ تمام مکاتیب آ گئے ہیں ، جو علم میں آسکے اور ان پر دسترس حاصل ہو سکی - صرف دو چیزیں بعض قانونی و اخلاقی موانع کی بناء پر باہر رہ گئیں- قانونی پہلو تو چنداں اہم نہ تھا ، لیکن مجلس یادگار غالب (جس کے زیر اہتمام یہ مرقع مرتب و شائع ہو رہا ہے) کے صدر نے اخلاقی تقاضے کی پاسداری قانونی ضابطے کی پابندی پر بھی مقدم رکھی - بہ ایں ہمہ اس مرقع میں میرزا کے اتنے خطوط اور بعض دوسرے رشحات قلم یکجا ہوگئے ہیں کہ غالباً ان جواہر پاروں کا اتنا مجموعہ پہلے کبھی تیار نہیں ہوا - نامۂ غالب نیز تقریظوں دیباچوں اور متفرق تحریروں کے علاوہ صرف خطوط کی تعداد پونے سات سو سے زیادہ ہی ہوگی ، کم نہ ہوگی-

ایک جامع مجموعے کی ترتیب میں اردوے معلیٰ اور عود ہندی کی تفریق کا خاتمہ ناگزیر تھا اور وہ تقسیم قصد و ارادہ نہیں ، محض

اتفاق کا نتیجہ تھی ، جسے ''حسن اتفاق،، نہیں ، ''سوٴ اتفاق،، ھی کہنا چاھیے ۔ میرزا غالب اردو مکاتیب چھاپنے کی اجازت دینے میں متامل تھے ۔ حسن اتفاق سے مولوی ممتاز علی خاں میرٹھی ، مارھرہ گئے اور چودھری عبدالغفور سرور ، مارھروی سے ذکر کیا کہ آپ کے نام میرزا کے جو خطوط آئے ھیں ، اگر مرتب کر دیں تو میں چھاپ دوں گا تا کہ فارسی نثر و نظم اور اردو اشعار کی طرح میرزا کی اردو نثر بھی منظر عام پر آ جائے ۔ سرور نے اپنے نام کے مکاتیب مرتب کر کے انھیں مہر غالب سے موسوم کیا ۔ یہ مجموعہ خواجہ غلام غوث خاں بیخبر کے حوالے کر دیا گیا اور مزید خطوط خواجہ موصوف ھی کے پاس جمع ھونے لگے ۔ ابتدا میں خیال تھا کہ صرف وھی مکاتیب شائع کیے جائیں ، جن میں علمی و ادبی نکات ھوں ۔ پھر یہ قید بھی اٹھا دی گئی ۔ اس مجموعے کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ھوئی تو دھلی میں خود میرزا کے زیر نگرانی نئے مجموعہ مکاتیب کی ترتیب شروع ھو گئی ۔ پہلے مجموعے کا نام عود ھندی رکھا گیا تھا اور یہ میرزا کی وفات سے چار مہینے پیشتر شائع ھو گیا ، دوسرے مجموعے کا نام اردوے معلی قرار پایا تھا اور یہ میرزا کی وفات سے صرف انیس روز بعد چھپ کر منظر عام پر آیا ۔

میرے اندازے کے مطابق اردوے معلی میں کل چار سو اکسٹھ مکاتیب ھیں ۔ عود ھندی کے محض خطوط کی تعداد ایک سو ترسٹھ سے زیادہ نہیں ۔ لیکن ان دونوں میں مشترک خطوط کی تعداد بھی خاصی بڑی ھے ۔ تقریظیں ، دیباچے اور نامہٴ غالب صرف عود ھندی میں شامل ھیں ، اردوے معلی میں شامل نہیں ۔ مشترک خطوط کسی ایک مجموعے سے حذف کر دینے کے بعد وہ اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہ سکتا تھا ۔ لھذا یہی بہتر تھا کہ تفریق ختم کر دی جائے اور ایک ھی مجموعے میں زیادہ سے زیادہ خطوط و رشحات قلم جمع کیے جائیں ، اگرچہ اسے دو جلدوں میں تقسیم کرنا پڑے ۔

نئے مجموعے کی ترتیب کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ میرزا کے تمام اردو مکاتیب یکجا ہو جائیں ۔ اس کے علاوہ بھی چند ضروری کام تھے، جو بہت پہلے پورے ہو جانے چاہئیں تھے تاکہ ان نگارشات کا مطالعہ زیادہ سہل و مفید نیز زیادہ دل آویز ہو جاتا ۔ ان کی مجمل کیفیت یہ ہے :

۱ - متن کی تصحیح ۔

۲ - تمام مکاتیب کی تاریخ وار ترتیب ۔

۳ - تاریخی، جغرافیائی، علمی اور ادبی تلمیحات و اشارات کی مناسب تشریح ۔

۴ - ہر مکتوب الیہ کے احوال و سوانح کا مختصر سا خاکہ، جس سے میرزا کے ساتھ تعلق کی حیثیت واضح ہو سکے ۔

۵ - بعض مشکل الفاظ و تراکیب کی توضیح ۔

متن کی تصحیح کے سلسلے میں سب سے پہلی قابل ستایش کوشش منشی مہیش پرشاد نے کی ۔ وہ مختلف مکتوب الیہم کے وارثوں تک پہنچے جہاں جہاں اصل مکاتیب مل سکے، ان کا مقابلہ شائع شدہ متون سے کیا ۔ اس طرح فروگزاشتوں اور مسامحتوں کی تلافی کر دی ۔ بعض نئے مکاتیب بھی حاصل کیے ۔ افسوس کہ موصوف نے مرتبہ مجموعے کی صرف پہلی جلد شائع ہونے کے بعد وفات پائی اور یہ کام رک گیا ۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ دوسری جلد مرتب کر چکے تھے یا نہیں ۔

میں باقی خطوط کا مقابلہ اصل سے کرنا چاہتا بھی تو یہ کام تقسیم ملک کے بعد بہت مشکل ہو گیا تھا، لہذا اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ اردوے معلیٰ اور عود ہندی کے جتنے بھی ایڈیشن اب تک شایع ہو چکے ہیں، ان کے متون سامنے رکھ کر بہ امعان نظر غلطیوں

اور فروگزاشتوں کا سراغ لگایا جائے۔ اس میں جس حد تک کامیابی ہوئی، اسے اللہ تعالیٰ کے فضل لا یزال کا کرشمہ سمجھنا چاہیے اور جہاں ناکام رہا، وہ میری کم علمی، کوتہ نظری اور نارسائی کا نتیجہ قرار دیجیے۔

متن میں بعض ایسی تصحیحات بھی ملیں گی، جن کے ضمن میں مجھے منشی مہیش پرشاد اور تمام دوسرے مطبوعہ ایڈیشنوں سے اختلاف کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ میں یہاں صرف دو ایسی مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

الف: میرزا غالب نے علائی کے نام ایک مکتوب کا آغاز دو شعروں سے کیا ہے، جو تمام دوسرے مجموعوں کے علاوہ منشی مہیش پرشاد کے مجموعے میں بھی اس طرح چھپے:

خاک نمناکم و تو باد بہار ناتوانی مرا زجا بردن
اے علائی ز من چہ می خواہی؟ زحمت خویشتن چہ می خواہی؟
(مجموعہ مہیش پرشاد ص ۳۲۰)

یہ دو متصل شعر، نہ مثنوی قرار دیے جا سکتے ہیں، نہ قطعہ اور نہ رباعی۔ پہلے دو مصرعوں میں کوئی ردیف نہیں اور قافیے مختلف ہیں۔ دوسرے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں، سوچیے کہ میرزا غالب جیسا قادرالکلام ایسے دو شعر متصل کیوں کر لکھ سکتا تھا؟ سرسری تامل ہی سے واضح ہو سکتا تھا کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''زجا بردن'' کی جگہ ''زجا بر دار'' ہوگا، لیکن گزشتہ ایک صدی سے یہ بدیہی غلطی اسی طرح قائم رہی۔

ب: جارج فریڈرک ایڈمنسٹن مرکزی حکومت کا چیف سکرٹری تھا، اسے صوبہ غرب و شمال کا لفٹنٹ گورنر بنا دیا گیا تو میرزا غالب نے

ضمنی انتظامی تبدیلیوں کے امکانات کا ذکر کرتے ہوئے میرزا نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کو لکھا :

اغلب ہے ، ولیم میور صاحب اون (ایڈمنسٹن) کی جگہ چیف سکرتر بن جائیں گے ، پھر دیکھیے کہ یہ (ایڈمنسٹن) محکمہ لفٹنٹ گورنری میں اپنا سکرتر کس کو بنائیں گے۔ میر منشی اس محکمے کے تو وہی منشی غلام غوث خاں رہیں گے ، دیکھیے ہمارے منشی مولوی قمر دین کہاں رہیں گے بہ ہر حال آپ سے استدعا ہے کہ پہلے کتابوں (''دستنبو'') کا احوال لکھیے ۔ پھر جدا جدا جواب ہر سوال کا لکھیے (مجموعہ مہیش پرشاد ص ۳۰۷)۔

آخری فقرہ تمام مجموعوں میں یونہی چھپا ہے ، لیکن میں خط پڑھتے پڑھتے اس فقرے پر پہنچا تو طبیعت کو ایک دھچکا سا لگا اور احساس ہوا کہ یہ صحیح نقل نہیں ہوا ۔ صحیح یوں ہوگا:

پھر جدا جدا جواب ہر سوال لکھیے ۔

ناقل یا کاتب نے جو یقیناً اسلوب تحریر کی خوبیوں کا لذت شناس نہ ہوگا ، سمجھ لیا کہ فقرہ ناقص رہ گیا ، لہذا اس نے ''سوال'' کے بعد ''کا'' بڑھا کر ایک مستقل غلطی کا دروازہ کھول دیا ۔ کسی کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ عبارت مقفیٰ چلی آ رہی ہے ، جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ اگر مرزا کو قافیے کا التزام منظور نہ ہوتا تو وہ لکھتے :

پھر جدا جدا ہر سوال کا جواب لکھیے

ہر سوال کا جواب جدا جدا لکھیے

''جواب'' کو ''سوال'' سے پہلے ہرگز نہ لاتے۔

میرزا تکلفاً مقفیٰ عبارت لکھنے کے عادی نہ تھے ، تاہم بے تکلف مقفیٰ عبارتوں کی مثالیں ان کے خطوط میں کئی جگہ ملتی ہیں اور ان میں بدرجہا زیادہ لطافت و شیرینی محسوس ہوتی ہے ۔ یہاں بھی وہ کسی تکلف کے بغیر مقفیٰ عبارت لکھتے آئے تھے ، لیکن

خواہ مخواہ ”کا“ بڑھا کر نہ محض میرزا کے التزام کو توڑا، بلکہ عبارت کی لذت بھی بگاڑ دی۔

بہ ہر حال متن میں ایسی مثالیں بھی ملیں گی، جن میں مرتب خطوط نے اپنے نا چیز اندازے کے مطابق ناقلوں، کاتبوں اور طابعوں کے تصرفات ختم کیے، اگرچہ ان کے لیے کسی مطبوعہ نسخے یا مخطوطے کی شہادت و سند پیش نہیں کی جا سکتی، صرف ذوق سلیم اور بعض داخلی شواہد ہی پر انحصار رہا۔ ایسے مقامات کے سلسلے میں آپ کو حواشی کے ملاحظے سے حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔

خطوں کی تاریخ اور ترتیب کا کام گوناگوں مشکلات سے لبریز تھا۔ میرزا خطوں پر عموماً اسلامی اور عیسوی دونوں تاریخیں التزاماً لکھتے تھے، بلکہ دن اور وقت کی تصریح بھی فرما دیتے تھے۔ یہ چیز بھی ان کے امتیازی خصائص میں سے تھی۔ کم از کم ایک تاریخ تو ضرور تحریر فرما دیتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اصلاً ان کا کوئی بھی مکتوب تاریخ سے خالی نہ ہوگا، لیکن جن اصحاب نے یہ خط نقل کرائے، معلوم ہوتا ہے انہیں تاریخوں کی اہمیت کا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ صرف خطوں کی عبارتوں ہی کو اصل سرمایہ سمجھتے تھے۔ سب سے بڑھ کر حیرت چودھری عبدالغفور سرور مارہروی پر ہے کہ انہوں نے مہر غالب مرتب کرتے وقت بیشتر تاریخیں غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دیں۔ پھر زیادہ تر مکتوب الیہم نے خط چھپنے کے لیے بھیجے تو انہیں غیر مرتب شکل میں حوالے کر دیا اور اسی طرح وہ چھپ گئے۔

مختلف خطوں کی تاریخیں حذف ہو جانے کے بعد تاریخ وار ترتیب کے نقطہ نگاہ سے ان کے تین حصے ہو گئے:

۱۔ وہ خطوط جن پر تاریخیں درج تھیں اور ان کے باب میں خاص کاوش کی ضرورت نہ تھی، لیکن تاریخوں کی جانچ

پڑتال ضروری تھی، کیونکہ بعض خطوں پر تاریخیں لکھنے میں خود میرزا سے یا ناقل و کاتب سے بھی سہو ہوا۔

۲ ۔ وہ خطوط جن میں کسی داخلی شہادت (یا شہادتوں) کی بنا پر تخمینی تاریخ معلوم کر لینے کا کوئی قرینہ موجود تھا۔

۳ ۔ وہ خطوط جن کی تحریر و نگارش کا وقت و سال سرسری طور پر بھی معین کر لینے کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آیا اور انہیں محض قیاساً ایک مقام پر رکھ دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ داخلی شہادت کی بناء پر بھی تجویز کردہ تاریخوں میں کم و بیش اختلاف کا امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ تیسرے حصے کے خطوط میں تو اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہے ۔ تاہم جو احتیاط حیز امکان میں تھی، اس میں کوتاہی نہ ہوئی، اگرچہ اس میں اختلاف کی گنجایش ہو ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ محض اس مشکل کی بناء پر نہ خطوں کی تاریخ وار ترتیب ترک کی جا سکتی تھی اور نہ اس کی ضرورت و اہمیت کم ہو سکتی تھی ۔ پچہتر فی صد تاریخیں بھی درست ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس ضروری کام کا راستہ ہموار ہو گیا، مگر مجھے خدا کے فضل سے امید ہے کہ اختلاف کی گنجایش زیادہ نہ ہوگی۔

میرزا نے ہر مکتوب الیہ کے خط میں جو مطالب و مباحث تحریر فرمائے، وہ غیر مرتب شکل میں ٹھیک ٹھیک ذہن نشین بھی نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ صحیح ذوق مطالعہ رکھنے والے شخص کو پڑھتے پڑھتے الجھن ہوتی تھی، اب بفضل اللہ تمام مطالب و مباحث طبعی ترتیب میں پیش ہو رہے ہیں اور ان کا مطالعہ یقیناً زیادہ مفید و نتیجہ خیز ہوگا۔

میرزا کے خطوط میں تاریخی، جغرافیائی یا دوسری تلمیحات بھی خاصی ھیں۔ مکتوب الیہم ان سے یوں پوری طرح آگاہ تھے، لیکن ایک سو سال کی مدت میں دھلی اور دوسرے مقامات کی ھئیت اس درجہ بدل چکی ھے کہ بہت کم اصحاب کو ان کی اصل کیفیت کا علم ھوگا۔ ان کی تشریح کے بعد مطالب خطوط سے زیادہ حظ اٹھایا جا سکے گا اور یہ تشریح خوانندۂ کتاب کو میرزا کے عہد تک پہنچانے میں معاون ھوگی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

باقی رھا مسئلہ انشاءِ غالب تو اس پر سرسری اشارے کارآمد نہ تھے اور تفصیل سے لکھا جاتا تو خطوط کی ضخامت بہت بڑھ جاتی۔ دراصل یہ موضوع جداگانہ کتاب کا متقاضی ھے۔ ایک اھم معاملہ میرزا کے رسم‌الخط کا بھی تھا، اس پر لکھنے کے لیے موزوں ترین شخصیت فاضل محترم سید وزیرالحسن عابدی کی ھے، لیکن انہیں بالفعل فرصت نہیں مل سکی۔

به هر حال ایک ناچیز خوشہ چین اصحاب علم و فضل (جسے اپنی فرومایگی کے اعتراف میں کبھی تامل نہیں ھوا) کی سعی و کاوش سے جو کچھ ممکن تھا، وہ اس مرقع کی شکل میں حاضر ھے۔ اس کی ترتیب کے اصل محرک برادرِ عزیز پروفیسر حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ھیں، جنہوں نے اپنے منصب عالی کی بے پناہ مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کے زیر نگرانی علمی و ادبی کاموں کا بھی ایک نہایت ضروری اور وسیع سلسلہ جاری کر رکھا ھے۔ پھر عافیت سوز مصروفیتوں کے اس ھجوم میں انہوں نے میرزا غالب کی صد سالہ برسی شایان شان طریق پر منانے کے لیے ''مجلس یادگار غالب'' قائم کی اور اپنے دوش ھمت پر نئی ذمہ داریوں کا بارگراں اٹھا لیا۔ مجلس ''یادگار'' کی گوناگوں سرگرمیوں

کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میرزا غالب کی فارسی اور اردو تصانیف زیادہ سے زیادہ مفید و قابل مطالعہ صورت میں چھاپی جائیں۔ پیش نظر مجموعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کے لیے سب سے بڑھ کر مستحق سپاس پروفیسر حمید احمد خاں ہی ہیں۔

دلی دعا ہے کہ میرزا کے اشعار کی طرح ان کی اردو نثر بھی رواج میں ہمہ گیر شکل اختیار کرے۔ میرزا نے اپنے کلام سے استفادے کے لیے جو کچھ فرمایا تھا، وہ پہلے کی طرح آج بھی حرفاً حرفاً درست ہے اور برابر درست رہے گا۔ یہ خیال کی کرشمہ انگیزی نہیں، حقیقت ثابتہ کا اظہار ہے:

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

مسلم ٹاؤن۔ لاہور

۲۱- نومبر ۱۹۶۸ء — مہر

فہرست مضامین

ہر گوپال تفتہ

ہر گوپال نام، ابتدا میں رامی تخلص تھا، میرزا غالب نے تفتہ تجویز کیا۔ والد کا نام موتی لال، قوم کائستھ، وطن سکندر آباد (ضلع بلند شہر) ۱۲۱۴ (۱۷۹۹-۱۸۰۰) سال پیدایش ہے۔ گویا میرزا غالب سے دو برس چھوٹے تھے۔ تعلیم گھر پر پائی، فارسی سے خاص دل بستگی تھی۔ سرکار انگریزی کے محکمۂ بندوبست میں قانونگو رہے۔ شعر گوئی کے شوق میں ملازمت چھوڑ دی۔ پھر جانی بانکے لال رند، وکیل ریاست بھرت پور نے اپنے ماتحت مشغولیت کا کوئی انتظام کر دیا تھا۔ جس کا ذکر میرزا غالب کے خطوں میں آیا ہے، لیکن اس کی معین کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس مشغولیت کا تعلق ریاست بھرت پور سے تھا یا ریاست جے پور سے۔ میرزا غالب کے خطوط ھی سے معلوم ھوتا ھے کہ تفتہ نے بنک میں روپیہ جمع کرا رکھا تھا (خط ۲۲) اور وہ اپنے خرچ سے کتابیں چھپواتے رہے (خط ۲۷)۔

معلوم نہ ہو سکا کہ میرزا سے تلمذ کس زمانے میں اختیار کیا۔ تذکرہ ''روز روشن،، کے مطابق حسین قلی خاں مولف ''نشتر کدۂ عشق،، نے لکھا ھے کہ تفتہ نے دیوان واقف (نورالعین بٹالوی) کے فیض مطالعہ سے سخن سرائی اور نکتہ سنجی پر قدرت حاصل کی۔ اس کی اصلیت صرف یہ معلوم ھوتی ھے کہ تفتہ نے واقف کا دیوان بار بار پڑھا اور تفتہ کا اسلوب بیان بھی واقف سے ملتا جلتا ھے تذکرۂ ''روز روشن،، میں تفتہ کا ذکر رامی ھی کے

تحت کیا گیا ہے نیز اسی دور کے اشعار ''نشتر عشق،، سے چن چن کر درج کیے ہیں (''روز روشن،، ص ۲۳۶-۲۳۷) -

میرزا غالب اپنے اس سعادت مند شاگرد کو محبت سے ''میرزا تفتہ،، کہا کرتے تھے :

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بہ دل جا دارد

ہر کجا ہست، خدایا! بہ سلامت دارش

انہیں کہیں ''بھائی،، کہیں ''مہاراج،، کہیں ''منشی صاحب،، کہیں ''صاحب،، کہیں ''نور چشم غالب از خود رفتہ،، کہہ کر خطاب کرتے ہیں ، شاگرد کو بھی استاد سے بدرجۂ غایت محبت تھی - میرزا نے ۳۰ جنوری ۱۸۵۸ ء کے خط میں تفتہ کو لکھا کہ مئی ۱۸۵۷ء سے پنشن نہیں ملی - کہو، یہ دس مہینے کیوں کر گزرے ہوں گے - تفتہ نے خط ملتے ہی ایک سو روپے کی ہنڈی بھیج دی (خط ۳۰) میرزا نے ''دستنبو،، میں بھی اس ہنڈی کا ذکر کیا ہے (کلیات نثر غالب ص ۴۰۸) -

تفتہ نے شیفتہ اور نیر کی مدح میں قصیدے کہے - غالب نے دونوں ممدوحوں سے صلہ دلایا (خط ۹۲) ایک مکتوب میں تفتہ کو لکھا کہ ریٹی گن صاحب کے ماتحت پندرہ بیس روپے ماہوار کی ملازمت مل سکتی ہے ، پسند کرو تو اس کے لیے تحریک کی جائے -

میرزا کے اردو خطوط سب سے زیادہ تفتہ ہی کے نام ہیں یعنی ایک سو چوبیس اور یقین ہے کہ خاصے خطوط تلف ہو گئے - مثلاً پیش نظر مجموعے میں جو پہلا خط ہے - اس کی عبارت ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پہلا خط نہیں، بلکہ اس سے پیشتر کے خطوط بھی ہونے چاہئیں جو نہیں مل سکے - پھر ۱۸۴۸ء، ۱۸۵۰ء، ۱۸۵۱ ء، ۱۸۵۶ء اور ۱۸۵۷ء کا صرف ایک ایک خط ہے - یہ امر قرین قیاس نہیں کہ گہرے تعلقات کے باوصف صرف ایک ایک خط لکھا گیا ہو - ۱۸۶۵ء

کے بعد کا کوئی خط نہیں، حالانکہ تفتہ کے روابط میرزا غالب سے آخری وقت تک استوار رہے۔

تفتہ نے ۱۰ رمضان ۱۲۹۶ (۲ ستمبر ۱۸۷۹ء) کو سکندر آباد میں وفات پائی۔ قمری سنین کے حساب سے بیاسی برس کی عمر تھی۔ مولوی ممتاز احمد تھانوی نے تاریخ کہی :

سال نقلش با دل زار از خرد

من شنیدم : ''بے سر و پا شد سخن،،

مادۂ تاریخ کے اعداد ۱۲۹۵ بنتے ہیں ۔ ان میں دل زار یعنی الف کا ایک شامل کرنے سے ۱۲۹۶ ہو گئے۔

تفتہ کی ایک بیٹی تھی اور دو بیٹے۔ امراؤ سنگھ اور پتمبر سنگھ۔ پتمبر ۱۸۵۵ء میں فوت ہو گیا تو تفتہ نے تین سو بائیس شعر کا مرثیہ کہا، اس کے چودہ بند ہیں ۔ اسی طرح جانی بانکے لال رند کی وفات پر دو سو تہتر شعر کا مرثیہ کہا۔ اس کے بند بارہ ہیں۔

''خمخانۂ جاوید،، میں تفتہ کے چار دیوانوں کا ذکر ہے، ''صبح گلشن،، میں نواب علی حسن خان مرحوم نے لکھا ہے :

پنج دیوان شعر دارد و ابیات هر یکے ازاں قریب سیزده هزار بیت

(ص ۸۶)

راقم‌الحروف کی نظر سے تفتہ کا صرف ایک دیوان گزرا ہے۔ جو مطبع ''کوہ نور،، لاہور میں چھپا تھا (۱۸۵۷)ء اس میں صرف غزلیات کے اشعار پونے آٹھ ہزار ہیں ۔ رباعیات، مرثیے اور متفرقات ان کے علاوہ ہیں۔ ''گلستان،، سعدی کی تضمین کی۔ ایک مثنوی ''سنبلستان،، ''بوستان،، کی طرز پر کہی۔

اردو میں صرف دو شعر کا قطعہ دیکھا، جو غالب کی تاریخ وفات پر مشتمل تھا :

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں ، جس کے فیض سے
ہم سے ہزار ہیچ مداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق
چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پا و سر ہوئے

مشہور ہے کہ ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹنا گر (وفات ۱۹۵۵ء) تفتہ کے نواسے تھے۔ مالک رام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ سر شانتی سروپ کو تفتہ سے قریبی تعلق کوئی نہ تھا۔ ممکن ہے ان کی والدہ کا نسب اوپر جاکر سکندرہ آباد کے دیپ چند سے مل جاتا ہو۔ جو تفتہ کے بھی مورث اعلیٰ تھے (تلامذۂ غالب ص ۶۳ حاشیہ)۔

(۱)

مہاراج !

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ دل میرا گرچہ خوش نہ ہوا ، لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ بہر حال مجھ کو کہ نالائق و ذلیل ترین خلائق ہوں، اپنا دعا گو سمجھتے رہو۔ کیا کروں، اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤگے اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے(۱) کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اون کی مدح کتنی ہے۔ مرزا رحیم الدین بہادر

---

(۱) "گلشن بے خار" ، جس پر میرزا غالب نے تقریظ لکھی تھی (کلیات نثر فارسی ص ۶۹)

حیا تخلص کے دیوان کے دیباچہ کو دیکھو (۱) - وہ جو تقریظ دیوان حافظ کی، موجب فرمایش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے(۲) ، اوس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اون کا نام اور اون کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں -

واللہ باللہ اگر کسی شہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اوس کی اتنی مدح نہ کرتا ،جتنی تمہاری مدح کی ہے - ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے - قصہ مختصر تمہاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اوس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے -(۳) اس سے زیادہ بھٹئی میری روش نہیں - ظاہرا تم خود فکر نہیں کرتے - اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو - وہ صاحب تو بیشتر اس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے، کس واسطے کہ اون کے کان اس آواز سے آشنا نہیں - جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے، وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے ؟

ہمارے شفیق، منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو ماءالجبن سے بھی نہ گیا ؟ ایک نسخہ "طب محمد حسین خانی،، میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سود مند ہے ، مگر اثر اوس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے - وہ نسخہ یہ ہے کہ پان سات سیر پانی لیویں اور اوس میں سیر پیچھے تولہ بھر چوب چینی کوٹ کر ملادیں اور اوس کو جوش کریں اور اس قدر کہ چہارم پانی جل جائے - پھر اوس باقی پانی کو چھان کر کوری ٹھلیا میں بھر رکھیں اور جب باسی ہو جاوے، اوس کو پیئں - جو غذا کھایا کرتے ہیں کھایا کریں - پانی دن رات ، جب پیاس لگے یہی پئیں - روز جوش کروا کر ، چھنوا کر رکھ چھوڑیں - برس دن میں اس کا

---

(۱) کلیات نثر فارسی ص ۷۸-۸۰ (۲) کلیات نثر فارسی ص ۷۵-۷۸ (۳) دیباچہ دیوان تفتہ (کلیات نثر فارسی ص ۸۲-۸۳) -

فائدہ معلوم ہوگا۔ میرا سلام کہ کر یہ نسخہ عرض کر دینا۔ آگے اون کو اختیار ہے(۱) -

مئی ۱۹۳۸ ء

(۲)

بھائی،

یہ مصرع جو تم کو بہم پہنچا ہے، فن تاریخ گوئی میں اس کو کرامت اور اعجاز کہتے ہیں ۔ یہ مصرع سلمان ساوجی (۲) و ظہیر (۳) کا سا ہے ۔ چار لفظ اور چاروں واقعے کے مناسب ۔ یہ مصرع کہہ کر اور مصرع کی فکر کرنی کس واسطے؟ واہ واہ! سبحان اللہ ۔

---

(۱) یہ ان خطوں میں سے ہے، جن پر پہلے کوئی تاریخ نہ تھی ۔ منشی مہیش پرشاد نے اسے اگست ۱۸۴۹ء کا قرار دیا (خطوط غالب ص ۲) یہ نہ بتایا کہ اس تاریخ کے تعین کے لیے بنیاد کیا تھی ۔ جب منشی نبی بخش حقیر کے نام مکاتیب کا مجموعہ موسوم بہ ''نادرات غالب،، شائع ہوا تو واضح ہو گیا کہ زیر غور خط کو اگست ۱۸۴۹ء کا قرار دینا صحیح نہیں ۔ حقیر کے نام ۴ جون ۱۸۴۸ء کے ایک خط میں میرزا غالب نے دیوان تفتہ کی تقریظ اور چوب چینی کے نسخے کا ذکر کیا ہے ۔ گویا ۴ جون ۱۸۴۸ء سے پیشتر تفتہ کو یہ خط لکھا جا چکا تھا ۔ لہذا اوس کی صحیح تاریخ مئی ۱۸۴۸ء ہی ہو سکتی ہے ۔

(۲) خلافت عباسیہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی تو جابجا جو متفرق حکومتیں قائم ہوئیں ۔ ان میں سے ایک حکومت خاندان جلائر کی تھی (۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء — ۸۱۳ھ/۱۴۱۱ء) جس کا مرکز بغداد تھا۔ سلمان ساوجی اسی خاندان حکومت کا مداح تھا۔ غالباً ۷۶۹ھ ۱۳۶۸ میں فوت ہوا۔ مشہور قصیدہ گو اساتذہ میں شمار ہوتا ہے ۔ (۳) ظہیرالدین ظہیر فاریابی اتابکان آذربائیجان میں سے قزل ارسلان اور ابو بکر کا مداح تھا۔ اس کا یہ شعر بہت مشہور ہے :

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دھد

آخر دربار داری چھوڑ کر تبریز میں خلوت نشین ہو گیا ۔ وہیں ۵۹۸ھ/۱۲۰۲ء میں وفات پائی اور خاقانی کے پہلو میں دفن ہوا۔

اور یہ جو تم کو ''فر،، کے لفظ میں تردد ھوا اور ایک سوکھا سہا شعر ظہوری کا لکھا، بڑا تعجب ھے یہ لفظ میرے ھاں پنج آھنگ میں دس ہزار (۱) جگہ آیا ھوگا۔ ''فر،، اور ''فرہ،، لفظ فارسی ھے، مرادف ''جاہ،، کے۔ پس ''جاہ ،، کو اور اس کو کس نے کہا ھے کہ بغیر ترکیب دے نہ لکھے۔ ''عالی جاہ،، اور ''سکندر جاہ ،، اور ''مظفر فر،، اور ''فریدوں فر،، یوں بھی درست ھے اور صرف ''جاہ،، اور ''فر،، یوں بھی درست۔

اور ایک بات تم کو معلوم رھے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری کہنا بے جا ھے۔ سنو: خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب ھے اور یہ بہت ضعیف ھے اور بہت کم ھے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ھے ''میر محمد علی،، یا ''شیخ محمد علی بیگ،، اور اوس کو خاندانی بھی ''خانی،، نہیں حاصل۔ پس جب اوس کو بادشاہ ''محمد علی خاں،، کہہ دے، تو گویا اوس کو ''خانی،، کا خطاب ملا اور جو شخص کہ اوس کا نام اصلی ''محمد علی خاں،، ھے، یا تو وہ قوم افغان ھے یا ''خانی،، اوس کی خاندانی ھے۔ بادشاہ نے اوس کو محمد علی خاں بہادر کہا۔ پس یہ خطاب ''بہادری،، کا ھے۔ اس کو ''بہادری،، کا خطاب کہتے ھیں۔ اس سے بڑھ کر خطاب ''دولگی،، کا ھے، یعنی مثلاً ''محمد علی خان بہادر،، اوس کو ''منیرالدولہ محمد علی خاں بہادر،، کہا۔ اب یہ خطاب ''دولگی،، کا ھوا۔ اس کو ''بہادری کا خطاب نہیں کہتے۔ اب اس خطاب پر افزایش ''جنگ،، کی ھوتی ھے۔ ''منیرالدولہ محمد علی خاں بہادر شوکت جنگ،،۔ ابھی خطاب پورا نہیں۔ پورا جب ھوگا کہ جب ''ملک،، بھی ھو۔ پس پورے خطاب کو ''خطاب بہادری ،، لکھنا غلط ھے۔ یہ واسطے

(۱) فر بہ معنی دبدبہ و شوکت و جاہ ، ''دس ہزار،، سے مراد ھے ''بہ کثرت،،۔

تمھارے معلوم رھنے کے لکھا گیا ھے۔(۱)

اب آپ اس سات بیت کے قطعے کو اپنے دیوان میں داخل اور شامل کر لیجیے یعنی قطعوں میں لکھ دیجیئے۔ جب تمہارا دیوان چھاپا جائے گا، یہ قطعہ بھی چھپ جائے گا۔ مگر ھاں منشی صاحب(۲) کے سامنے اس کو پڑھیے اور اون سے استدعا کیجیے کہ اس کو آگرے بھیجیے تاکہ چھاپا ھو جاوے ''اسعدالاخبار،، میں اور ''زبدۃالاخبار،، میں۔ یقین ھے کہ وہ تہارے کہنے سے عمل میں لاویں گے۔ مجھ کو کیا ضرور ھے کہ میں لکھوں؟ میں نے یہاں ''صادق‌الاخبار،، میں چھپوا دیا ھے۔

اگست ۱۸۵۰ء

(۳)

میں تم کو خط بھیج چکا ھوں۔ پہنچا ھوگا۔ کل ایک رقعہ میرے پاس آیا۔ کوئی صاحب عطاالله خاں ھیں اور نامی تخلص کرتے ھیں۔ خداجانے کہاں ھیں اور کون ھیں۔ ایک دوست نے وہ رقعہ میرے پاس بھیجا۔ میں نے اوس کا جواب لکھ کر اوسی دوست کے پاس بھیج دیا۔ رقعہ تم کو بھیجتا ھوں، پڑھ کر حال معلوم کروگے۔

تمھارے شعر میں جو تردد تھا اس کا جواب میں نے یہ لکھا ھے تم کو بھی معلوم رھے

۱۔ غالب نے خطابات کی تدریجی ترتیب یہ بتائی ھے:

(۱) خان۔ (۲) بہادر۔ (۳) دولہ۔ (۴) جنگ۔ (۵) ملک۔ ممکن ھے مغل بادشاھوں کے زمانے میں یہی ترتیب ھو۔ حیدر آباد کے آخری زمانے کے مروجات سے معلوم ھوتا ھے کہ خانی کا خطاب اڑ گیا تھا اور ترتیب یہ تھی:

(۱) جنگ۔ (۲) دولہ۔ (۳) ملک۔ (۴) امرا۔ (۵) جاہ۔ (۶) فتح جنگ نظام‌الدولہ، آصف جاہ، سکندر جنگ، اقبال‌الدولہ، اقتدارالملک، وقارالامرا۔ ایک خطاب ''سلطنت،، کا بھی اختیار کیا گیا تھا۔ مثلاً ''یمین‌السلطنتہ،،۔

۲) نبی بخش حقیر۔

رفت آنچه به منصور شنیدی تو و من هم
اے دل سخنے هست نگهدار زباں را

تردد یه که ''آنچه به منصور رفت،، نہیں دیکھا۔ ''آنچه بر منصور رفت،، درست ہے۔ جواب: باۓ موحده ''علیٰ،، کے معنی بھی دیتی ہے، پس جو کچھ ''بر،، سے مراد تھی، وہ باۓ موحده سے حاصل ہو گئی اور اگر باۓ موحده کے معنی معیت کے لیں، تو بھی درست ہے۔ نظیری کہتا ہے:

شادی که غبن میکشی ودم نمی زنی
در شهر این معامله با هر گدا رود(۱)

اگر کوئی یہ کہے کہ (نظیری کے شعر میں) ''معامله،، ہے اور اس شعر (نفته کے شعر) میں معامله کا لفظ نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں ''معامله،، مذکور ہے۔ اور تفته کے مقدر ہے۔ ''رفت،، کا ''صله،، اور ''تعدیه،، باۓ موحده کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام

۱۸۵۱ء اسداللہ

(۴)

کیوں مہاراج ؟

کول(۲) میں آنا اور منشی نبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی کرنی اور ہم کو یاد نہ لانا، مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا کہ

(۱) یعنی تو خوش ہو رہا کہ جور و جفاۓ محبوب سے نقصان اٹھا رہا ہے۔ اور دم نہیں مارتا۔ یہ معامله تو شہر عشق میں ہر گدا کو پیش آ رہا ہے۔ تیرے لیے اس پر خوشی کا کون سا موقع ہے؟ - (۲) علی گڑھ کا پرانا نام۔

تم مجھ کو بھول گئے ؟ کول میں آئے اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی۔
نہ لکھا میں کیونکر آیا ہوں اور کب تک رہوں گا اور کب جاؤں گا اور بابو
صاحب (۱) سے کہاں جا ملوں گا۔ خیر، اب جو میں نے بے حیائی کر کے تم کو خط
لکھا ، لازم ھے کہ میرا قصور معاف کرو اور مجھ کو ساری اپنی حقیقت لکھو۔
تمہارے ھاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی میرے پاس موجود ھیں۔
اور اصلاح پا چکی ھیں ۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں بھیجوں۔ ہر چند
انہوں نے لکھا ھے کہ اکبر آباد ہاشم علی خاں کو بھیج دو، لیکن میں
نہ بھیجوں گا۔ جب وہ اجمیر یا بھرت پور پہنچ کر مجھ کو خط لکھیں گے،
تو میں اون کو وہ اوراق ارسال کر دوں گا یا تم جو لکھو گے، اوس پر عمل
کروں گا۔ بھائی ایک دن شراب نہ پیو یا کم پیو اور ہم کو دو چار سطریں
لکھ بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ھے۔

رقم زدہ یک شنبہ چارم جنوری ۱۸۵۲ء　　　　اسداللہ

---

(۱) بابو سے مراد جانی بانکے لال رند ھیں، جیسا کہ خط نمبر ۵
سے واضح ہو جاتا ھے۔ وہ راجہ بھرت پور کے وکیل تھے اور غالباً
بے پور سے بھی کچھ تعلق تھا۔ میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ مزید حالات
معلوم نہ ہو سکے۔ تفتہ اون کے ماتحت ملازم ہو گئے تھے۔ تفتہ کے دوسرے
دیوان مطبوعہ مطبع ''کوہ نور،، لاھور میں جانی بانکے لال رند پر ایک
طویل مرثیہ موجود ھے، جس سے ظاہر ہوتا ھے کہ ان کا انتقال
۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵-۵۶ء) میں ہوا۔ مرثیہ میں تفتہ ایک جگہ رند کے فضائل
بیان کرتے ہوئے لکھتے ھیں :

بود ہندو و دل سوے اسلام

دوسری جگہ لکھتے ھیں :

پدر او ہمیں پسر مے داشت
در جہاں زو نشاں کہ بود، نہ ماند

لیکن میرزا غالب نے ایک خط میں رند کے ایک بھائی جانی بیج ناتھ کا ذکر کیا ھے
ممکن ھے کہ وہ رشتے کا بھائی ہو (خط ۱۳)۔

شفیق بالتحقیق منشی ہر گوپال تفتہ سلامت رہیں !

آپ کا وہ خط جو آپ نے کانپور سے بھیجا تھا، پہنچا۔ بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپ کا لکھنئو جانا اور وہاں کے شعرا سے ملنا سب معلوم ہوا۔ اشعار جناب رند کے پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد درست ہو گئے اور اصلاح اور اشارے اور فوائد جیسا کہ میرا شیوہ ہے، عمل میں آیا۔ جب تک کہ اون کا یا تمہارا خط نہ آوے اور اقامت گاہ معلوم نہ ہو، میں وہ کواغذ ضروری کہاں بھیجوں اور کیوں کر بھیجوں؟ اب جو تمہارے لکھنے سے جانا کہ ۱۹۔ فروری تک اکبر آباد آؤگے تو میں نے یہ خط تمہارے نام لکھ کر لفافہ کر رکھا ہے۔ آج انیسویں ہے، پرسوں اکیسویں کو لفافہ آگرے کو روانہ ہوگا۔ بابو صاحب کو میں نے خط اس واسطے نہیں لکھا کہ جو کچھ لکھنا چاہیے تھا وہ خاتمۂ اوراق اشعار پر لکھ دیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ اون کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور سفر کے انجام اور حصول مرام کی مبارکباد دو اور اوراق اشعار گزرانو اور یہ عرض کرو کہ جو عبارت خاتمے پر مرقوم ہے اوس کو غور سے پڑھیے اور اپنا دستورالعمل گردانیے ۔ نہ یہ کہ سرسری دیکھیے اور بھول جائیے۔ بس تمام ہوا وہ پیام کہ جو بابو صاحب کی خدمت میں تھا۔

اب پھر تم سے کہتا ہوں کہ وہ جو تم نے اوس شخص کولی(۱) کا حال لکھا تھا، معلوم ہوا۔ ہر چند اعتراض اون کا لغو اور پرسش اون کی بے مزہ ہو، مگر ہمارا یہ منصب نہیں کہ معترض کو جواب نہ دیں یا سائل سے بات نہ کریں۔ تمہارے شعر پر اعتراض، اس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہوا ہے، گویا ہم پر ہے۔ اس سے ہمیں کام نہیں کہ وہ مانیں یا نہ مانیں۔ کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول اور استوار ہے۔ جو زبان دان

---

(۱) باشندۂ کول (علی گڑھ)

ہوگا، سمجھ لے گا۔ غلط فہم اور کج اندیش لوگ نہ سمجھیں ، نہ سمجھیں۔ ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تلقین سے کیا علاقہ ؟ تعلیم و تلقین واسطے دوستوں کے اور یاروں کے ہے، نہ واسطے اغیار کے ۔ تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا ہے کہ خود غلطی پر نہ رہو اور غیر کی غلطی سے کام نہ رکھو۔ آج تمہارا کلام وہ نہیں کہ کوئی اوس پر گرفت کر سکے مگر ہاں :

حسود را چہ کنم کوز خود برنج در است

والسلام و الاکرام،

رقم زدہ ۱۹ فروری و مرسلہ بست و یکم فروری ۱۸۵۲ء　　　　　اسداللہ

(۶)

بندہ پرور

''بیش از بیش و کم از کم،، یہ ترکیب بہت فصیح ہے۔ اس کو کون منع کرتا ہے ؟ اور جلال اسیر (۱) کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ ''در زمان من مہر بیش از بیش شد و در زمان تو وفا کم از کم شد،،۔ استاد کیا کہے گا ؟ اس میں تو تین ٹکڑے کا لف و نشر ہے ''من،، اور ''تو،، ''مہر،، اور ''وفا،، بیش از بیش،، اور ''کم از کم ،،۔ یاد رہے کہ ''بیشتر از بیش،، و ''کمتر از کم،، اگر چہ بحسب معنی جائز ہے ، لیکن فصاحت اس میں کم ہے۔ ''بیش از بیش،، اور ''کم از کم،، افصح ہے۔ وہ شعر تمہارا خوب ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے :

قیس از تو نہ ایم کم، ولے صبر　　　　بیش است ترا، کم است ما را

لیکن ہاں پہلے مصرع میں اگر ''کمتر،، ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہر حال اتنا خیال رہے کہ ایسی جگہ ''تر،، کا لفظ افصح ہے۔ چنانچہ میرا شعر ہے :

---

(۱) میرزا جلال اسیر بن مومن شہرستان اصفہان کا باشندہ اور شاہ عباس صفوی کے رشتہ داروں میں تھا۔ جن شعرا کو ''خیال بند،، کہا جاتا تھا، ان میں شامل ہے۔ ۱۶۳۹ء میں فوت ہوا۔

جلوہ کن، منت منہ ، از ذرہ کمتر نیستم
حسن با ایں تابناکی آفتابے بیش نیست

ورنہ چشم تو چہ از روزن دیوار کم است

یہاں بہت ہی اوپری معلوم ہوتا ہے اور نرا ہندی کا ترجمہ رہ جاتا ہے، فارسیت نہیں رہتی :

سہل مشہار زندگانی ہا

مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے :

رایگاں ست زندگانی ہا   می تواں کرد جانفشانی ہا

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی تم کو نہ دوں اور خود اس زمین میں غزل لکھوں ، مگر پھر میں نے خست نہ کی اور تم کو دے دیا ۔ حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا ۔ یہ خط جو آپ نے مجھے لکھا ہے، شراب کے نشے میں لکھا ہے اور وہ اصلاحی اوراق بھی سی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں ۔ اب :

گلہ تا کے ز زندگانی ہا

اس کو موقوف کیجیے اور وہ مطلع رہنے دیجیے کہ وہ بہت خوب ہے ۔ بعینہ مولانا ظہوری(۱) کا معلوم ہوتا ہے۔ بھائی ہمارے اوراق اصلاحی کو غور سے دیکھا کرو۔ ہماری محنت تو ضائع نہ جائے۔

---

(۱) فارسی کے مشہور شعرا میں سے ہے ۔ اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا تھا ۔ پھر دکن پہنچ کر بیجا پور کے عادل شاہی دربار میں ملازم ہو گیا ۔ ملک قمی نے اپنی بیٹی سے شادی کر دی تھی ۔ نظم کے علاوہ اس کی نثر بھی مشہور ہے ''سہ نثر،، مدت تک فارسی نصاب میں رہی ۔ وفات ۱۰۲۵ھ
۱۶۱۶ع

''ایامے چند،، جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے ، بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے ۔ مثلاً ''معانی چند،، اور ''احکام چند،، اور ''اسرار چند،، یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں ''آمال ہا،، یہ کھلی سورتھ ہے :

خطائے بزرگاں گرفتن خطا ست

ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے، اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈتے پھریں ؟ مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے :

صلاح کار کجا و من خراب کجا
بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

میری جان! ایسے موقع پر یہ چاہئیے کہ بزرگوں کے کلام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں اور خود اس کی پیروی نہ کریں ۔ فقیر گوارا نہیں رکھنے کا جمع الجمع کو اور برا نہ کہے گا حضرت صائب کو(۱) ۔

شہرت فلانے شخص کے انتقال کی بہ غلط، البتہ میرا بھی موجب ملال ہے، مگر یہ کونسا واقعہ عظیم ہولناک ہے کہ صاحبان اخبار اس کو چھاپیں ؟ آپ اس طرف اتنا اعتنا نہ فرمائیے (۲) ۔

گر ماہ و آفتاب بمیرد ، عزا مگیر
ور تیر و زہرہ(۳) کشتہ شود، نوحہ خواں مخواہ

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ صائب نے اگر کہیں جمع الجمع سے کام لیا ہے تو اسے برا کہنے کی ضرورت نہیں ، لیکن میں خود جمع الجمع کو جائز نہیں سمجھتا ۔ اس لیے کہ اغلاط میں اساتذہ کی سندیں ڈھونڈنا بالکل غیر مناسب ہے ۔ غلطی بہ ہر حال غلطی ہے اگر استاد نے احتیاط نہ کی تو ضروری نہیں کہ ہر شخص سررشتہ احتیاط چھوڑ دے ۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ تفتہ نے لکھا کہ فلاں شخص کے انتقال کی شہرت ہوگئی حالانکہ واقعہ غلط تھا ۔ اس کی تردید اخبار میں چھپوا دیجیے۔

(۳) تیر و زہرہ دو ستارے ہیں ۔

میں کالے صاحب(۱) کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرایہ کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا، صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔ واسطے اطلاع کے تم کو لکھا ہے۔ اگرچہ میرے خط پر حاجت مکان کے نشان کی نہیں ہے۔ ''در دھلی به اسداللہ برسد،، کافی ہے۔ مگر اب لال کنواں نہ لکھا کرو۔ محلہ بلی ماراں لکھا کرو۔

اور ہاں صاحب ہمارے شفیق بابو صاحب کا حال لکھو۔ مسہل سے فراغت ہوئی اور مزاج کیسا ہے؟ اور اب اجمیر اور وہاں سے آبو پہاڑ کو کب جائیں گے؟ میرا سلام بھی کہہ دیجیے گا ۔ والسلام

محررہ دو شنبہ بست و دوم مارچ ۱۸۵۲ء　　　　　　اسداللہ

(۷)

کاشانۂ دل کے ماہ دو ہفتہ منشی ہر گوپال تفتہ۔

تحریر میں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں! اب ضرور آپڑا ہے کہ ہم بھی جواب اوسی انداز سے لکھیں۔

سنو صاحب: یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم (۲) میرا

---

(۱) شیخ نصیرالدین عرف کالے میاں، بہادر شاہ کے پیر اور مولانا فخرالدین فخر عالم رح کے پوتے تھے۔ ان کا ایک مکان گلی قاسم جان میں تھا، جس میں غالب کئی برس رہے ۔ یہ مکان غالباً اب بھی اصل صورت میں موجود ہے۔

(۲) زین العابدین خاں عارف غالب، کے ہم زلف نواب غلام حسین خاں مسرور کا فرزند اور بیگم غالب کا حقیقی بھانجا تھا ۔ مسرور نے اپنی بیوی بنیادی بیگم بنت الٰہی بخش خاں معروف کو چھوڑ کر دوسری شادی کر لی تھی اور عارف قریبی رشتے کی بنا پر نیز خوش فکری کے باعث غالب سے وابستہ ہو گیا تھا۔ ۳۵ برس کی عمر پائی ۔ جمادی الاخری ۱۲۶۱ھ (اپریل ۱۸۵۲ء) میں انتقال کیا۔ اس کے شاگرد الگزاندر ھدر نے متخلص بہ آزاد نے جو ''الک صاحب،، مشہور تھا مندرجہ ذیل مصرع سے تاریخ وفات نکالی تھی، جس میں سے ایک کا تخرجہ تھا:۔

عارف پسند رحمت حق ہو چکا ہے آج

فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے (۱) کہ وہ میرے پوتے ھیں، میرے پاس آرہے ھیں اور دمبدم مجھ کو ستاتے ھیں اور میں تحمل کرتا ھوں۔ خدا گواہ ھے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ھوں۔ بس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ھوئے۔ جب ان عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ھیں ۔ کہیں پانی اڑھاتے ھیں، کہیں خاک اڑاتے ھیں، میں نہیں تنگ آتا تو اون معنوی پوتوں سے کہ اون میں یہ باتیں نہیں ، میں کیوں گھبراؤں گا؟ آپ اون کو جلد بہ سبیل ڈاک میرے پاس بھیج دیجیے کہ میں اون کو دیکھوں۔ وعدہ کرتا ھوں کہ پھر جلد اون کو تمھارے پاس بہ سبیل ڈاک بھیج دوں گا ۔ حق تعالیٰ تمھارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے اور اون کو دولت و اقبال دے اور تم کو اون کے سر پر سلامت رکھے اور تمھارے معنوی بچوں یعنی نتائج طبع کو فروغ شہرت اور حسن قبول عطا فرمائے۔ بابو صاحب کے نام کا خط اون کے خط کے جواب میں پہنچتا ھے، اون کو دے دیجیے گا ۔ اور ھاں صاحب بابو صاحب اور تم آبو کو جانے لگو تو مجھ کو اطلاع کرنا اور تاریخ روانگی لکھ بھیجنا تاکہ میں بے خبر نہ رھوں۔ والدعا

نگاشتہ جمعہ ۱۸ جون ۱۸۵۲ء　　　　اسداللہ

(۸)

کل تمھارا خط آیا، راز نہانی مجھ پر آشکارا ھوا۔ میں سمجھا ھوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رھے ھو ۔ اب معلوم ھوا کہ حق بجانب

---

(۱) باقر علی خاں اور حسین علی خاں۔

تمہارے ہے - میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا تو اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا؟ عیاذاًباللہ! اب میں تم کو کیوں کر کہوں کہ بے حرمتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو۔ بلکہ یہ بھی زائد ہے، جو دوست سے کہئیے کہ تو ہمارے واسطے اس کو ترک کر۔ بہ ہر حال دوست کی دوستی سے کام ہے، اوس کے افعال سے کیا غرض؟ جو محبت و اخلاص اون میں، تم میں ہے، بدستور بلکہ روز افزوں رہے۔ ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے، نہ سہی:

وصلے کہ دراں ملال باشد
ہجراں بہ ازاں وصال باشد

آمدم برسر مدعا۔ تمہاری رائے ہم کو اس بات میں پسند۔ عجب طرح کا پیچ پڑا کہ نکل نہیں سکتا۔ نہ تم کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ اون کو کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اس موقع میں سوا ے اس کے کہ تماشائی نیرنگ قضا و قدر بنا رہوں، کچھ بن نہیں آتی(۱)

بہ بینم کہ تا کردگار جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

جےپور کا امر محض اتفاقی ہے۔ بے قصد و بے فکر در پیش آیا ہے۔ ہوسناکانہ اودھر متوجہ ہوا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں، بہرا ہو گیا ہوں۔ سرکار انگریزی

---

(۱) اس عبارت سے متباور ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں تفتہ اور رند کا یکجا رہنا اور تفتہ کا ملازمت جاری رکھنا مشکل ہو گیا تھا اور تفتہ ترک ملازمت کا خواہاں تھا۔ غالب نے روکا، لیکن جب حقیقت حال کا علم ہوا تو اعتراف کیا کہ تفتہ کی راے درست ہے۔

میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا۔ اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھبا لگ گیا ہے۔ کسی ریاست میں دخل کر نہیں سکتا، مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بن کر راہ و رسم پیدا کروں، کچھ فائدہ اٹھاؤں، کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کردوں۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے؟ :

تا نہال دوستی کے بر دید

حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

صحاف کے ہاں سے دیوان ابھی نہیں آیا۔ آج کل آجائے گا۔ پھر اس کے جزودان کی تیاری کر کے روانہ کروں گا(۱) ابھی کول میں آرام کرو۔ اپنے بچوں میں دل بہلاؤ۔ اگر جی چاہے تو اکبر آباد چلے جائیو، وہاں اپنا دل بہلائیو۔ دیکھو اس خودداری میں اودھر سے کیا ہوتا ہے اور وہ کیا کرتے ہیں؟ والسلام

جمعہ دھم دسمبر ۱۸۵۲ء اسداللہ

(۹)

پرسوں تمہارا خط آیا۔ حال جو معلوم تھا، وہ پھر معلوم ہوا، غزلیں دیکھ رہا تھا۔ آج شام کو دیکھنا تمام ہوا تھا۔ غزلوں کو رکھ دیا تھا چاہتا تھا کہ اون کو بند کر کے رہنے دوں۔ کل صبح نو بجے دس بجے ڈاک بھیج دوں۔ خط کچھ ضرور نہیں اسی خیال میں تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا جانی جی کا خط لایا۔ اس کو پڑھا۔ اب مجھ کو ضرور ہوا کہ خلاصہ اس کا تم کو لکھوں۔ یہ رقعہ لکھا۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ جے پور کے راجہ کے پاس اپنا دیوان بھیجنا تھا، جس کی جلد بندھوائی۔ پھر جزودان یعنی غلاف بنوانا تھا۔ ”بدنام ہو گیا ہوں اور دھبا لگ گیا ہے“ سے اشارہ غالباً اسیری کی طرف ہے جو قماربازی کے سلسلے میں ہوئی تھی۔

خلاصہ بطریق ایجازیہ ہے کہ عرضی گزری، دیوان گزرا، راول جی کے نام کا خط گزرا۔ راجہ صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے۔ جانی جی نے جو ایک معتمد اپنا سعداللہ خاں وکیل کے ساتھ کر دیا ہے، وہ منتظر جواب کا ہے۔ راول جی نئے اجنٹ کے استقبال کو گئے ہیں اور اب اجنٹ علاقہ، جے پور کی راہ سے نہیں آنا۔ آگرے اور گوالیار، کرولی ہوتا ہوا اجمیر آئے گا اور اس راہ میں جے پور کا عمل نہیں۔ پس چاہیے کہ راول جی الٹے پھر آویں۔ اون کے آئے پر عرضی کا جواب ملے گا اور اوس میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔

بھائی، جانی جی تم کو بہت ڈھونڈھتے اور تمہارے بغیر بہت بے چین ہیں۔ میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں، نہ اون کو سمجھا سکتا ہوں۔ تم وہ کرو کہ جس میں سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ ہاں، یہ بھی جانی جی نے لکھا تھا کہ بہت دن کے بعد منشی جی کا خط آیا ہے۔

اسداللہ

(۱۰)

بھائی!

پرسوں شام ڈاک کا ہرکارہ آیا اور ایک خط تمہارا اور ایک جانی جی کا لایا۔ تمہارے خط میں اوراق اشعار اور بابو صاحب کے خط میں جے پور کے اخبار۔ دو دن سے مجھ کو وجع‌الصدر (۱) ہے اور میں بہت بے چین ہوں۔ ابھی اشعار کو دیکھ نہیں سکتا۔ بابو صاحب کے بھیجے ہوئے کواغد تم کو بھیجتا ہوں۔ اشعار بعد دو چار روز کے بھیجے جائیں گے۔

مرسلہ جمعہ ۲۵ فروری ۱۸۵۳ء　　　　اسداللہ

---

(۱) سینے کا درد۔ میرزا غالبؔ منشی نبی بخش حقیر کو ۲۷- ربیع‌الاول ۱۲۶۹ھ ۸- مارچ ۱۸۵۳ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

میرے امراض بیشتر دوری ہیں۔ آگے ایک قولنج کا دورہ تھا، اب وجع‌الصدر کا دورہ شروع ہو گیا ہے۔ جب یہ مرض اٹھ کھڑا ہوتا ہے، چار پہر، چھہ پہر، دو پہر رہتا ہے، پھر رفع ہو جاتا ہے۔(نادرات غالب ص ۲۱)۔

(۱۱)

آج مجھ کو بڑی تشویش ہے اور یہ خط میں تم کو کمال سراسیمگی میں لکھتا ہوں۔ جس دن میرا خط پہنچے، اگر وقت ڈاک کا ہو، تو اوسی وقت جواب لکھ کر روانہ کرو اور اگر وقت نہ رہا تو چار و ناچار دوسرے دن جواب بھیجو۔ منشا تشویش و اضطراب کا یہ ہے کہ کئی دن سے راجہ بھرت پور کی بیماری کی خبر سنی جاتی تھی۔ کل سے اور بری خبر شہر میں مشہور ہے (۱)۔ تم بھرت پور سے قریب ہو۔ یقین ہے کہ تم کو تحقیقی حال(۲) معلوم ہوگا۔ جلد لکھو کیا صورت ہے؟ راجہ کا مجھ کو غم نہیں، مجھ کو فکر جانی جی کی ہے کہ اوسی علاقہ میں تم بھی شامل ہو۔

صاحبان انگریز نے ریاستوں کے باب میں ایک قانون وضع کیا ہے، یعنی جو رئیس مر جاتا ہے، سرکار اس ریاست پر قابض و متصرف ہو کر رئیس زادے کے بالغ ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے(۳)۔ سرکاری بندو بست میں کوئی قدیم‌الخدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے، مگر یہ وکیل ہیں، معلوم نہیں مختار کون ہے اور ہمارے بابو صاحب میں اور اس مختار میں صحبت کیسی ہے؟ رانی سے اون کی کیا صورت ہے؟ تم اگرچہ بابو صاحب کی محبت کا علاقہ رکھتے ہو، لیکن انہوں نے از راہ دور اندیشی تم کو متوسل اوس سرکار کا کر رکھا ہے اور تم مستغنیانہ اور لا ابالیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

---

(۱) یعنی مشہور ہے کہ راجہ بھرت پور فوت ہو گیا ہے۔

(۲) بعض نسخوں میں ''تحقیق حال،، دیکھا (خطوط مرتبہ مہیش پرشاد)۔

(۳) یہ وہی لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض ریاستیں بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شریک ہوئیں۔ میرزا غالب عملی سیاست دان نہ تھے، تاہم سرکار انگریزی کی پالیسی ان پر بھی آشکارا تھی اور یقیناً یہ لاکھوں افراد پر آشکارا ہوگی۔

زنہار اب وہ روش نہ رکھنا ۔ اب تم کو بھی لازم آ پڑا ہے جانی جی کے ساتھ روشناس حکام والا مقام ہونا ۔ پس چاہیے کول کی آرامش کا ترک کرنا اور خواہی نخواہی بابو صاحب کے ہمرا رہنا ۔ میری رائے میں یوں آیا ہے اور میں نہیں لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے اور مصلحت کیا ہے؟

جانی جی بھرت پور آئے ہیں یا اجمیر میں ہیں ؟ کس فکر میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ واسطے خدا کے ، نہ مختصر، نہ سرسری ، بلکہ منفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو اور جو صورت ہو مجھ کو لکھو اور جلد کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے ۔ کل شام کو میں نے سنا، آج صبح قلعے(۱) نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر از راہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے ۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ روانہ کرنا ۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں ۔ ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں اور پوسٹ پیڈ پڑا رہتا ہے ۔ جب اوس محلے میں جانا ہوتا ہے تو اوس کو بھی لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں کہ پریشان ہوں ۔ ضروری جواب طلب ۔
نوشتہ چاشتگاہ دو شنبہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء

(۱۲)

آج منگل کے دن ۵- اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک خانہ کا ہرکارہ آیا ۔ ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تمارا اور ایک خط بابو صاحب کا لایا ۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے، مگر ایک امر میں میں حیران ہوں کہ کیا کروں، یعنی انہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا میرے پاس بھیجا ہے اور مجھ کو یہ لکھا ہے کہ اوس کو الٹا میرے پاس بھیج دینا، حالانکہ خود لکھتے ہیں کہ میں

---

(۱) میرزا روزانہ لال قلعے جاتے تھے اور امراءٔ خاص کی طرح بہادر شاہ کو سلام کرتے تھے ۔ اس روز تشویش کے باعث قلعے نہ گئے اور خط لکھ کر ڈاک میں بجھوایا ۔

اپریل کی چوتھی کو سپاٹو یا آبو جاؤں گا اور آج پانچویں ہے۔ بس وہ تو کل روانہ هو گئے۔ اب میں وہ خط کس کے پاس بھیجوں؟ ناچار تم کو لکھتا ہوں کہ میں خط اپنے پاس رہنے دوں گا۔ جب وہ آکر مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع دیں گے، تب وہ خط ان کو بھیجوں گا۔

تم کو تردد نہ ہو کہ کیا خط ہے۔ خط نہیں مینڈھو لال کایتھ غماز کی عرضی تھی بنام مہاراجہ بیکنٹھ باشی، سعایت (۱) بابو صاحب پر مشتمل کہ اس نے لکھا تھا کہ ہر دیو سنگھ، جانی جی کا دیوان اور ایک شاعر دھلی کا دیوان مہاراجہ جے پور کے پاس لایا ہے اور جانی کی درستی روزگار جے پور کی سرکار میں کر رہا ہے۔ اوس کے بھیجنے کی یہ وجہ کہ پہلے اون کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ کسی نے ایسا کہا ہے۔ میں نے اون کو لکھا تھا کہ تم کو میرے سر کی قسم اب ہر دیو سنگھ کو بلوالو۔ میں امر جزوی کے واسطے امر کلی کا بگاڑ نہیں چاہتا۔ اوس کے جواب میں انہوں نے وہ عرضی بھیجی اور لکھ بھیجا کہ راجہ مرنے والا ایسا نہ تھا کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا۔ اس نے یہ عرضی گزرتے ہی میرے پاس بھیج دی۔ تھی۔ فقط (۲)۔

---

(۱) غمازی ، بدگوئی۔ (۲) مطلب یہ کہ مینڈھو لال نے راجہ بھرت‌پور کے پاس شکایت کی کہ هردیو سنگھ جانی جی اور غالب کے دیوان لے کر جے پور گیا ہے اور وھاں جانی جی کے لیے ملازمت کا بندوبست کرانا چاھتا ہے۔ میرزا غالب کو یہ اطلاع ملی تو جانی جی کو لکھا کہ هردیو سنگھ کو واپس بلا لو۔ میں آپ کی ملازمت و عزت کو جس کی حیثیت امر کلی کی ہے، اپنے لیے مالی عطیے کی خاطر، جس کی حیثیت جزوی ہے، خراب نہیں کرنا چاھتا۔ جانی جی نے لکھا کہ متوفی راجہ ایسی باتوں پر توجہ نہیں کرتا تھا۔ اس نے یہ عرضی میرے حوالے کر دی تھی جو دیکھ کر واپس کر دینے کے لیے میرزا کے پاس بھیج دی تھی۔

بارے خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی، مگر اپنی فکر پڑی، یعنی بابو صاحب آبو ہوں گے اگر ہر دیو سنگھ پھر کر آئے گا تو وہ بغیر ان کے ملے اور ان کے کہے مجھ تک کاہے کو آئے گا۔ خیر، وہ بھی لکھتا ہے کہ راول کہیں گیا ہوا ہے۔ اوس کے آنے پر رخصت ہوگی۔ دیکھیے وہ کب آوے اور کیا فرض ہے کہ اوس کے آتے ہی رخصت ہو بھی جائے۔

تمہاری غزل پہنچی۔ یہ البتہ کچھ دیر سے پہنچے گی تمہارے پاس۔ گھبرانا نہیں۔ والدعا۔ جواب طلب نگاشتہ سہ شنبہ روز درودنامہ و مرسلہ چہار شنبہ ششم اپریل ۱۸۵۳ء

اسداللہ

(۱۳)

بھائی

ہاں میں نے ''زبدۃالاخبار،، میں دیکھا کہ رانی صاحب مر گئیں۔ کل ایک دوست کا خط اکبر آباد سے آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ راجہ مرا، رانی نہیں مری، ابھی ریاست کا کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ صورت انتظام جانی بیجناتھ کے آنے پر موقوف ہے۔ یہاں تک اوس دوست کی تحریر ہے۔ ظاہرا اوس کو بابو صاحب کا نام نہیں معلوم۔ اون کے بھائی کا نام یاد رہ گیا (۱)۔ صرف اوس دوست نے بطریق اخبار لکھا ہے۔ اوس کو میری اور جانی جی کی دوستی کا بھی علم نہیں۔ حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمارے دوست کا نام بنا رہے گا۔ آمین یا رب العالمین۔

صاحب، جے پور کا مقدمہ اب لائق اس کے نہیں ہے کہ اوس کا خیال

---

(۱) یعنی جانی بانکے لال کی جگہ جانی بیج ناتھ لکھ گیا۔ یہ ریاست بھرت پور کی کیفیت ہے۔

کریں۔ ایک بنا ڈالی تھی، وہ نہ اٹھی ۔ راجا لڑکا ہے، اور چھچھورا ہے۔ (۱) راول جی اور سعداللہ خاں بنے رہتے تو کوئی بات نکل آتی اور یہ جواب آپ لکھتے ہیں کہ راجا تیرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے اور پیش نظر رکھتا ہے، یہ بھی تو آپ از روے تحریر منشی هردیو سنگھ کہتے ہیں۔ اون کا بیان کیوں کر دل نشین ہو؟ وہ بھی جو بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانسو روپے نقد اور خلعت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے، ہولی ہو چکی اور میں لے کر چلا ۔ پھاگن، چیت، بیساکھ، نہیں معلوم ہولی کس مہینے میں ہوتی ہے ، آگے تو پھاگن میں ہوتی تھی۔

بندہ پرور، بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈویاں بھیجی ہیں، سو سو روپے کی۔ ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے، راجا صاحب کی طرف سے، تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو بطریق نذر شاگردی ۔ بعد اوس کے دو ہنڈویاں سو سو روپے کی بعد چار چار پانچ پانچ مہینے کے آئیں، مع میر احمد حسین کے صلے کے روپیوں کے چار سو اور اوس کے علاوہ تین سو اور یہ کہ چار سو یا تین سو کتنے دن میں آئے، اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالے ہے۔ اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں اور اگر تین برس کے ہیں تو تین برس میں (۲) ۔

ہاں صاحب، یہ وہی میر قاسم علی صاحب ہیں جو میرے پرانے دوست ہیں ۔ پرسوں یا اترسوں جو ڈاک کا ہرکارہ تمھارا خط لایا تھا، وہ ایک خط میر صاحب کے نام کا، کوئی میاں حکمت‌اللہ ہیں، اون کا میرے مکان کے پتے سے لایا تھا — وہ میں نے لے کر رکھ لیا ہے۔ جب میر صاحب آ جاویں تو

---

(۱) مہاراجہ رام سنگھ روم کا ذکر ہے جو ۱۸۳۵ ء میں رئیس مانا گیا جب کہ صرف سوا برس کی عمر تھی اور رانی مختار ریاست کی تسلیم کی گئی - ۱۸۵۳ ء میں وہ انیس برس کا ہو گا، اس لیئے اسے لڑکا لکھا ۔ ۱۸۸۰ء میں فوت ہوا ۔ (۲) بہ ظاہر یہ بھرت پور کا معاملہ ہے۔ نہ کہ جے پور کا ، کیونکہ مہاراجہ رام سنگھ والی جے پور تو بالکل بے اولاد تھا ۔

اون کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ حضرت، اگر میرے واسطے نہیں، تو اس خط کے واسطے آپ دلی آئیے(۱) -

(۱۴)

بھائی،

تم نے مجھے کونسا دو چار سو روپے کا نوکر یا پنسن دار قرار دیا ہے جو دس بیس روپے مہینہ قسط کی آرزو رکھتے ہو؟ تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنستی آتی ہے - اگر احیاناً تم کبھی دھلی کے ڈپٹی کلکٹر یا وکیل کمپنی ہوتے، تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی - بہ ہر حال خوش رہو اور متفکر نہ ہو، پانچ روپے مہینا پنسن انگریزی، میں سے قسط مقرر ہو گیا تا ادائے زر- ابتدائے جون ۱۸۵۳ء یعنی ماہ آیندہ میں سے یہ قسط جاری ہوگی - (۲)

بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہنچا- عجب تماشا ہے - وہ درنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میں اون کے عذر چاہنے سے مرا جاتا ہوں، ہا ے اتفاق، آج میں نے اون کو لکھا اور کل راجہ کے مرنے کی خبر سنی واللہ باللہ اگر دو دن پہلے خبر سن لیتا تو اگر میری جان پر آ بنتی تو بھی اون کو نہ لکھتا -

جے پور کے آئے ہوئے روپے کی ہنڈوی اس وقت تک نہیں آئی - شاید آج شام تک یا کل تک آ جائے - خدا کرے وہ آبو پہاڑ سے ہنڈوی روانہ

---

(۱) اس پر کوئی تاریخ درج نہیں - منشی مہیش پرشاد نے اسے ۱۴ اور ۱۴ کو ۱۳ قرار دیا ہے - میرے اندازے کے مطابق اس کا صحیح مقام وھی ہے جس پر یہ رکھا گیا ہے -

(۲) یہ انکم ٹیکس کی رقم تھی، جس کا بار میرزا غالب پر اچانک آ پڑا تھا - چنانچہ یہ رقم سرکاری پنشن سے بالاقساط کٹتی رھی -

کر دیں ، ورنہ پھر خدا جانے، کہاں کہاں جائیں گے اور روپیہ بھیجنے میں کتنی دیر ہو جائے گی ، خدا کرے زر مصارف ہردیو سنگھ اسی میں سے مجرا لیں ۔ میری کمال خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو پچیس روپے ہر دیو سنگھ کو میری طرف سے ضرور دیں ۔

منشی صاحب (۱) کا ایک خط ہاترس سے آیا تھا ۔ کل اوس کا جواب ہاترس روانہ کر چکا ہوں۔ والدعا

محرره دو شنبہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء   از اسداللہ

(۱۵)

عجب تماشا ہے۔ بابو صاحب لکھتے ہیں کہ ہردیو سنگھ آ گیا اور پانسو روپے کی ہنڈوی لایا، مگر اس کے مصارف کی بابت انتیس روپے کئی آنے اس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ۔ سو میں اپنے پاس سے ملا کر پورے پانسو کی ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں ۔ میں نے ان کو لکھا کہ مصارف ہردیوسنگھ کے میں مجرا دوں گا۔ تکلیف نہ کرو ''پچیس،، یہ میری طرف سے ہر دیو سنگھ کو اور دے دو اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو۔ سو بھائی آج تک ہنڈوی نہیں آئی ۔ میں حیران ہوں ۔ وجہ حیرانی کی یہ کہ اوس ہنڈوی کے بھروسے پر قرضداروں سے وعدہ جون کے اوائل کا کیا تھا ۔ آج جون کی پانچویں ہے ۔ وہ تقاضا کرتے ہیں اور میں آج کل کر رہا ہوں۔ شرم کے مارے بابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا ۔ جانتا ہوں کہ وہ سیکڑا پورا کرنے کی فکر میں ہوں گے ۔ پھر

---

(۱) بظاہر منشی نبی بخشش حقیر مراد ہیں

وہ کیوں اتنا تکلف کریں؟ تیس روپے کی کونسی ایسی بات ہے ؟ (۱)
اگر مصارف ہر دیو سنگھ میرے ہاں سے مجرا ہوئے ، تو کیا غضب ہوا ؟
انتیس اور پچیس چون روپیہ نکال ڈالیں اور باقی ارسال کریں۔ لفافے خطوط
کے جو میں نے بھیجے تھے، وہ بھی ابھی نہیں آئے۔ بااینہمہ یہ کیسی بات
ہے کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ بابو صاحب کہاں ہیں؟ پہاڑ پر
ہیں یا بھرت پور آئے ہیں؟ اجمیر آنے کی ظاہرا کوئی وجہ نہیں ہے۔
ناچار کثرت انتظار سے عاجز آکر آج تم کو لکھا ہے۔ تم اس کا جواب
مجھ کو لکھو اور اپنی رائے لکھو کہ وجہ درنگ کی کیا ہے؟ زیادہ، زیادہ۔
مرقومہ پنجم جون ۱۸۵۳ء، روز یک شنبہ(۲)، جواب طلب اسداللہ

---

(۱) ''انتیس روپے کٹی آئے،، کو یہاں ''تیس روپے،، لکھا۔ (۲) اس خط کی
تاریخ کا معاملہ عجیب ہے۔ اردوی معلیٰ مطبوعہ مطبع فاروقی دھلی میں
تاریخ ''پنجم جون ۱۸۶۳ء روز پنجشنبہ،، درج ہے (ص ۹۹) ۵- جون ۱۸۶۳ء
کو یقیناً پنجشنبہ تھا، لیکن خط کے مطالب اس تاریخ کے نقیض ہیں
منشی مہیش پرشاد کے مرتبہ خطوط میں ہے : ''پنجم جون ۱۸۵۳ء روز
پنجشنبہ،، (ص ۱۶) لیکن ۵-جون ۱۸۵۳ء کو اتوار تھا یعنی یک شنبہ۔
لطف یہ کہ ''خطوط غالب ،، میں اگلے خط کی تاریخ ''پنجشنبہ نہم جون
۱۸۵۲ء ،، ہے۔ اگر ۹- جون کو جمعرات تھی تو ظاہر ہے کہ ۵-جون کو
جمعرات نہیں ہو سکتی۔ لہذا صحیح دن یک شنبہ ہے نہ کہ پنج شنبہ۔
نبی بخش حقیر کے نام ایک خط میں (مرقومہ یکم رجب ۱۲۶۹ھ ۱۰ اپریل
۱۸۵۳ء) میرزا لکھتے ہیں :

جے پور کا حال کیا پوچھتے ہو ؟ ایک گدائی کی طرح نکالی تھی۔
ایک دوست مددگار ہوا اور اس طرح کو اس نے کمال کو پہنچایا۔
راول مختار راجہ اور سعداللہ خاں وکیل راجہ، یہ دونوں ذریعہ
حصول مدعا ٹھہرے۔ وہاں کا رنگ یہ ہو گیا کہ راول
بھاگتا پھرتا ہے اور وکیل استعفا بغل میں دابے رہتا ہے۔

تمہاری خیرو عافیت معلوم ہوئی ۔ غزل نے محنت کم لی ۔ بھائی(۱) کا ہاترس سے آنا معلوم ہوا ۔ آویں تو میرا سلام کہہ دینا ۔

یہ تمہارا دعا گو اگر چہ اور امور میں پایہ عالی نہیں رکھتا، مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے، یعنی بہت محتاج ہوں ۔ سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی ۔ تمہاری ہمت پر سو ہزار آفرین ۔ جے پور سے اگر مجھ کو دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا قرض رفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی، تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ یہ پانسو تو بھائی تمہاری جان کی قسم ، متفرقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو بچ رہیں گے، سو وہ میرے صرف میں آویں گے ۔ مہاجنوں کا سودی جو قرض ہے ، وہ بقدر پندرہ سولہ سے کے باقی رہے گا اور وہ جو سو بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے، وہ صرف انگریز سوداگر کے دینے تھے قیمت اس چیز کی، جو ہمارے مذہب میں حرام اور تمہارے مشرب میں حلال(۲) ہے ۔ سو وہ دیے گئے، یقین ہے کہ آج کل میں بابو صاحب کا خط مع ہنڈوی آ جاوے ۔

بابو صاحب کا جو خطوط ضروری اور کواغذ ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے ، وہ میں نے پنجشنبہ ۲۶ مئی کو پارسل میں اون کے پاس

راجہ لڑکا ہے ۔ اور کوئی محرک نہیں ۔ بس اب اس امر خاص کو۔ بھی ہم نے فہرست حسرت ہاے دیرینہ میں لکھ دیا (نادرات ص ۳۰) ۔

گویا اس امر خاص میں خرابی، ریاست کے اندرونی جھگڑوں کے باعث پیدا ہوئی یعنی اول اور وکیل دونوں کا معاملہ ضعطے میں پڑ گیا ۔

(۱) منشی نبی بخش حقیر ۔ (۲) شراب ۔

روانہ کر دیے اور اوس میں بھی لکھ بھیجا کہ ہنڈوی اور میرے بھیجے ہوئے لفافے جلد بھیج دو - پنجشنبہ، پنجشنبہ پندرہ دن آج پورے ہوئے۔

نگاشتہ پنجشنبہ نہم جون ۱۸۵۳ء از اسداللہ

(۱۷)

بھائی،

جس دن تم کو خط بھیجا، تیسرے دن ہر دیوسنگھ کی عرضی اور پچیس روپے کی رسید اور پانسو کی ہنڈوی پہنچی۔ تم سمجھے؟ بابو صاحب نے بچیس روپے ہردیو سنگھ کو دیے اور مجھ سے مجرا نہ لیے۔ بہ ہر حال ہنڈوی بارہ دن کی میعادی تھی۔ چھ دن گزر گئے تھے چھ دن باقی تھے۔ مجھ کو صبر کہاں؟ متی کاٹ کر (۱) روپے لے لیے۔ قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہو گیا۔ آج میرے پاس سینتالیس نقد بکس میں اور چار بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانے میں موجود ہیں۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ،۔

بھائی صاحب آ گئے ہوں تو میر قاسم علی خاں کا خط ان کو دے دو اور میرا سلام کہو اور پھر مجھ کو لکھو تا کہ میں ان کو خط لکھوں۔ بابو صاحب بھرت پور آ جائیں تو آپ کاہلی نہ کیجئے گا اور اون کے پاس جائیے گا کہ وہ تمہارے جویاے دیدار ہیں۔

سہ شنبہ ۱۴۔ جون ۱۸۵۳ء اسداللہ

---

(۱) کمیشن وضع کرا کے۔

(۱۸)

بھائی،

میں نے مانا تمھاری شاعری کو۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی دم تم کو فکر سخن سے فرصت نہ ہوگی۔ پر جو تم نے التزام کیا ہے ترصیح کی صنعت(۱) کا اور دو لخت شعر لکھنے کا، اس میں ضرور نشست معنی بھی ملحوظ رکھا کرو اور جو لکھو اس کو دوبارہ سہ بارہ دیکھا کرو۔

کیوں صاحب؟ یہ ڈبل خط پوسٹ پیڈ بھیجنا اور وہ بھی دلی سے سکندرآباد کو، آیا حاتم کے سوا اور میرے سوا کسی نے نہ کیا ہوگا۔ کیا ھنسی آتی ھے تمھاری باتوں پر۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور جو کچھ تم چاھو، تم کو دے۔ جانی جی کی بڑی فکر ھے۔ میں تم کو لکھا چاھتا تھا کہ ان کا حال لکھو۔ تمھارے خط سے معلوم ھوا کہ تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ھیں۔ یقین ھے کہ اجمیر میں ھوں گے، مگر خط نہیں بھیجا جاتا کہ وھاں مقیم نہیں ھیں۔ خدا جانے کب چل نکلیں۔ بہ ھر حال تم بھرت پور کے قریب ھو اور اون کے متوسلوں کو جانتے ھو۔ اگر ھو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگوا لو اور جو کچھ تم کو معلوم ھو، وہ مجھ کو بھی لکھو۔ منشی صاحب مع منشی عبداللطیف(۲) کول میں آ گئے۔ کل اون کا خط مجھ کو آیا تھا۔ آج اوس کا جواب بھی روانہ کر دیا۔

یک شنبہ ۲۱۔ ماہ اگست ۱۸۵۳ء اسداللہ

---

(۱) صنعت ترصیح کا مطلب یہ ھے کہ نظم میں دو ٹکڑوں اور نثر میں دو فقروں کے تمام کلمات کا ایک دوسرے کے مقابل بالترتیب متحدالوزن اور متحد التوافی ھونا۔ (۲) فرزند منشی نبی بخش حقیر۔

صاحب ،

دوسرا پارسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے ، پہنچا۔ نہ اصلاح کو جگہ، نہ تحریر سطور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ الگ دو ورقے پر کیوں نہ لکھا؟ اور چھدرا چھدرا کیوں نہ لکھا ایک آدھ ورقہ زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا۔ بہ ہر حال اب مجھے چننے پڑے ہیں سوالات۔ اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور رہ جائے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا، میرا قصور نہ جاننا۔

''بلاابالے،، اس میں تامل کیا ہے ؟ لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے ''ربا،، اس کا مخفف ہے ۱۲ :

خارها در راهش افشانم که چون خواهد شدن ۱۲

بہت خوب اور معقول۔ میں اس وقت نہ جانے کس خیال میں تھا۔ ''چوں خواهد شدن،، و ''کنوں خواهد شدن،، ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔

لفظ ''بے پیر،، تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشہ ہوا ہے۔ جب اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو فارسی شعر میں کیوں کر اجازت دوں گا ؟

میرزا جلال اسیر علیہ‌الرحمتہ مختار ہیں اور اون کا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ اون کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں؟ لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادۂ ایران ایسا لفظ لکھے! ۱۲

''شست بستن،، جب ظہوری کے ہاں ہے تو باندھیے۔ یہ روزمرہ ہے اور ہم روز مرہ میں اون کے پیرو ہیں ۔ ''بے پیر،، ایک لفظ ٹکسال باہر ہے، ورنہ صاحب زبان ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ۱۲۔

زاهدا این سخنت هرزه که گفتی چه شدی
حق غفور است گناہے شدہ ام تا چه شود

پہلے زاهد سے یہ سوال غلط کہ ''چہ شدی،،۔ ''ترا چہ شد،، سوال ہو سکتا ہے۔ پھر ''گناہے شدہ ام،،۔ یہ جواب مہمل ۔ ''گناہے کردہ ام،، جواب ہو سکتا ھے ۔ یہاں تم کہو گے ''همه تن گناه،، یا ''سراپا گناه،، یا ''سراسر گناہ شدہ ام،، یہ جواب اس جواب سے سراسر بے ربط ھے ۔ جب تک همه تن گناہ نہ ہو، معنی نہیں بنتے ۔ ہر گز ہر گز۔ اصلاح دیے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ھی رہا اور یکسال کے موافق ہو گیا عجب ھے تم سے کہ صرف ''شدہ‌ام،، اور ''تا چہ شود،، کے پیوند میں الجھ کر حقیقت معنی سے غافل رہے ۔

باز آر دل خود از چنیں کار
آزار چه می کنی دلم را

اهلی(۱) نے زبردستی کی ھے مگر ھاں اس نے ایک وجہ ٹھہرا لی ھے ۔ یعنی ''آزردن،، مصدر اور ''آزرد،، مضارع اور ''آزار،، امر ۔ امر بمعنی اسم جامد آتا ھے اور اسم جامد ''کردن،، کے ساتھ پیوند پاتا ھے ۔ خیر، رهنے دو۔

کند آن آهوے وحشی زبرم فردارم

یہ شعر موید میرے کلام کا ھے ۔ ''برادرم،، و ''زر دارم،، و ''سردارم،،

---

(۱) محمد نام، اهلی تخلص۔ شیراز میں پیدا ہوا ، وهیں ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء میں انتقال کیا اور اسے خواجہ حافظ کے مقبرے میں دفن کیا گیا ۔ بارہ ہزار بیت کا دیوان اور پانچ مثنویاں اس کے یادگار ھیں ۔ ایک مثنوی ''سحر حلال،، ذو بحرین و ذو قافیتین ھے ۔ جس کے جواب میں خواجہ عزیزالدین مرحوم عزیز لکھنوی نے مثنوی ''ید بیضا،، کہی ، جو واقعی فارسی میں ایک معجزنما مثنوی ھے ۔

و ''فردارم،، یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں، الف ممدودہ کہیں نہیں۔ ہاں ''بو دارد و رو دارد،، و ''فرو دارد،، تمہارے عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ مگر یہ شعر استاد کا نہیں۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے، مولانا علاؤالدین:

ما مقیمان کوے دلداریم

یہ ترجیع بند انہیں کا ہے۔ ان کو فقر و فنا و سلوک میں (سند) سمجھنا چاہیے، نہ انداز کلام میں۔

''پرمور است شمشیرے کہ بر موے میاں دارد،،

بھائی، خدا کی قسم یہ مصرع تلوار کی ناز کی سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے ''کمر،،: ''مور،، اور تلوار: پر ''مور،، وجہ تشبیہہ علاقۂ پر مور با مور، مانند علاقۂ شمشیر با میان۔ نزاکت وجہ تشبیہہ کبھی نہیں، انصاف شرط ہے۔ تلوار کی خوبی ''تیزی،، ہے یا ''نازکی،،؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ ''خو،، میں اور ''تلوار،، میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانے دو۔ شعر سے ہاتھ اٹھاؤ،، - ۱۲

میاں ''خمیدن،، بھی صحیح اور ''چمیدن،، بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے؟ مگر لغت اور محاورے اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے باتونی لوگوں کو ''خم و چم،، بولتے سنا ہے۔ آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔ لفظ پیارا، مجھ کو بھی پسند، مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو، اس کو کیوں کر صحیح جانوں؟ ''چمید،، صیغہ ماضی کا ہے ''چمدن،، سے اور ''چمیدن،، ایک مصدر ہے۔ صحیح اور مسلم۔ ''چمد،، مضارع، ''چم،، امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے؟ کلام ''خم و چم،، میں ہے۔

سوالات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں۔ خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو تو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا۔ میں بہت گھبراتا ہوں۔

"خمیدست،، و "رسیدست،، میں "نزنی دست،، یہ قافیہ درست ہے۔ مگر است کا الف سب جگہ اڑا دو اور یاد رہے کہ سین تے کافی ہے الف ضرور نہیں۔

غالب

(۲۰)

تمہارا خط پہنچا۔ مجھ کو بہت رنج ہوا۔ واقعی اون چھوٹے لڑکوں کا پالنا بہت دشوار ہوگا۔ دیکھو میں بھی تو اسی آفت میں گرفتار ہوں۔ صبر کرو اور صبر نہ کرو گے تو کیا کرو گے۔ کچھ بن نہیں آتی۔

میں مسہل میں ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں۔ حفظ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے۔

تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر بھائی منشی نبی بخش صاحب کے پاس لفافہ تمہارے نام کا بھیج دیا ہے۔ جب تم آؤگے، تب تم کو دیں گے۔ جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی، وہ ظاہر کر دی ہے اور باقی سب اشعار بدستور رہنے دیے ہیں۔ اب تم کو چاہیے کہ کول پہنچ کر مجھ کو خط لکھو۔ اس لفافے کی رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

اسداللہ

(۲۱)

واہ، کیا خوبی قسمت ہے میری! بہت دن سے دھیان لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا خط آتا ہے اور ان کی خیرو عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا

اور خیر و عافیت معلوم نہ ہوئی، یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے اور پانو میں چوٹ لگی ہے۔ سنو صاحب، یہ بھی غنیمت ہے کہ ہڈی کو صدمہ نہیں پہنچا۔ اتنا پھیلاوا بھی اس سبب سے ہوا کہ کوئی مالش کرنے والا نہ ملا اور چوٹ کہنہ ہو گئی۔ البتہ کچھ دیر میں افاقت ہوگی۔ بعد افاقت ہونے کے تم مجھ کو اطلاع کرنے میں دیر نہ کرنا۔ میرا دھیان لگا ہوا ہے۔

بابو صاحب کا خط آیا تھا۔ پھر انھوں نے تکلیف کی اور وہ کچھ بھیجا جو آگے بھیجا تھا۔ تمھاری مفارقت سے بہت ملول ہیں۔ طرز تحریر سے فراوانی محبت معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اون کو لکھ بھیجا ہے کہ منشی جی گئے نہیں، ضرورت کو کیا کریں؟ جلد پھر آئیں گے۔ آپ اون کو اپنے پاس ہی تصور فرمائیے۔

بابو ہر گوبند سنگھ تعطیل میں کول گئے ہوں گے، جو آپ کے خط میں اون کی بندگی لکھی آئی۔ کیوں انھوں نے تکلیف کی؟ بہمہ جہت دو سو قدم پر میرے گھر سے اون کا مکان اور وہ جاتے وقت مجھ سے رخصت نہ ہو گئے۔ اب بندگی سلام کیا ضرور؟

ہاں صاحب! یہ تم نے اور بابو صاحب نے کیا سمجھا ہے کہ میرے خط کے سرنامے پر املی کے محلے کا پتا لکھتے ہو۔ میں بلی ماروں میں رہتا ہوں۔ املی کا محلہ یہاں سے بے مبالغہ آدھ کوس ہے۔ وہ تو ڈاک کے ہرکارے مجھ کو جانتے ہیں، ورنہ خط ہرزہ پھرا کرے۔ آگے کالے صاحب کے مکان میں رہتا تھا، اب بلی ماروں میں کرایے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ املی کا محلہ کہاں اور میں کہاں؟

منشی جی کو لکھتے ہو کہ حاکم کے ساتھ گئے ہیں اور پھر لکھتے ہو کہ نہ دورے میں بلکہ اپنے کام کو۔ بہر صورت اب آ گئے ہوں گے۔ میرا سلام کہیے گا اور اپنی خیرو عافیت کے ساتھ ان کی معاودت کی خبر لکھیے گا، ورنہ مجھ کو خط لکھنے میں تامل رہے گا۔

''نظر شگفتن،، و ''گوش شگفتن،، ہم نہیں جانتے، اگرچہ منشی ہر گوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو:

نظارہ راز خون دلم گل در آستین
خونش مگو، بگو کہ زچشم چمن چکید

یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن، شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے۔ یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے اور خونفشانی صفت چشم ہو سکتی ہے۔ اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اس کا استعارہ بہ شگفتگی کر لیتے۔ خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں؟

یاد رہے یہ نکات سوائے تمہارے اور کو میں نہیں بتاتا۔ میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو۔ میں پوچھنے سے اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا، بلکہ خوش ہوتا ہوں۔ مگر ہاں ایسی تکرار، جیسی بیش اور بیشتر کے باب میں کی تھی، ناگوار گزرتی ہے کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر۔ جو میں آپ لکھوں گا، تم کو اس کے لکھنے کو کیوں منع کروں گا؟

اے صد ہزار راز نہاں اندریں سخن
گر کم سخن توئی، نگہت کم سخن مباد

ہر چہ بانفس خود کنم ز بدی
نیکیش نام مے توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں، رہنے دو۔

سر ناکامیم سلامت باد
کام را کام مے توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ کام کو کام سب کر سکتے ہیں، اس میں لطف کیا ہے؟

زترکتازی، آن نازنین سوار ہنوز
ز سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز

حزیں(۱) کے اس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے - تتبع کے واسطے سند نہیں ہو سکتا - یہ غلط محض ہے ، یہ سقم ہے، یہ عیب ہے- اس کی کون پیروی کرے گا؟ حزیں تو آدمی تھا ، یہ مطلع اگر جبریل کا ہو تو اوس کو سند نہ جانو اور اوس کی پیروی نہ کرو-

بھائی تمھارا مصرع اس قبیل سے نہیں ہے - اوس میں تو ''مکنید،، متمم(۲) معنی ہے- ''مکنید،، زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو اور اگر ہندی کرو تو مصرع مہمل اور بے معنی ہے :

چه گل، چه لاله، چه نسرین، چه نسترن، مکنید

کیا گلاب کا پھول، کیا لالہ، کیا موتیا، کیا چمپا نہ کرو، زنہار نہ کرو، یعنی کیا نہ کرو ؟ اب جب تمہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو، تب

(۱) محمد علی حزیں اصفہانی - نادر شاہ کے ہنگامے میں ہندوستان آ گیا - آخر بنارس میں اقامت اختیار کر لی - وہیں ۱۱۸۰ / ۱۷۶۶ء میں انتقال ہوا - علوم عقلی و نقلی میں بہت بلند پایہ تھا اور آخری دور کا مشہور شاعر مانا جاتا ہے -

یہ شعر حزیں کی غزل کے دو الگ الگ مصرعوں پر مشتمل ہے - دونوں شعر یوں ہیں :

ز ترکتازی آن نازنین سوار ہنوز
مرا غبار بلند است از مزار ہنوز
ز تیغ بازی چشمے مرا ز خاک حزیں
چو سبزہ می دمد انگشت زینہار ہنوز

لیکن ظاہر ہے کہ غالب نے شعر کی پہلی صورت پر جو اعتراض کیا تھا، یعنی یہ کہ مطلع میں ایک ''ہنوز،، زائد ہے، وہ پیش کردہ صورت میں بھی باقی رہتا ہے - ایک ہنوز یقیناً زائد ہے اور اس باب میں حزیں بھی تتبع کے لیے سند نہیں ہو سکتا -

(۲) معنی پورے کرنے والا -

کوئی جانے ، ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا کہ ''ذکر نہ کرو''۔ اے، تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو، حضرت ذکر مضاف کیونکر ہو سکتا ہے گل و لالہ و نسرین و نسترن کی طرف؟ کہو گے کہ ذکر کا لفظ نہیں، بیان کا لفظ اوپر کے مصرع میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رسوں سے اور زنجیروں سے ان چار لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو، قطعہ لکھو، ترجیع بند لکھو، یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں۔ مہمل محض ہے۔ والسلام اسداللہ

(۲۲)

دیکھو صاحب، پھر تم دنگا کرتے ہو۔ وہی ''بیش و بیشتر'' کا قصہ نکلا۔ غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے؟ یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے :

(۱) جزو کلمہ :

مصرع : ہمائے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد
مصرع : اے سر نامہ نام تو عقل گرہ کشائے را

یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے، اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔

(۲) دوسری تحتانی مضاف ہے۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے ''آسیائے چرخ'' یا ''آشنائے قدیم''۔ توصیفی، اضافی، بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ نہیں چاہتا۔ ''فدائے تو شوم''، ''رہنمائے تو شوم'' یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۳) تیسری دو طرح پر ہے : یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری طرح، توحید و تنکیر، وہ مجہول ہوگی۔ مثلاً

مصدری : ''آشنائی''۔ یہاں ہمزہ ضرور، بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحیدی ''آشنائے''، یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے، دانا نہ کہاؤ گے ۱۲

''نیم گناہ،، و ''نیم نگہ،، و ''نیم ناز،، یہ روز مرۂ اہل زبان ہے۔ نیم بمعنی اندک، ورنہ گناہ کا آدھا اور نگاہ کا ادھواڑہ اور ناز آدھا یہ مہملات میں ہے۔ ان چیزوں کا مناصفہ کیا(۱) ؟ اگر تم کو نیم ''گناہ،، پسند نہیں ''تازہ گناہ،، رہنے دو۔

''خستہ،،، ''بستہ،،، ''تازہ،،، ''غازہ،،، ''خانہ،،، ''دانہ،،، ''آوارہ،،، ''بیچارہ،،، ''روزہ،،، ''بوزہ،، ہزار لفظ ہیں کہ اون کے آگے جب یاے توحیدی آتی ہے تو اوس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ ''زرہ،، ''گرہ،،، ''کلاہ،،، ''شاہ،،، ''آگاہ،،، ''آگہہ،،، ''صبحگاہ،،، ''صبحگہ،، ایسے الفاظ کے آگے تحتانی آتی ہے تو ''زرہے،،، ''گرہے،،، ''کلاہے،،، ''شاہے،،، ''آگاہے،،، ''آگہے،،، ''گاہے،،، ''گہے،، لکھ دیتے ہیں-۱۲
غالب

(۲۳)

''دید مست،، یہ لفظ نیا بنایا ہے۔ مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا، مگر زنہار اور کوئی نہ سمجھے گا۔ ''المعنی فی بطن القائل،، کے یہی معنی ہیں۔

''چشمان پر خمار،، و ''چشمان بے حیا،، ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں نہ عیب، نہ لطف۔

دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی ''بیش و بیشتر،، کا قصہ لائے ہو۔ ''چہ جرم،، و ''چہ سبب،، و ''چہ گناہ،، پر جو سند لاتے ہو:

عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جرم

اس کی حاجت کیا ہے؟ ''جاناں مدد دے،، ''یاراں مدد دے،، یہ تمام غزل اسی طرح کی ہے۔ اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی، تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا؟ دیکھو رفیع السودا کہتا ہے،

نہ ضرر کفر کو، نے دین کو نقصان مجھ سے
باعث دشمنی، اے گبر و مسلماں مجھ سے؟

---

(۱) آدھوں آدھ کرنا یا نصف نصف کرنا۔

غالب کہتا ہے :

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

یعنی ''اب جو دور مجھ تک آیا ہے، تو میں ڈرتا ہوں،، یہ جملہ سارا مقدر ہے - میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں، مگر :

هر سخن وقتے و هر نکته مکانے دارد(۱)

یہ فرق البتہ وجدانی ہے - بیانی نہیں(۲)

اگر دریافتی بردانشت بوس
وگر غافل شدی، افسوس، افسوس

روز جمعہ ۱۳- جنوری ۱۸۵۴ء از اسداللہ

(۲۴)

بندہ پرور،

ایک مہربانی نامہ سکندرآباد سے اور ایک علی گڑھ سے پہنچا - یقین ہے کہ بابو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حال لکھیں گے اور تم موافق اپنے وعدے کے مجھ کو لکھو گے - اب جب اوس خط کا جواب تمہارے پاس سے آئے گا، تب تمہارے اشعار تم کو پہنچیں گے -

ہائے ہائے ! میر تفضل حسین خاں، ہائے ہائے :

رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

---

(۱) حافظ کا مصرع ہے اور اصل شعر یوں ہے :

باخرابات نشیناں ز کرامات ملاف
هر سخن جائے و هر نکته مکانے دارد

(۲) یعنی یہ فرق بیان میں لانا اور سمجھانا مشکل ہے، صرف ذوق و وجدان ہی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے -

یہاں سنا گیا ہے کہ میر احمد حسین، بڑا بیٹا اون کا، اون کے کام پر مقرر ہوا اور میر ارشاد حسین بدستور نائب رہے۔

۲۳- فروری ۱۸۵۴ء اسداللہ

(۲۵)

منشی صاحب!

تمہارا خط اوس دن، یعنی کل بدھ کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں اور مزہ یہ ہے کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے، کھانا مطلق نہیں کھایا۔ آج پنجشنبہ پانچواں دن ہے کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے اور نہ رات کو شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے، ناچار احتراز کرتا ہوں۔ بھائی اس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے۔ ہرگز بھوک نہیں لگی اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

بابو صاحب والا مناقب کا خط تمہارے نام کا دیکھا۔ اب اس ارسال میں وہ آسانی نہ رہی اور بندہ دشواری سے بھاگتا ہے۔ کیوں تکلیف کریں؟ اور اگر بہ ہر حال اون کی مرضی ہے تو خیر میں فرمان پزیر ہوں۔ اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں۔ بعد اچھے ہونے کے اون کو دیکھوں گا اور تم کو بھیج دوں گا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہ ہزار جر ثقیل(۱) لکھی گئی ہیں۔

روز پنجشنبہ ۲- مارچ ۱۸۵۴ء اسداللہ

(۲۶)

میرا سلام پہنچے۔ خط اور کاغذ اشعار پہنچا۔ سابق و حال ابھی سب یوں ہی دھرے رہیں گے۔ اگرچہ گرمی رفع ہو گئی ہے، مینہ برسنے لگا، ہوا سرد چلنے لگی، مگر دل مکدر ہے اور حواس ٹھکانے نہیں۔ بادشاہ کا قصیدہ سارا اور ولیعہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا۔ اس کا خاتمہ

(۱) لفظی معنی بھاری بوجھ کھینچنا۔ مراد ہے سخت مشقت و تکلیف سے۔

به هزار مشقت رمضان میں کر لیا اور عید کو دونوں پڑھ دیے۔ منشی نبی بخش کو پرسوں یا اترسوں بھیجوں گا۔ ان سے لے کر تم بھی دیکھنا۔ میں نے ان کو لکھ کر بھیجا ہے کہ منشی ہر گوپال صاحب کو بھی دینا کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو نقل بھی لے لیں۔ اس کے سوا جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا وہ جواب طلب نہیں اور یونہی ہے۔

(جولائی ۱۸۵۳) (۱) اسد اللہ

(۲۷)

صاحب!

دیباچہ و تقریظ کا لکھنا ایسا آسان نہیں ہے۔ کہ جیسا تم کو دیوان کا لکھ لینا۔ کیوں روپیہ خراب کرتے ہو اور کیوں چھپواتے ہو؟ اگر یوں ہی جی چاہتا ہے تو ابھی کہے جاؤ۔ آگے چل کر دیکھ لینا۔ اب یہ دیوان چھپوا کر اور تیسرے دیوان کی فکر میں پڑوگے۔ تم دو چار برس میں ایک دیوان کہہ لو گے، میں کہاں تک دیباچے لکھا کروں گا؟ مدعا یہ ہے کہ اس دیوان کو اوس دیوان کے برابر ہو لینے دو۔ اب کچھ قصیدہ و رباعی کی فکر کیا کرو۔ دو چار برس میں اس قسم سے جو کچھ فراہم ہو جاوے، دوسرے دیوان میں اوس کو بھی درج کرو۔

صاحب، جہاں تقطیع میں الف نہ سمائے، وہاں کیوں لکھو؟

(۱۸۵۵ء) اسد

(۲۸)

صاحب!

تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے۔ شعر کہے، دیوان جمع کیے۔

---

(۱) یکم شوال ۱۲۷۰ھ ۲۷- جون ۱۸۵۳ء کو عید تھی یہ خط بداھتہ جولائی ۱۸۵۳ء کا ہے۔

اوسی زمانے میں ایک بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا، نہ وہ اشخاص، نہ وہ معاملات، نہ وہ اختلاط، نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا، اوس کا جواب مجھ کو آیا اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہر گوپال اور متخلص بہ تفتہ ہو، آج آیا اور میں جس شہر میں ہوں اوس کا نام بھی دلی اور اوس محلے کا نام بلی ماروں کا محلہ ہے، لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈھنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ۔ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

اب پوچھو، تو کیوں کر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا؟ صاحب بندہ! میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرایے کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں راجا نرندر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے۔ راجا صاحب نے صاحبان عالی شان(۱) سے عہد لیا تھا کہ بر وقت غارت دہلی یہ لوگ بچے رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجا کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں؟ مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے نکالے گئے۔ جاگیردار، پنسن دار دولت مند، اہل حرفہ، کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ بازپرس اور داروگیر میں مبتلا ہیں، مگر وہ نوکر جو اس ہنگام(۲) میں نوکر ہوئے ہیں اور ہنگامے میں شریک

---

(۱) انگریز۔ (۲) وقت یعنی انگریزوں کے خلاف ہنگامہ بپا رہنے کے زمانے میں۔

رہے ہیں۔ میں غریب شاعر، دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہ اس کو نوکری سمجھو، خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنه و آشوب میں کسی مصلحت میں، میں نے دخل نہیں دیا صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا(۱) اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکه میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی، لہذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنه جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی؟ غرض که اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے، رہا یہ که کوئی میرے پاس آوے، شہر میں ہے کون جو آوے؟ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست(۲) یازدھم مئی (۳) سے آج تک یعنی شنبه پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو معلوم نہیں، بلکه ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجه بھی نہیں۔ دیکھیے، انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں سے باہر اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نه کرنا۔ ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔ به ہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا۔ اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارے کو دے دیا۔

(شنبه ۵۔ دسمبر ۱۸۵۷ء)

(۲۹)

آج سنیچر (ہفته) کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا اور جواب لکھا اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لے گیا(۴)۔

---

(۱) کہ اس سے یہ سمجھا جائے که میرزا غالب دوران 'غدر'، میں بھی اصلاح اشعار کی خدمت انجام دیتے رہے؟

(۲) مارشل لا، فوجی انتظام۔ (۳) تاریخ ابتدائے ہنگامه۔ (۴) مطلب یہ که لکھتے ہی کلیان کے حوالے کر دوں گا اور وہ ابھی ڈاک میں لے جائے گا۔

خدا چاہے تو کل پہنچ جائے۔ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کیوں کرو اور یہاں آ کر کیا کروگے؟ بنک گھر میں سے خدا کرے تمہارا روپیہ مل جائے۔

بھائی میرا خیال ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مخبر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں، روپوش نہیں ہوں، بلایا نہیں گیا۔ داروگیر سے محفوظ ہوں۔ کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا، خود بھی بروے کار نہیں لایا کسی حاکم کو نہیں ملا۔ خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے پنسن نہیں پایا۔ کہو، یہ دس مہینے کیوں کر گزرے ہوں گے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں، مگر زندگی وبال ہے۔ ہر گوبند سنگھ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس بھی آئے تھے۔ والدعا

روز شنبہ سی ام جنوری ۱۸۵۸ء وقت نیمروز غالب

(۳۰)

از عمرو دولت برخوردار باشند

بدھ کا دن تیسری تاریخ فروری کی، ڈیڑھ پہر دن باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا اور خط مع رجسٹری دیا۔ خط کھولا۔ سو روپے کی ہنڈوی بل جو کچھ کہیے وہ ملا۔ ایک آدمی رسید مہری لے کر، ''نیل کے کٹرے،، میں چلا گیا۔ سو روپے چہرہ شاہی لے آیا۔ آنے جانے کی دیر ہوئی اور بس(۱) - چوبیس روپے داروغہ کی معرفت اٹھے تھے، وہ دیے گئے۔ پچاس روپے محل میں بھیج دیے۔ چھبیس روپے باقی رہے، وہ بکس میں رکھ

(۱) بظاہر ''دستنبو،، میں بھی اسی معاملے کا ذکر کیا ہے کہ میرزا تفتہ نے از میرٹھ سفتۂ زر بمن فرستاد وچامہ و نامہ پیوستہ مے فرستد (کلیات نثر فارسی ص ۴۰۸) -

لیے۔ روپے کے رکھنے کے واسطے بکس کھولا تھا، سو یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہوا ہے، اگر جلد آ گیا تو آج، ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیج دوں گا۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ بھائی بری آ بنی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔

چار شنبہ ۳۔ فروری ۱۸۵۸ء وقت دوپہر غالب

(۳۱)

صاحب،

تم نے لکھا تھا کہ میں جلد آگرہ جاؤں گا۔ تمھارے اس خط کا جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو لکھ سکتا تھا مگر کلیان کا پانو سوج گیا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا، ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا(۱) بعد چند روز کے جو کہار اچھا ہوا تو میں تم کو آگرے میں سمجھ کر سکندرآباد خط نہ بھیج سکا۔ مولوی قمرالدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل اون کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرزا تفتہ ابھی یہاں نہیں آئے۔ اس واسطے آج یہ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں۔ میرا حال بدستور ہے؟ دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے؟ حاکم اکبر آباد نے آکر کوئی نیا بندوبست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنائے قدیم ہیں، مگر میں مل نہیں سکتا۔ خط بھیج دیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم لکھو کہ اکبرآباد کب جاؤگے؟ والدعا

جمعہ ۵۔ مارچ ۱۸۵۸ء غالب

(۳۲)

جان من و جانان من!

کل میں نے تم کو سکندرآباد میں سمجھ کر خط بھیجا۔ شام کو تمھارا

---

(۱) مطلب یہ کہ کلیان ہندو ہے۔ اس کا پاؤں سوج گیا اور وہ چلنے پھرنے سے رہ گیا۔ مسلمان ملازموں میں سے کوئی جا نہیں سکتا، کیونکہ ان کے لیے پہلے ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔

خط آیا ۔ معلوم ہوا کہ تم اکبر آباد پہنچے ۔ خیر، وہ خط پوسٹ پیڈ گیا، شاید الٹا نہ پھرے ۔ اگر پھر آئے گا تو خیر ۔ آج یہ خط تم کو اکبرآباد بھیجتا ہوں ۔ پہنچنے پر جواب لکھنا ۔

تقطیع رباعی کی بہت خوب! مگر خیر، ہر ایک بات کا وقت ہے ۔ ہم کو ہر طرح سے لطف صحبت و لطف شعر اٹھا لینا ۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر اون کو دے دینا اور اوس کا مضمون معلوم کر لینا ۔ جس حاکم کو میں نے یہ خط اور رقعہ بھیجا ہے، اس کے سر رشتہ دار کوئی صاحب ہیں، من پھول(۱) اون کا نام ہے مجھ سے ناآشنائے محض ہیں ۔ اگر تعارف ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو پیش کیجیے کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تمہیں اوپر اوپر ایک خط لکھ کر اون کو بھیج دیتے کہ غالب ایک فقیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب‌الرحم ہے ۔ اوس کے حصول مطالب میں دریغ نہ کرتا :

مے تواں آورد استغنا سفارش نامہٗ
چرخ کج رو را اگر دانیم کز یاران کیست

باقی جو حال ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں لکھ چکا ہوں ۔ تم پڑھ لوگے ۔ دوبارہ لکھنا کیا ضرور؟

شنبہ ۶ ۔ مارچ ۱۸۵۸ء ۔ جواب طلب

---

(۱) یہ وہی پنڈت من پھول ہیں، جو آگے چل کر لفٹننٹ گورنر پنجاب کے میر منشی ہو گئے اور ۱۸۶۵ء میں انہیں مولانا محمد حسین آزاد نیز دو اور آدمیوں کے ساتھ کار خاص کے لیے وسط ایشیا بھیجا گیا تھا ۔

صاحب،

تمہاری سعادت مندی کو ہزار ہزار آفرین ۔ تم کو یوں ھی چاھئیے تھا، لیکن میں نے تو ایک بات بطریق تمنا لکھی تھی، جیسا کہ عربی میں ''لیت،، اور فارسیؔ میں ''کاشکے،،۔

اب تم روداد سنو۔ عرضی میری سر جان لارنس چیف کمشنر بہادر کو گزری۔ اوس پر دستخط ہوے کہ یہ عرضی مع کواغذ ضمیمہ سائل کے پاس بھیج دی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دھلی کے پیش کرو۔ اب سررشتہ دار کو لازم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھتا۔ یہ نہ ھوا۔ وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آگئی۔ میں نے خط صاحب کمشنر دھلی چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اوس میں ملفوف کر کے بھیج دی۔ صاحب کمشنر نے کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے پنسن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ کلکٹر صاحب کے یہاں آتا ھے ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اوس حکم کی نہیں کی۔ پرسوں تو اون کے ھاں یہ روبکاری آئی ھے۔ دیکھیے کچھ مجھ سے پوچھتے ھیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجتے ھیں۔ دفتر کہاں رہا ھے، جو اس کو دیکھیں گے؟

بہ ھر حال یہ خدا کا شکر ھے کہ بادشاھی دفتر میں سے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنسن کی کیفیت طلب ہوئی ھے اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ھے یعنی سب جانتے ھیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا (۱)

مولوی قمرالدین خاں کا کول نہ جانا اور راہ سے پھر آنا معلوم ہوا حق تعالیٰ اون کو زندہ اور سلامت رکھے۔ میرا سلام کہنا اور یہ خط پڑھا دینا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو میرا سلام اور اون کے بچوں کو دعا کہنا اور یہ خط ضرور ضرور پڑھا دینا اور کہنا کہ بھائی بدایت(۲) تو اچھی ھے، نہایت(۳) بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط و ضبط جو ہم

---

(۱) یعنی ۱۸۵۷ء کے ھنگامے سے۔ (۲) ابتدا، آغاز، (۳) انجام، آخری مرحلہ،

رئیس زادوں کا تھا، اب کہاں! روٹی کا ٹکڑا ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ گورنری کلکتہ اور گورنری آگرہ اور اجنٹی و کمشنری و دیوانی و فوجداری و کلکٹری دھلی سے جو حکم میرے خط اور عرضی پر ہوا ہے، مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے۔ حاکم نے اب بھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو عملے نے خط نہ لکھا، صرف وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی بھیج دی۔ خیر،

هر چه از دوست مے رسد نیکوست

سنو، میرزا تفتہ میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں، وہ تم میرے بھائی (۱) کو اور مولوی قمرالدین خاں کو دکھا دیا کرو۔ تین تین جگہ ایک بات کو کیوں لکھوں؟

جمعہ ۱۲- مارچ ۱۸۵۸ء

(۳۴)

صاحب!

کیوں مجھے یاد کیا ؟ کیوں خط لکھنے کی تکلیف اٹھائی ؟ پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو جیتا رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی قمرالدین کا سلام بھی آیا اور بھائی منشی نبی بخش کی خیرو عافیت بھی معلوم ہوئی۔ وہ تو پنسن کے فکر میں تھے۔ ظاھرا یوں مناسب دیکھا ھوگا کہ نوکری کی خواھش کی۔ حق تعالیٰ ان کی جو مراد ھو بر لائے۔ اون کو میرا سلام کہہ دینا بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا۔ مولوی قمر الدین خاں کو بھی میرا سلام کہنا۔

تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ھو ؟ چار جزو ھیں تو، بیس جزو ھیں تو بے تکلف بھیج دو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا۔ صرف سخن فہم رہ گیا ہوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتانے کی گوں کا ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا

(۱) منشی نبی بخش حقیر۔

کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر، وہ اجزا جلد بھیج دو۔

یکشنبہ ۱۱- اپریل ۱۸۵۸ء غالب

(۳۵)

میرزا تفتہ!

عجب اتفاق ہوا۔ پنجشنبہ کے دن ۲۲- اپریل کو تمہارا خط ڈال کر آیا(۱) کہ اوس کے متعاقب پارسل کا ہرکارہ آیا اور تمہارا بیجھا ہوا پاکٹ لایا۔ رسید لکھنی میں نے زائد سمجی اور اوس کا دیکھنا شروع کیا۔ بے کار محض اور تنہا ہوں۔ پانچ پہر کا دن۔ میری بڑی دل لگی ہو گئی۔ خوب دیکھا۔ سچ تو یوں ہے کہ ان اشعار سے میں نے بہت حظ اٹھایا۔ جیتے رہو، تمہارا دم غنیمت ہے۔

بھائی(۲) کا حال مفصل لکھو۔ پنسن کے طالب ہیں یا نوکری کے؟ منشی عبدالطیف (۳) کہاں ہے؟ اور کس طرح ہے؟ علاقہ بنا ہوا ہے یا جاتا رہا؟ صاحب لفٹنٹ گورنری کا محکمہ بالکل الہ‌آباد کو گیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے؟ منشی غلام غوث صاحب کہاں ہیں؟ نوکر ہیں یا مستعفی؟ عدالت دیوانی کا محکمہ یہیں رہے گا یا الہ آباد جائے گا؟ اور اس کا اور گورنری کے محکمے کا ساتھ ہے۔ چاہے یہ بھی وہیں جاوے۔

آج تمہارے اشعار کا کاغذ بمفلٹ پاکٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پانچ دن میں پہنچ جائے۔

یکشنبہ ۲۵- اپریل ۱۸۵۸ء غالب

---

(۱) ظاہر ہے کہ ۲۲-اپریل (۱۸۵۸ء) کا خط ضائع ہو گیا۔ (۲) منشی نبی بخش حقیر، (۳) فرزند حقیر

صاحب !

۲۵- اپریل کو ایک خط اور ایک پارسل ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج ۳۰ ہے۔ یقین ہے خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہوں گے۔ ایک امر ضروری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اس وقت روانہ کرتا ہوں۔ ایک میرا دوست اور تمہارا ہمدرد (۱) ہے۔ اس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بیٹا کر لیا ہے۔ اٹھارہ انیس برس کی عمر، قوم کا کھتری، خوبصورت وضعدار نوجوان ۱۲۷۳ھ میں بیمار پڑ کر مر گیا۔ اب اس کا باپ مجھ سے آرزو کرتا ہے کہ ایک 'تاریخ'، اس کے مرنے کی لکھوں، ایسی کہ وہ فقط ''تاریخ''، نہ ہو بلکہ مرثیہ ہو کہ وہ اس کو پڑھ پڑھ کر رویا کرے۔ سو بھائی اس سائل کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شعر متروک معهزا ، یہ واقعہ تمہارے حسب حال ہے۔ جو خونچکاں شعر تم نکالو گے، وہ مجھ سے کہاں نکلیں گے۔ بطریق مثنوی بیس تیس شعر لکھ دو۔ مصرع آخر میں مادۂ تاریخ ڈال دو۔ نام اس کا برج موھن تھا ور اس کو ''بابو''، ''بابو''، کہتے تھے۔ چنانچہ ہیں۔ بحر ہزج مسدس میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں۔ چاھو اس کو آغاز میں رهنے دو اور آینده اسی بحر میں اور اشعار لکھ دو، چاھو کوئی اور طرح نکالو۔ لیکن یہ خیال رہے کہ سائل کو متوفی ، کے نام کا درج ھونا منظور ہے اور ''بابو برج موھن''،

---

(۱) یہاں ہمدرد کے معنی مونس و غم خوار کے نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسے بھی وھی درد ہے جو تمہیں ہے تفتہ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا تھا جس کا مرثیہ تین سو بائیس شعر کا کہا گیا۔ جس شخص کا ذکر میرزا نے کیا ہے اس کا بھی لے پالک فوت ہو گیا تھا، جیسا کہ میرزا نے تصریح کر دی ہے۔

''سوائے اس بحر کے یا بحر رمل کے اور بحر میں نہیں آ سکتا۔ وہ میرا شعر یہ ہے:

برم چوں نام بابو برج موہن
چکد خون دل ریش از لب من

نگاشتہ روز جمعہ سی، ام اپریل ۱۸۵۸ء

غالب

(۳۷)

بھائی!

وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا، توقع زیست کی نہ رہی۔ قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عصارۂ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا۔ اس وقت تو بچ گیا، مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ مختصر کہتا ہوں۔ میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے۔ دس دن میں دو بار آدھی آدھی غذا کھائی گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنا اور آلو بخارے کا افشردہ، اس پر مدار رہا۔ کل سے خوف مرگ گیا ہے، صورت زیست کی نظر آئی ہے۔ آج صبح کو بعد دوا پینے کے تم کو یہ خط لکھا ہے۔ یقین تو ہے کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔

صاحب! وہ جو میں نے بائیس شعر مرثیہ کے لکھ کر تم کو بھیجے، اوس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دے دو۔ کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی اور بھی غملک زدہ ہے اور یہ جو تم لکھتے ہو کہ کچھ اوپر اسی شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب دست و گریباں تھے ایک کو ایک سے ربط۔ ایک یا دو شعر اس میں سے کیوں کر لیے جاتے؟ اشعار سب میرے پسند، بے سقم، بے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو کہ:

حرف بابو برج موہن مے زنم

اور اس کا دوسرا مصرع بھول گیا ہوں، مگر قافیے میں ''من،، ہے، یہ شعر غالب کو برا معلوم ہوا ہوگا۔ واللہ باللہ جب تک کہ تم نے نہیں لکھا، میرے خیال میں یہ بات نہ تھی ، بہ ہر حال بات وہی ہے، جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔

بارے ، اب بھی بھائی منشی نبی بخش صاحب اور مولوی قمرالدین خاں صاحب روزوں کے متوالے، ہوش میں آئے یا نہیں آئے؟ آج ۱۰ شوال ۱۲۷۴ھ کی ہے۔ ششہ (۱) عید کا بھی زمانہ گزر گیا۔ خدا کے واسطے ان کی خیرو عافیت لکھو اور یہ عبارت بھائی صاحب کی نظر انور سے گزرانو۔ شاید وہ مجھ کو خط لکھیں۔

محررہ و مرسلہ دو شنبہ ۳ مئی ۱۸۵۸ء غالب

(۳۸)

کیوں صاحب!

مجھ سے کیوں خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہوگا یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو ، کتنا کثیرالاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برھمن اور بال مکند اوس کا بیٹا، یہ دو شخص ھیں کہ گہ گاہ آتے ھین ۔ اس سے گزر کر لکھنئو اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلعے سے خطوط آتے رہتے تھے۔ ان دوستوں کا حال ھی نہیں معلوم کہ کہاں ھیں اور کس طرح ھیں ۔ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں (۲) کے آنے کی توقع ۔ اوس میں دونوں صاحب گاہ گاہ ، ھاں ایک تم ھو کہ ھر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ھو۔ سنو صاحب، اپنے پر لازم کر لو ھر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا۔

---

(۱) یعنی یکم شوال کے بعد چھ دن، جن میں روزے رکھنا مسنون ہے۔

(۲) منشی نبی بخش حقیر، مولوی قمرالدین اور تفتہ۔

اگر کام آ پڑا، دو خط، تین خط، ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیج دی۔ بھائی صاحب کا خط بھی دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا۔ اس کا جواب بھیج دیا گیا(۱)۔ مولوی قمرالدین خاں، یقین ہے کہ الہ باد گئے ہوں، کس واسطے کہ مجھ کو مئی میں لکھا تھا کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔ بہ ہر حال اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے، اوس کے دوسرے دن اوس کا جواب لکھیے۔ اپنی خیر و عافیت، منشی صاحب کی خیرو عافیت، مولوی صاحب کا احوال، اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو، وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجہ جو وہاں آیا ہوا ہے، اس کی حقیقت؟ ڈھول پور کا رنگ؟ صاحبان عالی شان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پر ہے؟ آگرے کا حال کیا ہے؟ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں؟

نگاشتہ شنبہ ۱۹ جون ۱۸۵۸ء   غالب

جیتے رہو اور خوش رہو،

(۳۹)

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

زیادہ خوشی یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پرداز دے دیا تھا۔ گرمی ہنگامۂ انطباع دیوان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں۔ بنک گھر کا روپیہ مصرف کاغذ و کاپی ہے۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ مغتنمات سے ہو۔ رجب علی بیگ سرور نے جو ''فسانۂ عجائب'' لکھا ہے، آغاز داستان کا شعر مجھ کو بہت مزہ دیتا ہے:

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا، فسانہ ہیں ہم لوگ

---

(۱) آخری خط ۱۱- ربیع الاخر ۱۲۷۲ھ ۹- دسمبر ۱۸۵۶ کا ہے (خط ۱۱) اور ''اردوے معلیٰ'' میں پہلا خط ۲۲- ستمبر ۱۸۵۸ کا ہے۔ جون ۱۸۵۸ء کا کوئی خط نہیں۔ گویا یہ بھی ضائع ہو گیا۔

مصرع ثانی کتنا گرم ہے اور ''یاد رکھنا فسانہ،، کے واسطے کتنا مناسب۔(۱)

منشی عبدالطیف کے گھر میں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھ کو ہو چکی ہے اور تہنیت کا بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو اون سے ملو تو میرا سلام کہہ کر اس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی معنوی(۲) جب کانپور سے معاودت فرمائیں، مجھ کو اطلاع دینا۔ ۔ میرا حال بدستور:

ہماں پہلو، ہماں بستر، ہماں درد

شنبہ ۲۶-جون ۱۸۵۸ء روز ورودنامہ غالب

(۳۰)

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور،

پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے قدیم دوست مکرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ میرزا حاتم علی صاحب مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبانی سے پڑھ دینا:

شرط اسلام بود ورزش ایماں بالغیب
اے تو غائب زنظر مہر تو ایمان من است

---

(۱) مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق قاضی عبدالودود صاحب کہتے ہیں کہ یہ شعر منتظر کا ہے اور اس کا دوسرا مصرع ہے:

سن رکھو تم، افسانہ ہیں ہم لوگ

(خطوط غالب ص ۳۱).

لیکن میرزا غالب نے کب اسے سرور کا شعر بتایا؟ وہ تو لکھتے ہیں کہ آغاز داستان کا شعر مجھے بہت مزا دیتا ہے،، خواہ وہ سرور کا ہو یا منتظر کا۔

(۲) مولوی قمرالدین کی طرف اشارہ ہے۔

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اوس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا۔ سنو صاحب، جس شخص کو ، جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اوس میں بے تکلف عمر بسر کرے ، اوس کا نام عیش ہے۔ تمہاری توجہ مفرط بہ طرف شعر و سخن کے تمہاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے، اوس کی شہرت میری بھی تو نام آوری ہے۔ میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آ جاتا ہے :

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے!

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں :

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے ؟

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے، اوس کا بیان تو معلوم ، مگر اوس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اوس میں کوئی میرا امیدگاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد ۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز، کچھ شاگرد کچھ معشوق۔ سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے ! جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو، اوس کو زیست کیوں کر نہ دشوار ہو۔ ہائے، اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳۱)

میرزا تفتہ کو دعا پہنچے ۔ بہت دنوں سے خط کیوں نہیں لکھا؟ آگرے میں ہو یا نہیں ؟ میرزا حاتم علی صاحب کا شفقت نامہ آیا، یہاں سے اوس کا جواب بھیجا گیا ۔ وھاں سے جواب آ گیا ۔ میر مکرم حسین کا خط پرسوں آیا ۔ دو چار دن میں اوس کا جواب لکھوں گا ۔ میرا حال بدستور ھے :

نہ نوید کامیابی، نہ نہیب نا امیدی

بھائی صاحب کا خط کئی دن ھوئے کہ آیا ھے اور وہ میرے خط کے جواب میں ھے ۔ دو ایک دن کے بعد جب جی باتیں کرنے کو چاھے گا، تب اون کو خط لکھوں گا ۔ تم اگر ملو تو اون سے کہہ دینا کہ بھائی قاسم علی خاں کے شعر نے مجھ کو بڑا مزا دیا ۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ھوئے تھے، جو میں نے ایک ولائتی چغہ اور ایک شالی رومال ڈھائی گزا دلال کو دیا تھا اور وہ اس وقت روپیہ لے کر آیا تھا ۔ میں روپیہ لے کر اور خط پڑھ کر خوب ھنسا کہ خط اچھے وقت آیا ۔

۱۸- جولائی ۱۸۵۸ء غالب

(۳۲)

میرزا تفتہ،

کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ھرکارہ، وہ جو خط بانٹا کرتا ھے، آیا اور اوس نے پارسل موم جامے میں لپٹا ھوا دیا ۔ پہلے تو میں بھی حیران رھا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا! بارے اوس کی تحریر دیکھی، تو تمہارے ھاتھ کا پمفلٹ لکھا ھوا اور دو ٹکٹ لگے ھوئے، مگر اوس کے آگے کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ھوا ۔ ھرکارے نے کہا : ایک روپیہ دس آنے دلوائیے ۔ دلوا دیے اور پارسل لے لیا ۔ مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا ! قیاس ایسا چاھتا ھے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا، اوس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا ۔ ڈاک کے کار پردازوں نے غور نہ کی اور اوس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا ۔

وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں ، یعنی منشی بھگوان پرشاد مثل خواں، میرا سلام قبول کریں ۔

۲۸- جولائی ۱۸۵۸ء   غالب

(۴۳)

میرزا تفتہ !

تمہارے اوراق مثنوی کا بمغنٹ پاکٹ پرسوں ۱۰- اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی (۱) صاحب کی نثر شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اوس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہیں معلوم کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول طبع ہوئی یا نہیں ؟ نہیں معلوم مولوی قمرالدین خاں اله آباد سے آگئے یا نہیں؟ میر منشی قدیم (۲) وهاں پہنچ گئے، اپنا کام کرنے لگے یا کر رہے ہیں ؟ آپ کو برتاکید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھئیے اور جلد لکھئیے ۔ اس خط کے بھیجنے تک اغلب ہے کہ پارسل پہنچ جائے۔ اوس کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے گا۔

اب ایک اور امر سنو : میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ ''دساتیر،، کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے ۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے، وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے ۔ ہاں، اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے۔ وہ عربی ، انگریزی ، ہندی جو ہیں، وہ لکھ دیے ہیں ۔ مثلاً تمہارا نام ''منشی ہر گوپال،، منشی لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا، اس کی جگہ ''شیوا زبان،، لکھ دیا ہے یہی میرا خط جیسا اس رقعہ میں ہے نہ چھدرا، نہ گنجان، اوراق بے مسطر پر اس طرح کہ کسی صفحہ میں بیس سطر اور کسی میں بائیس سطر بلکہ کبھی میں انیس سطر بھی آئے ، چالیس صفحے یعنی بیس

---

(۱) حاتم علی بیگ مہر - (۲) خواجہ غلام غوث خاں بے خبر ۔

ورق ہیں۔ اگر اکیس سطر کے مسطر سے کوئی گنجان لکھے تو شاید دو جزو میں آ جائے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے۔ سنتا ہوں کہ ایک ہے۔ اوس میں کاپی نگار خوش نویس نہیں ہے۔ اگر آگرے میں اوس کا چھاپا ہو سکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہی دستی اور بے نوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطبع اتنے پہ کیوں مانے گا اور البتہ چاہئیے، اگر ہزار نہ ہوں تو پانسو جلد تو چھاپی جائے۔ یقین ہے کہ پان سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں تین یا چار آنے قیمت پڑے، کاپی تو ایک ہی ہوگی، رہا کاغذ، وہ بھی بہت نہ لگے گا۔ لکھائی متن کی تو آپ کو معلوم ہو گئی۔ حاشیے پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے۔ بہ ہر حال اگر ممکن ہو تو اس کا تکدمہ (۱) کرو اور حساب معلوم کرکے مجھ کو لکھو۔ اگر منشی قمرالدین خاں آ گئے ہوں تو ان کو بھی شریک مصلحت کر لو۔ ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب، یہ سب ایک خط میں پاؤں۔ ضرور، ضرور، ضرور، واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا جاتا ہے۔

نگاشتہ و رواں داشتہ، سہ شنبہ ہفدھم اگست ۱۸۵۸ء غالب

جواب طلب۔

(۴۴)

بھائی!

تمہارا وہ خط، جس میں اوراق مثنوی ملفوت تھے، پہنچا اوراق مثنوی، اوراق ''دستنبو'' کے ساتھ پہنچیں گے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا۔

صاحب، تم نے میرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا؟ بات اُتنی تھی کہ مجھ کو لکھ بھیجتے کہ نثر آئی اور مرزا نے پسند کی۔ اب اون سے میرا سلام کہو اور یہ کہو کہ آپ کے شکر بجا لانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔

---

(۱) اندازہ۔

چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا، وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے، تب جانو گے۔ اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے کہ اوس میں سے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا اور ایک جلد بذریعہ ان کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کروں گا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اس کا انطباع کیوں نا مطبوع ہوگا۔

جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا۔ وہ کون ملا تھا، جس نے تم کو پڑھایا؟

گرچہ ''عمل کار،، خرد مند نیست

''عمل کار،، ''اھل کار،،

یہ شعر شیخ سعدیؒ کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے :

جز بہ خرد مند مفرما عمل

یعنی ''خدمت و اعمال سوائے علماؔ اور عقلا کے اور کے تفویض نہ کر۔ پھر خود کہتا ہے :

کر چہ عمل خرد مند نیست

یعنی ''اگر چہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا کام نہیں اور عقل سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالے،،۔ ''عمل،، الگ ہے اور ''کار،، مضاف ہے بہ طرف خرد مند کے، ورنہ دھائی خدا کی ''عمل کار،، ،

''اهل کار،، کے معنی پر نہیں آتا(۱)، مگر قتیل(۲) اور واقف(۳) یا اور پورب کے منکیوں کی فارسی۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ تفتہ نے ''گرچہ عمل کار خرد مند نیست،، میں ''عمل کار،، کو ایک لفظ بہ معنی اہل کار سمجھا، حالانکہ عمل بہ معنی شغل ملازمت ہے اور ''کار،، ، ''خردمند،، کی طرف مضاف ہے، جیسا کہ غالب نے کھول کر بتایا ہے۔

(۲) قتیل، اصل میں کھتری تھا، فریدآباد کا باشندہ مشہور تھا اور میرا خیال ہے کہ اس سے فریدآباد قصبہ مراد نہیں بلکہ دھلی کے ایک محلے کا نام مراد ہے، جسے سید فرید بخاری مخاطب بہ مرتضیٰ خاں جہانگیری نے آباد کیا تھا ''مآثرالامرا،، میں بہ سلسلہ احوال مرتضیٰ خاں اس کا ذکر آیا ہے۔ بعد میں قتیل مسلمان ہو گیا اور محمد حسن نام رکھا۔ فارسی نظم و نثر میں شہرت پا کر میرزا محمد حسن قتیل مشہور ہوا - - ۱۸۲۳ء میں بہ مقام لکھنئو بہ عہد غازی الدین حیدر وفات پائی۔

(۳) واقف۔ بٹالہ کے قاضی، نورالعین نام، قاضی امانت‌اللہ کے فرزند تھے۔ عام طور پر یہ واقف لاھوری مشہور ھیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے دوست تھے۔ آزاد نے ان کا حال ''خزانۂ عامرہ،، میں لکھا ہے۔ عبدالحکیم حاکم لاھوری کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ اورنگ آباد ھوتے ھوئے سورت پہنچے۔ حاکم جہاز پر سوار ھو کر حجاز پہنچ گیا۔ واقف ضعف جسمانی اور ھجوم امراض کے باعث، سمندر کا سفر نہ کر سکے اور سورت میں ٹھہرے رہے۔ حاکم کی مراجعت پر اس کے ساتھ اورنگ آباد گئے۔ وھاں سے پنجاب آ رہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے سب کچھ لوٹ لیا۔ میر غلام علی آزاد کو حادثے کی خبر دیتے ھوئے یہ شعر بھی لکھا:

عینکے و پارۂ سیماب با من ماندہ است
چشم حیراں و دل بے تاب با من ماندہ است

سیماب اس لیے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیاگری کا شوق تھا۔ آزاد نے واپسی کا سرو سامان کر دیا۔ اس طرح بٹالہ پہنچے۔ وفات ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء۔ ان کا مکمل دیوان بھی چھپ گیا ہے۔ غالب، واقف یا قتیل کو فارسی میں مستند نہیں مانتے تھے۔

صاحب،

عجب اتفاق ہے، آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیر کے گانوں کی تہنیت میں اپنے شفیق(۱) کو ڈاک میں بھیج چکا تھا کہ دوپہر کو رضی الدین(۲) نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا۔ میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں، مول نہیں لیتا۔ قضارا جب میں نے اس کو کھولا، اسی ورق میں یہ مطلع نکلا:

اگر بہ گنج گہر میلم اوفتاد چہ باک
کف جواد ترا از برائے آں دارم

چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ ناگاہ تمہارا خط آیا۔ مجھ کو لکھنا ضرور ہوا۔ آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں: ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ۔ اس شعر کو اب چاہو، رہنے دو۔

ہائے ہائے! تم بھائی(۲) سے ملے "غیاث اللغات"، کھلوائی، جواد کا لغت دیکھا، مگر میرا ذکر نہ کیا کہ وہ تمہارا جویائے حال ہے۔ "دستنبو" اور اوس کے چھاپے کا ذکر نہ کیا۔ البتہ تم ذکر کرتے تو وہ دونوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کہہ دیتے۔ چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا، اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ اگر انہوں نے کچھ نہیں کہا تو اون کا ستم اور اون کا کہا ہوا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم۔ یہ ہرحال خوب مصرح حافظ کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے:

یا رب! مبادا کس را مخدوم بے عنایت(۳)

---

(۱) حاتم علی بیگ مہر، جنہیں ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں سات انگریزوں کی جانیں بچانے کے صلح میں بائیس پارچے کا خلعت، ما مروارید، ایک گھوڑا مع اسلحہ اور دو گاؤں بطور جاگیر ملے تھے۔ آتشکدۂ آزر کا بیان ہے کہ رضی الدین نیشاپوری ارسلان بن طغرل بیگ سلجوقی کا مداح تھا۔ (ص ۱۴۰ مطبوعہ ایران۔ "صبح گلشن"، میں اسے طاج خاں والی ماورا النہر کا مداح بتایا گیا ہے (ص ۱۷۸) لیکن آخر عمر میں وہ سب کچھ چھوڑ کر مسلک عرفا اختیار کر چکا تھا۔ سلجوقیوں کے آخری دور میں واصل بہ حق ہوا۔

(۲) منشی نبی بخش حقیر۔ (۳) پورا شعر یوں ہے:

بے مزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم
یا رب مباد کس را مخدوم بے عنایت

خواهی تم، خواهی منشی نبی بخش سلمه الله تعالیٰ، یه یاد رهے یه مصرع
اگر مجھ پر زنجیر سے باندھو گے تو بھی نہیں بندھے گا۔ اگر "دستنبو"، کو
سراسر غور سے دیکھو گے تو اپنا نام پاؤ گے اور یه بھی جانو گے که وه تمہاری
اس تحریر سے سو برس پہلے کی ھے۔

آخر روز دوشنبه ۲۳- اگست (۱۸۵۸ء) غالب

(۳۶)

نور نظر و لخت جگر، مرزا تفته!

تم کو معلوم رهے که راے صاحب مکرم و معظم راے امید سنگھ
بہادر (۱) یه رقعه تم کو بھیجیں گے تم اس رقعه کو دیکھتے ھی اون کے
پاس حاضر ہونا اور جب تک وهاں رهیں، تب تک حاضر ہوا کرنا اور
"دستنبو"، کے باب میں جو اون کا حکم ہو بجا لانا، اون کو پڑھا بھی دینا اور
فی جلد کا حساب سمجھا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت کر دیں گے،
وه لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے، دس جلدیں راے صاحب کے پاس اندور
بھیج دینا اور چالیس جلدیں بموجب اون کے حکم کے میرے پاس ارسال کرنا
اور وه جو میں نے پانچ جلد کی آرایش کے باب میں تم کو لکھا ھے، اوس کا
حال مجھ کو ضرور لکھنا۔

هاں صاحب، ایک رباعی میرے سہو سے ره گئی ھے۔ اس رباعی کو
چھاپا ہونے سے پہلے حاشیے پر لکھ دینا۔ جہاں یه فقره ھے: "نے نے اختر
بخت خسرو در بلندی بجاے رسید که رخ از خاکیاں نہفت"۔

(۱) راے امید سنگھ نے دهلی کالج میں تعلیم پائی۔ پھر مہاراجه هلکر والی
اندور کا اتالیق مقرر ہوا۔ ۱۴ مارچ ۱۸۵۶ء کو هلکر نے عنان حکومت
سنبھالی تو امید سنگھ کو مشیرالدوله خطاب، خلعت هفت پارچه، پالکی جھالروالی،
آفتاب گیری، چنور، گھوڑے، هاتھی کے علاوه۔ چھ هزار کی جاگیر نسلاً بعد نسل
چھ هزار سالانه تنخواه تا حیات مقرر کی (اخبار "الحقائق"، مورخه ۲۷ مارچ
۱۸۵۲)۔ امید سنگھ بھی طباعت "دستنبو"، میں معاون ہوئے تھے، جیسا که
میرزا کی تحریر سے واضح ھے۔

جاے که ستاره شوخ چشمی ورزد
افسر افسار و گرزن ارزن ارزد(۱)
خورشید ز اندیشهٔ جاور گردش(۲)
بر چرخ نه بینی که چسان مے لرزد

چونکه حاشیه معنی لغات سے بھرا ھوا ھے، تو ہم اس فقرے کے آگے نشان بنا کر اوپر کے حاشیے پر رباعی لکھ دینا اور حاشیهٔ یمین پر جہاں اور معنی لکھے ھوئے ھیں، وھاں رباعی کے لغات کے معنی خفی قلم سے لکھ دینا۔ ''افسر''، ''افسار''، ''گرزن'' (به هر دو فتحه) ''جاور گردش''۔

نگاشته ۲۸۔ اگست ۱۸۵۸ء غالب

(۴۷)

صاحب!

عجب تماشا ھے۔ تمہارے کہنے سے منشی شیو نرائن صاحب کو خط لکھا تھا، سو کل اون کا خط آیا اور انہوں نے ''دستنبو'' کی رسید لکھی۔ ڈاک کا ھرکارہ تو ان کے پاس لے نہ گیا ھوگا، آخر تمہیں نے بھیجا ھوگا۔ یہ کیا تم نے مجھ کو اوس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا؟ اگر یہ گمان کیا جائے کہ تم نے راے امید سنگھ کی ملاقات ھو لینے پر خط لکھنا منحصر رکھا ھے، تو وہ بھی ھو چکی ھوگی۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ھے کہ گویا تم الگ ھو گئے ھو۔ کتاب مطبع میں حوالے کر دی، اب اس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں۔ پس اگر یوں ھے تو میں اس انطباع سے در گزرا۔ سیکڑوں مطالب و مقاصد رہ جائیں گے اور پھر اس وحشت کی وجہ کیا؟ بے تکلف قیاس چاھتا ھے کہ تم مجھ سے خفا ھو گئے ھو؟ خدا کے واسطے خفگی کی وجہ لکھو۔ صبح کو میں نے یہ خط روانہ کیا ھے، بدھ کا دن

---

(۱) افسر، تاج، افسار: گھوڑے کے ماتھے کا ساز، گرزن، تاج، ارزن: چینا۔
(۲) جاور گردش : تغیر احوال۔

ستمبر کی پہلی تاریخ ۔ اگر شام تک تمہارا خط آیا تو خیر، ورنہ تمہاری رنجش کا بالکل یقین ہو جائے گا اور بہ سبب وجہ نہ معلوم ہونے کے جی گھبرائے گا۔ میں تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے جلد خط لکھو۔ اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔

جانتا ہوں کہ ہم راے امید سنگھ سے بھی نہ ملے ہوگے، عیاذاً باللہ! میں اون سے شرمندہ رہا کہ میں نے کہا تھا کہ ہاں مرزا تفتہ ''دستنبو،، کو اچھی طرح پڑھا دیں گے۔

گرچہ ایسے حال میں کہ مجھ کو تم پر الگ ہونے اور پہلو تہی کرنے کا گمان گزرا ہے، کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہئیے، مگر ضرورت کو کیا کروں؟ ناچار لکھتا ہوں۔ صاحب مطبع نے خط کے لفافے پر لکھا ہے ''مرزا نوشہ صاحب غالب،،۔ للہ غور کرو کہ یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں صفحہ اول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا ''فارسی کا دیوان،، یا ''اردو،، یا ''پنج آہنگ،، یا ''مہر نیمروز،، چھاپے کی ، یہ کوئی کتاب اس شہر میں نہیں پہنچی جو وہ میرا نام دیکھ لیتے؟ تم نے بھی اون کو میرا نام نہیں بتایا۔ صرف اپنی نفرت عرف سے، وجہ اس واویلا کی نہیں ہے، بلکہ سبب یہ ہے کہ دلی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے لیکن کلکتہ سے ولایت تک، یعنی وزرا کے محکمے میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی اس نالائق عرف کو نہیں جانتا۔ پس اگر صاحب مطبع نے ''مرزا نوشہ صاحب غالب،، لکھ دیا تو میں غارت ہو گیا ، کھویا گیا! میری محنت رائگاں گئی! گویا کتاب کسی اور کی ہو گئی! لکھتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں ۔

بدھ کا دن، ستمبر کی پہلی تاریخ (۱۸۵۸ء)　　　　غالب

(۳۸)

للہ الشکر، تمہارا خط آیا اور دل سودازدہ نے آرام پایا۔ تم میرا خط اچھی طرح پڑھا نہیں کرتے ۔ میں نے ہر گز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں

آ جائے۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ عبارت اس قدر ہے کہ دو جزو میں آ جائے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔ بہ ہر حال اس نمونے کی تقطیع اور حاشیہ مطبوع ہے۔ لغات کے معنی حاشیے پر چڑھیں۔ اس کی روش دل آویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔ رباعی حاشیے پر لکھ دی، اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے جس محل پر ان کو بتائے ہیں، ضرور لکھوا دینا۔ میں نے جو تم کو ''میرزائی،، کا خطاب دیا ہے، ان فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔

بہت ضروری یہ امر ہے اور میں منشی شیو نرائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں: تیسرے صفحہ کے آخر یا چوتھے صفحہ کے اول یہ جملہ ہے:

''اگر در دم دیگر بہ نہیب ''مباش،، بہم زند،،

''نہیب،، کی جگہ ''نوائے،، بنا دینا۔

''بہ نوائے مباش بہم زند،،

''نہیب،، لفظ عربی ہے۔ اگر رہ جائے گا، تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے۔ تیز چاقو کی نوک سے ''نہیب،، کا لفظ چھیلا جائے اور اوسی جگہ ''نوائے،، لکھ دیا جائے۔

رائے امید سنگھ نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی۔ حق تعالیٰ ان کو اس کارسازی اور فقیر نوازی کا اجر دے۔ صاحب، کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آ پڑا ہے اور پھر کام کیسا کہ جس میں میری جان الجھی ہوئی ہے اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے پہلو تہی نہ کرو اور بہ دل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی کا ہو گیا ہے۔ چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبداللطیف کا کر دو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں، تزیین تم کرو۔ کہتا ہوں، مگر نہیں جانتا کہ تزیین کیونکر چاہئیے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی پھیر

دیتے ہیں تا کہ حروف روشن ہو جائیں ۔ سیاہ قلم سے جدول بھی کھچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پر تکلف بن سکتی ہے بھتیجے کی دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری ان کی میرے کس دن کام آئے گی ؟

میرزا تفتہ، تم بڑے بے درد ہو۔ ۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا، بلکہ تم اوس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نیچہ بند تو میسر نہیں ، صحاف اور نقاش کہاں؟ شہر آباد ہوتا تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا؟ یہیں سب درستی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی ۔ قصہ مختصر، یہ عبارت منشی عبداللطیف کو پڑھا دو۔ میں تو ان کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں ۔ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں، تو کیا عجب ہے ۔ دو روپے، فی جلد ، اس سے زیادہ کا مقدور نہیں ۔ جب مجھ کو لکھو گے، ہنڈوی بھیج دونگا ۔ چھ روپے ، آٹھ روپے ، دس روپے حد بارہ روپے ۔ میاں کو سمجھا دینا ۔ کمی کی طرف نہ گریں، چیز اچھی بنے ۔ نہایت بارہ روپے میں چھ جلدیں تیار ہوں ۔

منشی شیو نرائن کو سمجھا دینا کہ زنہار عرف نہ لکھیں، نام اور تخلص بس ۔ اجزائے خطابی کا لکھنا نا مناسب بلکہ مضر(۱) ہے، مگر ہاں نام کے بعد لفظ ''بہادر،، کا اور ''بہادر،، کے بعد تخلص : اسداللہ خاں بہادر غالب،، ۔

بھائی، تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی ۔ کہیں وہ پارسل میں سے گر تو نہ گئے ہوں ۔ دیکھو کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اوروں کے چھاپنے کی ممانعت ضرور ہے ۔ مگر اس کی عبارت کہا بتاؤں ۔ صاحب مطبع اس امر کو اردو میں آخر کتاب پر لکھ دیں ۔ منشی جی سے نثر لکھوالو ۔ منشی عبداللطیف کو یہ خط پڑھوا دو۔ ''نہیب،، کی جگہ ''نوائے،، بنا دو۔ ۔ صاحب مطبع کو میرا نام بتا دو۔ خاتمے پر ممانعت کا حکم صاحب مطبع سے لکھوا دو۔ برخوردار عبداللطیف سے مقدار روپے کی دریافت کر کے مجھ کو لکھ بھیجو ۔ اپنی مثنوی کی رسید لکھو۔ اپنے

---

(۱) مطلب یہ کہ نہ ''میرزا نوشہ،، لکھیں ۔ نہ ''نجم الدولہ دبیرالملک نظام جنگ،، لکھیں ۔ جو میرزا غالب کے اجزائے خطابی تھے ۔

بجان و دل مصروف ہونے کا اقرار کرو۔ ان سب امور کی مجھے خبر دو۔

جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء ہنگام نیمروز غالب

(۳۹)

میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتائے ہیں، حاشیے پر لکھ دیے ہوں گے۔ "نہیب" کے لفظ کو چھیل کر "نوائے" بنا دیا ہوگا۔ برخوردار منشی عبداللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہوگا۔ اون کی سعادت مندی سے یقین ہے کہ میری التماس قبول کریں اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہو گیا ہو۔ اگر پتھر بڑا ہے تو چاہیے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد منطبع ہو جائے۔

بھائی، منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضروری نہیں۔ مجھ پر مہربان اور حسن کلام کے قدردان ہیں۔ اوس کی تصحیح میں بے پروائی کریں گے تو کیا میری تفضیح (۱) کے روادار ہوں گے؟ بھائی، تم نے بھی اور منشی شیو نرائن صاحب نے بھی لکھا۔ میں ایک عبارت لکھتا ہوں اگر پسند آئے تو خاتمہ کتاب میں چھاپ دو۔

"نامہ نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے کہ یہ جو میری سرگزشت کی داستان ہے، اوس کو میں نے مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ اور صاحبان مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں، اپنے مطبع میں اس کے چھاپنے پر جرأت نہ کریں"۔

اس کے سوا اگر کوئی طرح کی تحریر منظور ہو تو منشی شیو نرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں۔ یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب دو امر ضروری‌الاظہار تھے، اس واسطے یہ خط لکھا

---

(۱) رسوائی۔

ہے: ایک تو اردو عبارت، دوسرے یہ کہ میرے شفیق مکرم سید مکرم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اور انہوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے۔ اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں۔ تم کو چاہئیے کہ اون سے کہہ دو بلکہ یہ عبارت ان کو دکھا دو۔

بندہ پرور، نواب عطاءاللہ خاں میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں۔ اون کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دونوں صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے، وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور اون کے مکانات قرق ہیں۔ نہ ضبط ہو گئے ہیں، نہ واگزاشت کا حکم ہے۔

(۵۰)

مشفق میرے، کرم فرما میرے!

تمہارا خط اور تین دو ورقے چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں اور دوسرے صفحہ پر لوح سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ اوس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔ غرض کہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حسن ضبط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسند۔ صحت الفاظ کا کیا کہنا ہے، واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں کہ بھائی منشی نبی بخش صاحب بہ دل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اوس کو بھی صحیح کر دیں گے۔ تم میری طرف سے اون کو سلام کہنا، بلکہ یہ خط دکھا دینا۔ خدا کرے انجام تک، یہی قلم اور یہی خط اور یہی طرز تصحیح چلی جائے۔ جدول بھی مطبوع ہے۔ پہلے صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا چاہے تو دل پسند اور نظر فریب ہوگی۔

کاغذ کے باب میں یہ عرض ہے کہ ''فرنج،، کاغذ اچھا ہے۔ چھ جلدیں جو نذر حکام ہیں، وہ اس کاغذ پر ہوں اور باقی چاہو ''شیورام پوری،، پر اور

چاهو نیلے کاغذ پر چھاپو اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی ہیں اس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی شیو رام پوری یا نیلے کاغذ پر۔ یہ تکلف محض ہے۔ یہاں کے حاکموں نے کیا کیا ہے کہ ان کی نذر کی کتابیں اچھے کاغذ پر نہ ہوں؟ مگر جب ایسا ہی صرف اور خرچ زائد پڑتا ہو تو خیر، دو جلدیں اس کاغذ پر اور چار جلدیں شیورام پوری پر ہوں۔ باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے۔ ہاں صاحب اگر ہو سکے تو کاپی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو اور آخر تک رنگ نہ بدلے۔ آگے اس سے میں نے برخوردار منشی عبداللطیف کو لکھا تھا کہ از چھ کتابوں کی کچھ تزیین اور آرایش کی فکر کریں۔ معلوم نہیں تم نے وہ پیام ان کو پہنچایا یا نہیں۔ آپ اور منشی عبداللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں۔ اور کوئی بات خیال میں آوے تو بہتر، ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے کی لاگت سے بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔

''آنکہ همه را در یک دم به نوید بشو پدید آورد، اگر دردم دیگر به نہیب مباش بہم زند الخ،، اس میں ''نہیب،، کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے۔ اوس کو تیز چاقو سے چھیل کر ''به نوائے،، لکھ دینا، یعنی ''به نوائے مباش بہم زند،،۔ ضرور، ضرور اور اس کا انتظار نہ کیجیو کہ جب یہاں چھاپا آئے گا تو بنا دیں گے۔ نہ اصل کتاب میں غلط رہے، نہ چھاپے میں غلط ہو۔ اگر اجزاے اصل میر امیر علی صاحب کاپی نویس کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔

روز سہ شنبہ، ہفتم ستمبر ۱۸۵۸ء   از غالب

(۵۱)

اچھا، میرا بھائی ''نہیب،، والے دو ورقے چار سو ہوں، پانسو ہوں، سب بدلوا ڈالنا۔ کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہ

جانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائے گی اور میرے کمال کو دھبا لگ جائے گا۔ یہ لفظ عربی ہے۔ ہر چند مسودے میں بنا دیا تھا، لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا۔

لکھتے ہو کہ میرزا صاحب دو جلدیں درست کریں گے۔ یہ تو صورت اور ہے، یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپے کی لاگت میں بکارسازی و ہنر پردازی منشی عبداللطیف چاہی تھیں۔ منتظر تھا کہ اب اون کا قبول کرنا مجھ کو لکھو گے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ ظاھرا عبداللطیف نے پہلو تہی کی۔ مرزا صاحب اگر کفیل ہوئے تو چھ جلدیں بنواتے، نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ دو بہت پر تکلف اور چار بہ نسبت اس کے کچھ کم۔ اگر یوں ہے تو یہ تو مدعا ے دلی میرا ہے، مگر اطلاع ضرور ہے۔

راے امید سنگھ کے نام کا خط بہ احتیاط رہنے دو۔ جب وہ آئیں اون کو دے دو۔ جو تم لکھتے ہو کہ ''نہیب'' کا لفظ لکھ دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا۔ کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع ہو جائیں۔

ہمارے منشی شیو نرائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں؟

میرزا تفتہ، سنو: ان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن‌اللہ خاں ''آفتاب عالمتاب'' کے خریدار ہوئے ہیں اور میں نے بموجب ان کے کہنے کے برادر دینی مولانا مہر کو لکھا ہے۔ حضرت نے لا و نعم جواب میں نہیں لکھا۔ تم اون سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۸۵۸ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶- ستمبر کی ہے۔ دو نمبر اخبار کے، حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ، خان چند کے کوچے کا پتا لکھ کر روانہ کریں۔ آیندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجتے جائیں اور حکیم احسن‌اللہ خاں کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور

میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دھلی کے اخبار کا ھوتا ھے۔ جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ھوا ھے، اس دن سے صرف اخبار شاھی کا صفحہ نقل کرا کے ارسال کریں۔ کاتب کی اجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیج دی جائے گی۔ بھائی، تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو اور مجھ کو اطلاع دو۔ ''نہیب،، کے نہیب سے مرا جاتا ھوں، اس کی درستی کی خبر بھیجو۔ باقی جو چھاپے کے حالات ھوں، اس کی آگہی ضرور ھے۔

پنجشنبہ ۱۶- ستمبر ۱۸۵۸ء　　　　　　غالب

(۵۲)

بھائی،

مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاھے کو ھے، مکالمہ ھے۔ آج صبح کو ایک خط بھیج چکا ھوں۔ اب اس وقت تمہارا خط اور آیا۔ سنو صاحب! لفظ مبارک میم، حا، میم، دال (محمد) اس کے ھر حرف پر میری جان نثار ھے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ھاں سے یہ لفظ یعنی ''محمد اسداللہ خاں،، نہیں لکھا جاتا، میں نے بھی موقوف کر دیا ھے۔ رھا میرزا،، و ''مولانا،، و ''نواب،، اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ھے، جو چاھو سو لکھو۔(۱)

بھائی کو کہنا ان کے خط کا جواب صبح روانہ کر چکا ھوں(۲)۔ مرزا تفتہ

---

(۱) ظاھر ھے کہ تفتہ نے پوچھا تھا، آیا کتاب پر محمد اسداللہ خاں لکھا جائے؟ نیز ''میرزا،،، ''مولانا،،۔ ''نواب،، میں سے کیا لکھا جائے؟ (۲) ''نادرات غالب،، یا اردوے معلیٰ میں منشی نبی بخش حقیر کے نام سے ۱۷ ستمبر ۱۸۵۸ء کا لکھا ھوا کوئی خط نہیں - ۲۲ ستمبر کا خط ھے، لیکن اسے ۱۷- ستمبر کا قرار دینے کی کون سی وجہ ھے؟ -

اب تم تزیین جلدھاے کتاب کے باب مں برادرزادہ سعادت مند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہربان(۱) کو اختیار ھے جو چاھیں سو کریں۔

خط تمام کر کے خیال میں آیا کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ھے، تم پر بھی ظاھر کروں۔ صاحب، وھاں ایک اخبار موسوم بہ ''آفتاب عالمتاب،، نکلتا ھے۔ اس کے مہتمم نے التزام کیا ھے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دھلی کے حالات کا لکھتا ھے۔ نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ھے۔ حکیم احسن‌اللہ خاں یہ چاھتے ھیں کہ سابق کے جو اوراق ھیں، جب سے ھوں، وہ چھاپے خانے میں مسودہ رھتے ھیں۔ اوس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے۔ اجرت جو لکھی آئے گی، وہ بھیجی جائے گی اور ابتداے ۱۸۵۸ء سے ان کا نام خریداروں میں لکھا جائے۔ دو ھفتہ کے دو نمبر ان کو ایک لفافہ مں بھیج دیے جائیں اور پھر ھر مہینے، ھفتہ در ھفتہ ان کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے۔ یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ھوں اور اب تک آثار قبول ظاھر نہیں ھوئے۔ نہ لفافے حکیم صاحب کے پاس پہنچے، نہ اون صفحات کی نقل میرے پاس آئی۔ آپ کو اس میں سعی ضرور ھے اور ھاں صاحب ''آفتاب عالمتاب،، کا مطبع تو کشمیری بازار میں ھے، مگر آپ مجھ کو لکھیں کہ ''مفید خلائق،، کا مطبع کہاں ھے؟ کہ اون صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب نہیں لکھا۔ فرمایش حکیم احسن‌اللہ خاں صاحب کی بہت اھم ھے۔ عندالملاقات میرا سلام کہہ کر اوس کا جواب، بلکہ وہ اخبار اون سے بھجواؤ۔

جمعہ ۱۷ ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

(۵۳)

بھائی،

آج صبح کو بہ سبب حکیم صاحب کے تقاضے کے شکوہ آمیز خط

---

(۱) حاتم علی بیگ مہر

مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر
آیا ھی تھا کہ ڈاک کا ھرکارہ ایک خط تمہارا اور ایک خط مرزا صاحب کا لایا۔
اب کیا کروں؟ خیر چپ ھو رھا۔ شکوہ محبت بڑھائے گا۔ مرزا صاحب کی عنایت
کا شکر بجا لاتا ھوں۔ یقین ھے کہ جلدیں میرے خاطر خواہ بن جائیں گی۔
کس واسطے کہ جو آج کے خط میں انہوں نے لکھا ھے، وہ بعینہ میرا
مکنون(۱) ضمیر ھے۔ خدا اون کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا۔ اون کے
خط کا جواب کل پرسوں بھیجوں گا۔ رائے امید سنگھ بہادر خوبان روزگار میں سے
ھے۔ فقیر کا سلام نیاز ان کو کہہ دینا۔ خدا کرے ان کے سامنے کتابیں چھپ
چکیں۔ بارے، جب وہ گوالیار کو تشریف لے جائیں تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔

''نہیب،، کی جگہ ''نوائے،، بن جانے سے خاطر جمع ھو گئی۔ بھائی، میں
فارسی کا محقق ھوں۔ کاتب اون اجزا کا، جن کے رو سے پہلی کاپی لکھی جاتی
ھے، فارسی کا عالم ھے۔ علم اس کا غیاث‌الدین رامپوری(۲) اور حکیم
محمد حسین (۳) دکنی سے زیادہ ھے۔ تصحیح سے غرض یہ ھے کہ کاپی سراسر
موافق ان اوراق کے ھو، نہ کہ فرھنگوں میں دیکھا جائے۔ آگے اس سے تم کو
بھی اور بھائی کو بھی لکھ چکا ھوں۔ اب صرف اس تحریر کا اشارہ لکھنا منظور
تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط پہنچا، لازم تھا
کہ حکیم صاحب کو بھی لفافہ اخبار پہنچ جاتا، مگر اس وقت تک نہیں پہنچا
اور یہ دوپہر کا وقت ھے۔ خیر پہنچ جائے گا۔ میں نے تمہارا خط اون کے پاس
بھیج دیا تھا۔ انہوں نے تمہاری رائے منظور کی۔ اب تم وہ اخبار کہ جس طرح
تم نے لکھا ھے اون کے پاس بھیج دو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اور اجرت
کاتب ان کو لکھ بھیجے۔ اپنے نام اور مسکن سے ان کو اطلاع دے۔ پس
اوس کو اپنے طور پر روپیہ بھیج دیں گے۔ ھم تم واسطۂ شناسائی ھمدگر ھو گئے۔

---

(۱) پوشیدہ، مخفی، چھپا ھوا۔ یعنی میرے ضمیر میں بھی یہی بات تھی۔

(۲) مصنف ''غیاث‌اللغات،، (۳) مصنف ''برھان قاطع،،۔

ہاں اگر احیاناً روپے کے بھیجنے میں دیر ہوگی تو میں کہہ کر بھجوا دوں گا۔
یہ البتہ میرا ذمہ ہے۔

(۲۱- ستمبر ۱۸۵۸)

(۵۴)

صاحب،

قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے۔ خدا اون کو سلامت رکھے۔ کل مرزا صاحب کے خط میں اون کو ایک مصرع کسی استاد کا لکھ چکا ہوں(۱) ۔ میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا۔ میرے نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بجوگ پڑا۔ ظاہرا انہوں نے پوسٹ پیڈ بھیج دیا ہوگا۔ پھر پوسٹ پیڈ بھی کیوں تلف ہو۔

''شیہہ،، بمعنی ''صدائے اسپ،، لغت فارسی ہے یہ شین مکسور و یائے معروف و ہائے ہوز مفتوح اور ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اس کو ''صہیل،، کہتے ہیں،،۔ ''صیہہ،، کوئی لغت نہیں ہے۔ نہ عربی، نہ فارسی۔ اگر غنیمت کے کلام میں ''صیہہ،، لکھا ہے تو کاتب کی غلطی ہے، غنیمت کا کیا گناہ؟

اصل مصرع یوں ہے:

''ورخود زروے ہندسہ گاہے شمار یافت،،

میں نے سہو سے خدا جانے کیوں کر لکھ دیا ہے۔

بھائی ''مہرخوان کے دو معنی ہیں: ایک تو ''خطاب،، جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں، یعنی ''عرف،،۔ حاشیے پر شوق سے لکھوا دو، مگر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس عبارت سے،

---

(۱) یعنی:

شکر رافت کرے لو چنداں کہ رافت کرے تو

(خط نمبر ۸ بنام مہر)

جو تمہارے ذکر میں ہے، پہلے ''مہر خواں،، کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں، مکرر لکھنے کی حاجت کیا ہے اور اگر لکھ بھی دو تو قباحت کیا ہے؟ بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں؟ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا۔ صاحبان کونسل کی رائے ولایت آگرہ یعنی میرے محکمے میں منظور و مقبول(۱)۔ نام میرا جس طرح چاہو لکھ دو(۲)۔

بھائی میرزا تفتہ! کل کے میرزا صاحب کے خط میں اوس مادۂ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں۔ ایک قطعہ میرزا صاحب کا، ایک قطعہ تمہارا بلکہ ایک حقیر سے بھی لکھواؤ۔

سی ام ستمبر ۱۸۵۸ء

(۵۵)

میرزا تفتہ کو کیا دوں اور کیا لکھوں؟ مگر دعا دوں اور دعا لکھوں صاحب، اب ڈھیل نہ کرو، کام میں تعجیل کرو:

اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی، زود باش

خدا کرے، نثر کی تحریر انجام پا گئی ہو اور قصیدے کے چھاپنے کی نوبت آ گئی ہو۔ قصیدے کا نثر سے پہلے لگانا، از راہ اکرام و اعزاز ہے، ورنہ نثر میں اور صنعت اور نظم کا اور انداز ہے۔ یہ اوس کا دیباچہ کیوں ہو؟ بلکہ صورت ان دونوں کے اجماع کی یوں ہو کہ سر رشتۂ آمیزش توڑ دیا جائے اور قصیدے کے اور ''دستنبو،، کے بیچ میں ایک ورق سادہ چھوڑ دیا جائے۔

رائے امید سنگھ کا کوئی خط اگر اندور سے آیا ہو تو مجھ کو بھی آگہی دو۔ چاہو تمہیں ابتدا کرو اور ایک خط اون کو لکھو اور اوس کا پرداز اوس بات پر رکھو کہ اب وہ کتابیں تیار ہونے کو آئی ہیں۔ آپ کی خدمت میں کہاں

---

(۱) صاحبان کونسل کی اصطلاح اس زمانے میں نئی نئی رائج ہوئی تھی۔ مرزا دستنبو کی طباعت کے سلسلے میں اپنے احباب آگرہ (مہر، حق اور تفتہ) کو صاحبان کونسل کہتے تھے کیونکہ وہ با ہم مشورے سے سب کچھ کرتے تھے۔

(۲) یہاں ایک خط حاتم علی بیگ مہر کے نام تھا، جو تفتہ کے خط میں بھیجا گیا تھا، مگر تفتہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے اسے مہر کے خطوط میں شامل کر دیا (ملاحظہ فرمایئے خط نمبر ۹ خطوط بنام مہر)

بھیجی جائیں اور کیا پتا لکھا جائے۔ یہ خط جواب طلب ہو جائے گا اور اون کو جواب دینا پڑے گا(۱)۔

اکتوبر ۱۸۵۸ء

(۵۶)

کیوں صاحب، اس کا کیا سبب ہے کہ بہت دن سے ہاری آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟ نہ مرزا صاحب ہی آئے، نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایک بار منشی شیو نرائن صاحب نے کرم کیا تھا اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ۔ اس راہ سے میں تصور کر رہا ہوں کہ اگر ایک فرمہ نثر باقی تھا تو اب قصیدہ چھاپا جاتا ہوگا اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بننی شروع ہو گئی ہوں گی۔

•

تم سمجھے؟ میں تمھارے اور منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمھارا اور اون کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گویا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے؟ اور کیا دیر ہے؟ اور وہاں کیا ہو رہا ہے؟ بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہو گئی؟ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دے دیں؟ اب میں اون کتابوں کا آنا کب تک تصور کروں؟ دسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی۔ کہیں دوالی کی تاریخ تک نوبت نہ پہنچ جائے۔

---

(۱) یہ خط میرزا حاتم علی بیگ مہر کے خط میں بھیجا گیا تھا لیکن یہ اول تا آخر تفتہ کے نام ہے۔ اس لیے اس کا صحیح مقام تفتہ ہی کا مجموعۂ مکاتیب ہے۔ لہذا میں نے اسے مہر کے خط (۱۰) سے الگ کر کے تفتہ کے خطوط میں شامل کر دینا مناسب سمجھا۔

ہاں صاحب ، تم نے کبھی کچھ حال قمرالدین خاں صاحب کا نہ لکھا۔ آگے اس سے تم نے اگست، ستمبر میں ان کا آگرے کا آنا لکھا۔ پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے؟ وہاں تو منشی غلام غوث صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں، پھر یہ اس دفتر میں کیا کر رہے ہیں ؟ کہیں کسی اور کام پر معین ہو گئے ہیں ؟ اس کا حال جلد لکھو۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ منشی غلام غوث خاں صاحب کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا ہے۔ مولوی قمرالدین خاں صاحب اس کے بندوبست کو آیا چاہتے ہیں، اس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ ان سب باتوں کا جواب جلد لکھیے۔

جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہیے اور یہ پیغام کہیے کہ کتاب کا حسن کانوں سے سنا، دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا، مگر آنکھو ں کو رشک ہے کانوں پر اور کان چشمک زنی کر رہے ہیں آنکھوں پر۔ یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملے گا ؟

بھائی صاحب کو بعد از سلام کہیے گا کہ حضرت اپنے مطلب کی تو مجھ کو جلدی نہیں ہے۔ آپ کی تخفیف تصدیع چاہتا ہوں، یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو جائے۔

منشی شیو نرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی ادا کیجیے گا اور یہ کہیے گا کہ آپ کا خط پہنچا۔ چونکہ میرے خط کا جواب تھا اور لہذا کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اس واسطے اس کا خواب نہیں لکھا۔ زیادہ، زیادہ۔

نگاشتہ و رواں داشتہ صبح شنبہ ۱۶- اکتوبر ۱۸۵۸ء راقم غالب

(۵۷)

اللہ اللہ ! ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے ۔ ناگاہ کل جو خط آیا، معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندرآباد

گئے ہو اور وهاں سے تم نے خط لکھا ہے۔ دیکھیے اب یہاں کب تک رهو اور آگرے کب جاؤ؟ پرسوں برخوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے که کتابوں کی شیرازہ بندی هو رهی هے، اب قریب هے که بهیجی جائیں۔ مرزا سهر بهی ایک هفته بتاتے هیں۔ دیکھیے، کس دن کتابیں آ جائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا هو۔

هاں صاحب، منشی بالمکند بے صبر(۱) کے ایک خط کا جواب هم پر فرض هے۔ میں کیا کروں که اس خط میں انہوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف هونا لکھا تھا۔ پس میں اون کے خط کا جواب کہاں بهیجتا؟ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کهه دینا اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا حال تم خود دریافت کر هی لوگے۔ میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت؟

چہار شنبه سوم نومبر ۱۸۵۸ء

(۵۸)

کیوں صاحب! کیا یه آئین جاری هوا هے که سکندرآباد کے رهنے والے دلی کے خاک نشینوں کو خط نه لکھیں؟ بهلا اگر یه حکم هوا هوتا، تو یہاں بهی تو اشتہار هو جاتا که زنہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک میں نه جائے۔ به هر حال:

کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

---

(۱) بالمکند ولد رائے کانه سنگھ (خم خانه جاوید، کانجی مل) بھٹنا گر، کائستھ۔ بے صبر تخلص۔ سکندر آباد وطن، میرزا غالب کے شاگرد، فارسی کے علاوہ عربی بهی جانتے تھے۔ سرکار انگریزی کے محکمه مال میں منشی اور داروغه رهے، ستر برس عمر پا کر ۱۸۹۰ء میں فوت هوئے۔ دیوان کے علاوہ ایک مثنوی ''لخت جگر،، چھپ چکی هے، ایک مثنوی ''اخگر عشق،، غیر مطبوعه رهی۔

کل جمعہ کے دن ۱۲ ۔ تاریخ نومبر کی تینتیس جلدیں، بھیجی ہوئی برخوردار شیو نرائن کی پہنچیں۔ کاغذ، خط ، تقطیع ، سیاھی، چھاپا سب خوب۔ دل خوش ھوا اور شیو نرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو مرزا حاتم علی صاحب کی تحویل میں ھیں ، وہ بھی یقین ھے کہ آج کل پہنچ جائیں۔ معلوم نہیں ، منشی شیو نرائن نے اندور کو واسطے امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ھیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔

صاحب ، تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب تک رھو گے ؟ آگرے کب جاؤ گے؟

شنبہ ۱۳- نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب (۱)

(۵۹)

آج پنجشنبہ کے دن ۱۸-نومبر کو تمھارا خط آیا اور میں آج ھی جواب لکھتا ھوں، کیا تماشا ھے کہ تمھارا خط پہنچتا ھے او میرا خط نہیں پہنچتا۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ ھے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی۔ میں نے کتب کا (۲) پہنچنا تم کو لکھا تھا۔ اس کا تم نے ذکر نہ لکھا ۔ صاحب تینتیس کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ھو گئیں۔ سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ھوئی موافق اون کی تحریر کے آج شام تک اور مطابق منشی شیو نرائن کی اطلاع کے کل تک، میرے پاس پہنچ جائیں گی اور منشی شیو نرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی بھی اطلاع دی ھے۔ منشی نبی بخش صاحب تمھارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ھیں

(۱) اس خط کے بعد ''خطوط غالب،، مرتبہ مہیش پرشاد میں ایک خط بذریعہ میرزا حاتم علی مہر کے نام ھے (خط نمبر ۵۸) خدا جانے اسے تفتہ کے خطوں میں کیوں شامل کر لیا گیا؟ (ملاحظہ ھو خط نمبر ۱۳ بنام مہر) ۔

(۲) مطبوعہ ''دستنبو،، کی جلدیں ۔

شاید میں تم کو لکھ بھی چکا ہوں ۔ میر قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہوا ۔ یہ میرے بڑے دوست ہیں ۔ دلی ان دنوں میں آئے تھے ۔ مجھ سے مل گئے ہیں ۔ اون کو ایک کتاب ضرور بھیج دینا ۔

بھائی ، میں ہرگز نہیں جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے منصف ہوں ۔ کچھ اون کے خاندان کا حال اور اون کے والد کا نام لکھو تو میں کچھ غور کروں، ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں ۔

پنجشنبہ ۱۸- نومبر ۱۸۵۸ء وقت دوپہر　　　　غالب

(۹۰)

برخوردار،

تمہارا خط پہنچا ۔ اصلاحی غزل کی رسید معلوم ہوئی ۔ مقطع اب اچھا ہو گیا ، رہنے دو ۔ کل جمعہ کے دن ۱۹- نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا ۔ زبان نہیں جو تعریف کروں ۔ شاہانہ آرایش ہے ۔ آفتاب کی سی نمایش ہے ۔ مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو ۔ اچھا میرے بھائی، اس کا حال جو تم کو معلوم ہے مجھ کو لکھ بھیجو ۔

واقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے ۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو اور اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو، تم کو اختیار ہے ۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے ۔

میر بادشاہ کی اور اپنی ناشناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں ۔ اب اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں ۔ کچھ اون کے خاندان کے نام و نشان دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھ بھیجو تا کہ میں جانوں کہ یہ کس گروہ میں سے ہے ہیں ۔

میاں وہ ''راست دروغ بر گردن راوی،، نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے ۔ واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو ۔ حکم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے ۔ لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب و پیکار دے کر توقیع

آزادی پاتے ہیں(۱) - یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے ؟

محررہ صبح شنبہ ۲۰- نومبر ۱۸۵۸ء غالب

(۶۱)

میرزا تفتہ،

تمہارا خط آیا- فقیر کو حقیر کا حال معلوم ہوا- خدا فضل کرے اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے کہ میں اون کو لکھتا-

لکھتے ہو کہ میرزا مہر کے دو چار روپے زائد صرف ہو گئے تو کیا اندیشہ ہے- حال یہ ہے کہ میں نے ان سے استفسار کیا تھا- انہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتابوں کی درستی میں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں- محصول کی ایک رقم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ؟ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے- البتہ ان کے دو تین روپے اٹھ گئے ہوں گے-

لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں، مگر ریختہ کہتے ہیں- کئی دن ہوئے یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے- وہ دیکھ کر ان کے حوالے کر دیں-

---

(۱) مطلب یہ کہ جو لوگ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں لڑے تھے، وہ حکم عفو تقصیر کے مطابق اسلحہ حوالے کر کے آزادی حاصل کرتے جاتے ہیں- یہ دو شخص جن کا تعلق تاج گنج سے ہے کیوں مجرم ٹھہرے اور قید ہوئے؟ نادرات غالب میں ہے کہ منشی نبی بخش حقیر اور مولوی قمرالدین نومبر ۱۸۵۸ء میں قید ہو گئے تھے- (حصہ اول ص ۱۳) سعی و تلاش کے باوجود اس بارے میں یقینی طور پر کچھ معلوم نہ ہو سکا-

ھنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے مصاحب ھیں - ان کے دنوں میں ایک ملاقات میری ان کی ھوئی تھی - میں نے اب ایک کتاب سادہ بے جلد، اون کو بھیجی تھی - کل اون کا خط مجھ کو اس کتاب کی رسید میں آیا - بہت تعریف لکھتے تھے اور ھاں بھئی ایک تماشا اور ھے، مجھ کو لکھتے تھے کہ یہ ''دستنبو،، پہلے اس سے کہ تم بھیجو، مطبع مفید خلائق نے ھمارے پاس بھیجی ھے اور ھم اس کو دیکھ رھے اور خوش ھو رھے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا -

اون کے اس لکھنے سے یہ معلوم ھوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور کی ھوگی - کیا اچھی بات ھے کہ وھاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا - چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ھوں اور نواب گورنر کی نذر اور منکہ کی نذر اور سکرٹریوں کی نذر یہ پارسل ان شاءاللہ تعالیٰ آج روانہ ھو جائیں گے - دیکھو چیف کمشنر کیا لکھتے ھیں اور گورنر کیا فرماتے ھیں :

تا نہال دوستی کے بر دھد

حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷- نومبر ۱۸۵۸ء

(٦٢)

صاحب،

تمہارا خط آیا - میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا - امراؤسنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ھے - اللہ اللہ! ایک وہ ھیں کہ دو بار اون کی بیڑیاں کٹ چکی ھیں، ایک ھم ھیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ھے، نہ تو پھندا ھی ٹوٹتا ھے، نہ دم ھی نکلتا ھے اس کو سمجھاؤ کہ میں تیرے

بچوں کو پال لوں گا، تو کیوں بلا میں پھنستا ھے؟

وہ جو مصرع تم نے لکھا ھے وہ حکیم(۱) سنائی کا ھے اور وہ نقل ''حدیقہ،، میں مرقوم ھے:

پسرے یا پدر بزاری گفت   کہ مرا یار شو بہ همرہ جفت
گفت بابا، زنا کن و زن نے   پند از خاق گیرو از من نے
در زنا، گر بگیردت عسسے   بہلد، کو گرفت چوں تو بسے
زن کنی هرگزت رها نہ کند   ور تو بگزاریش چها نہ کند

بس تو اب تم سکندر آباد میں رھے، کہیں اور کیوں جاؤگے؟ بنک گھر کا روپیہ اٹھا چکے ھو، اب کہاں سے کھاؤگے؟ میاں نہ میرے سمجھانے کو دخل ھے، نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ھے۔ ایک چرخ ھے کہ وہ چلا جاتا ھے جو ھونا ھے وہ ھوا جاتا ھے۔ اختیار ھو تو کچھ کیا جائے، کہنے کی بات ھو تو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ھے:

---

(۱)خواجہ حکیم سنائی غزنوی (۴۳۷ھ ۱۰۴۸ء — ۵۴۰ھ یا ۵۲۵ھ—۱۱۳۱ء یا ۱۱۴۱ء) اکابر صوفی شعرا میں شمار ھوتے ھیں۔ مولانا روم نے فرمایا:

عطار روح بود، سنائی دو چشم ما
ما از پس سنائی و عطار آمدیم

''حدیقتہ الحقیقتہ،،، جسے ''الہی نامہ،، بھی کہتے ھیں خواجہ سنائی کی مشہور کتاب ھے۔ اس کے علاوہ دیوان قصائد و غزلیات بھی ھے۔ میرا خیال ھے کہ منقولہ اشعار خواجہ سنائی کے نہیں، اگرچہ ان کی بحر وھی ھے جو ''حدیقہ،، کی ھے احتیاطاً میں نے ''حدیقہ،، کے مختلف ابواب و فصول دیکھ بھی لیے خصوصاً باب ''مذمتہ التزویج،، یا ایسے دوسرے ابواب غالباً یہ کسی اور شاعر کے ھیں۔ جو اشتراک بحر کی بناء پر ''حدیقہ،، سے منسوب ھو گئے۔

رغبت جاه بچه و نفرت اسباب کدام
زیں هوسها بگزر یا مگزر، مے گزرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید، نہ رنجور ہوں نہ تندرست،نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ۔ جیے جاتا ہوں باتیں کیے جاتا ہوں، روٹی روز کھاتا ہوں ، شراب گاہ گاہ پیے جاتا ہوں۔ جب موت آئے گی مر رہوں گا۔ نہ شکر ہے، نہ شکایت ہے۔ جو تقریر ہے، بہ سبیل حکایت ہے۔ بارے جہاں رہو، جس طرح رہو، ہر ہفتے میں ایک بار خط لکھا کرو۔

یک شنبہ ۱۹- دسمبر ۱۸۵۸ء

(۶۳)

کیوں صاحب، روٹھے ہی رہو گے یہ کبھی منو گے بھی ؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں ،یعنی جس کا خط آیا ، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آرہتے ہوں ، بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے، ایک دو صبح کو ، ایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے ۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے ۔ یہ کیا سبب، دس دس دن بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا؟ یعنی تم نہیں آئے ۔ خط لکھو، صاحب، نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

سوموار ۲۷- دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

(۶۴)

دیکھو صاحب!

یہ باتیں ہم کو پسند نہیں - ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں

دیتے ہو اور مزا یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائے تو یہ کہوگے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔ لطف اس میں ہے کہ میں بھی سچا اور تم بھی سچے۔(۱)

آج تک رائے امید سنگھ یہیں ہیں اور ابھی نہیں جائیں گے۔ تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ جس دن وہ آئے تھے اوسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے، میں بھول گیا اور اس خط میں تم کو نہ لکھا۔ صاحب وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی مجلد مرزا تفتہ کے دیوان کے اور کئی نسخے ''تضمین اشعار گلستان،، کے ان کی خواہش کے بموجب ، کوئی پارسی ہے بمبئی میں، اوس کے پاس بھیج دیے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ایران کو ارسال کر دے گا۔ امید سنگھ نے اوسی پارسی کا نام بھی لیا تھا، میں بھول گیا۔ اب جو تم کو اس خیال میں مبتلا پایا تو اون کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں دو بار ان کے گھر گیا بھی ہوں، مگر محلے کا نام نہیں جانتا۔ نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے، اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھ بھیجوں گا۔ میر بادشاہ سے عندالملاقات میری دعا کہہ دینا۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لکھنے کے قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا تخلص کہ میں نے آگے اون کو کبھی نہیں دیکھا تھا، ناگاہ مجھ سے آ کر ملے اور تمہارا پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا کہ بخیر و عافیت سکندر آباد میں ہیں۔ جب میں نے اون سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں ؟ انہوں نے کہا: صاحب وہ بزرگ اور استاد ہیں، میں اون کا شاگرد ہوں۔ کہیں مدرسے کے علاقے میں نوکر ہیں (۱) بسبیل ڈاک یہاں آئے تھے اور آج ہی بسبیل ڈاک انبالے کو گئے۔ انبالہ ان کا وطن ہے اور نوکر بھی وہ

---

(۱) مطلب یہ کہ ۲۷ - دسمبر ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب جنوری ۱۸۵۹ء میں دیا۔ بہ اعتبار بعد ایک سال کا اور حقیقتاً صرف چند دن کا۔ یوں دونوں سچے۔ میرزا اس قسم کے نکات و لطائف بے تکلف پیدا کر لیتے تھے۔

اسی ضلع میں ہیں۔

نگاشتہ دو شنبہ ۳- جنوری ۱۸۵۹ء غالب

(۶۵)

صاحب،

تمہارا خط مع رقعہ مرد سخن فہم پہنچا۔ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے کلام کی تحسین کرنے والا فی‌الحقیقت اپنے فہم کی تعریف کرتا ہے۔ جواب میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں مصطفیٰ خاں کی ملاقات کو بہ سبیل ڈاک میرٹھ گیا تھا۔ تین دن وہاں رہا۔ کل وہاں سے آیا۔ آج تم کو یہ خط بھجوایا۔

محررہ و مرسلہ چہار شنبہ ۲۶- جنوری ۱۸۵۹ء غالب

(۶۶)

صاحب،

میرٹھ سے آ کر تم کو خط لکھ چکا ہوں۔ شاید نہ پہنچا ہو، اس لیے از روے احتیاط لکھتا ہوں کہ نواب مصطفیٰ خاں کے ملنے کو بہ سبیل ڈاک میرٹھ گیا اور سہ شنبہ کے دن دلی آ گیا اور چہار شنبہ کے دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز راجہ امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمہارا خط اون کے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا، وہ اون کو دکھایا، پڑھ کر یہ فرمایا کہ کسی اور مندر میں قصد اقامت نہیں ہے، نیا ایک تکیہ بنایا چاہتا ہوں(۱) - آدمی بندرا بن گئے ہیں۔ کوئی مکان مول لیں گے۔ وہاں اپنی وضع پر رہوں گا۔ میرا سلام لکھنا اور یہ پیغام لکھنا کہ آپ کا کلام بمبئی تک پہنچ گیا۔ اب طہران کو بھی روانہ ہو جائے گا:

---

(۱) یعنی اپنا مکان بنانا چاہتا ہوں۔

سواد هند گرفتی۔ به نظم خود تفته
بیا که نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یک شنبه سی ام۔ جنوری ۱۸۵۹ء غالب

(۶۷)

صاحب، تم تو اچھے خاصے عارف ہو اور تمہارا کشف سچا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں، کلِ تمہارا خط شام کو آیا، آج صبح کو جواب لکھا گیا۔ بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلے کا پتا ضرور نہیں ۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی، انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں تلف نہیں ہوتے ۔ بعض فارسی خط پر پتا محلے کا نہیں ہوتا ۔ انگریزی خط پر تو مطلق ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے، جانے ان کی بلا کہ بلی ماروں کا محلہ کیا چیز ہے۔

وہ(۱) تو بہ‌نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں۔ سیکڑوں خطوط انگریزی ہر روز اون کو آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں نے پھر اون کے پاس آدمی بھیجا اور آپ کا خط اپنے نام کا بھیج دیا۔ انہوں نے میرے آدمی سے کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں اس کا جواب کیا لکھوں؟ محلے کا پتا آپ ہی لکھ بھیجیے ۔ سو میں پہلے امرِ واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں۔ اون کے مکان کا پتا بلی ماروں کا محلہ، دسوں کا کوچہ۔

''دستنبو کا حال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات روپے کی ہنڈوی

---

(۱) امید سنگھ، انہی کو نامور آدمی قرار دے کر لکھا کہ اس کے لیے محلے کا پتا ضروری نہیں۔

بھیج کر بارہ جلدیں اور ایک جنتری اون سے منگوائی۔ پھر اون کو اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں لکھنؤ کو انہیں کے ہاتھوں، وہیں سے بھجوائیں اور اس کے بعد پھر اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بھجوا کر دو جلدیں وہیں سے سردھنے کو بھجوائیں۔

غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ میں بعد اوس پچاس جلد کے سولہ جلدیں اور اون سے لے چکا ہوں مگر نقد۔ ہر گز قرض میں نے نہیں منگوائی ہیں۔ ایک بار ہنڈوی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم، سہل طور پر اون کو لکھ بھیجنا کہ غالب نے کتنی جلدیں منگوائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض؟ اور جو وہ لکھیں مجھ کو لکھ بھیجنا۔

شنبہ ۱۹- فروری ۱۸۵۹ء غالب

(٦٨)

صاحب،

تمہارا خط آیا، دل خوش ہوا۔ تمہاری تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ تم کو آگرے سے کتابوں کا منگوانا بے ارسال قیمت مظنون ہے۔ چنانچہ "حق التصنیف"، تم نے لکھا ہے بھائی کیا میں تم کو جھوٹ لکھوں گا؟ اور شیو نرائن نے اگر ارسال قیمت کا نہیں لکھا، یہ بھی تونہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں۔ تم کو میرے سر کی قسم اور میری جان کی قسم، شیو نرائن سے اتنا پوچھو کہ اوس پچاس جلد کے بعد کے جلدیں غالب نے اور منگوائیں اور قیمت بھیج کر منگوائیں یا قیمت اوس سے لینی ہے؟ دیکھو میں نے قسم لکھی ہے، یوں ہی عمل میں لانا۔

راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی جو تمہارے خط کا ذکر آتا۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور یہ جو تم نے

مجھ کو لکھا تھا کہ اگر دسون کا کوچہ نہ ملے گا تو وہ خط تیرے پاس آئے گا، سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب، تم کو وہم کیوں ہے ؟ ایک امیر نامور آدمی ہے ، اوس کے نام کا خط کیوں نہ پہنچے گا؟

(٦٩)

اجی مرزا تفتہ،

بھائی منشی نبی بخش صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے، تم نے اون کو خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے؟ وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ اگر آپ کو مرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھئیے گا(١) ۔

یک شنبہ ٢٧- فروری ١٨٥٩ء غالب

(٧٠)

کیوں مرزا تفتہ، تم بے وفا یا میں گنہ‌گار؟ ؟ یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو؟ ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے ۔ تقریباً (٢) تمہارا ذکر درمیان آیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں ۔ اب میں حیران ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندر آباد ! اگر کول بھیجوں تو مسکن کا پتا کیا لکھوں ؟ بہ ہر حال سکندر آباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتا بتا کر وہاں بھجوا دیا۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں کہ وہ متھرا اور اکبر آباد کی طرف گئے ہیں ۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے ہیں۔ بہ ہر حال اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔

---

(١) منشی نبی بخش حقیر کے نام ''اردوے معلیٰ،، میں آخری خط ١٧- جنوری ١٨٥٩ء کا ہے ان کے جس خط کا ذکر زیر نظر مکتوب میں ہے، وہ ٢٧- فروری ١٨٥٩ء کا مرقومہ ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ حقیر کے نام میرزا کے کئی خط ضائع ہو گئے۔ (٢) برسبیل ذکر

بھائی تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو، مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے ؟

محررہ یک شنبہ ۲۷- مارچ ۱۸۵۹ء غالب

(۷۱)

صاحب،

آج تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو خط لکھتا ہوں۔ تمہاری ناسازگاری طبیعت سن کر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ و تندرست اور خوش رکھے۔ اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے، جس میں حکایت طالب علم اور سنار کی تھی واقعہ بلند شہر کا اور وہ اوراق میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے، خط میں لپیٹ کر، چونکہ خط ڈبل تھا دو ٹکٹ لگا کرارسال کیے ہیں۔ رسید ملے تو اوس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے۔ قیاس سے ایسا جانتا ہوں کہ پان سات دن ہوے ہو گے۔

منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں آیا۔ گھر ان کا تاج گنج، وہ خود مع بعض متعلقین آگرے۔(۱) ایک بار تاج گنج کے پتے سے خط ان کو بھیجا تھا، جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شیو نرائن سے ان کا حال پوچھوں گا۔ تم باہمہ کمالات خفقانی بھی ہو۔ راے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو؟ جب آگرے جاؤگے اور وہ وہاں ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ از روے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرے یا بندرابن، کبھی کہیں سے ان کا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گنہ گار۔

یک شنبہ سوم ذی‌القعدہ ۱۲۷۵ھ پنجم جون سال حال (۱۸۵۹ء)

غالب

---

(۱) تاج گنج آگرے کا ایک حصہ ہے، مگر الگ ہے۔

(۷۲)

صاحب،

ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں اون کو دیکھ کر خوش ہوا۔ وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے۔ تمہارا حال سن کر مجھ کو رنج ہوا۔ کیا کروں، نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں، نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں :

هر آنچه ساقی ماریخت عین الطاف است

آج چوتھا دن ہے، یعنی منگل کے دن کوئی پہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ راجا امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو؟ فرمایا کہ آگرے سے آتا ہوں۔ ''بساون کی گلی،، میں جو ''حکیموں کی گلی،، کے قریب ہے ''جورس صاحب،، کی کوٹھی انہوں نے مول لی ہے اور اوس کے قریب کی زمین افتادہ بھی خریدی ہے اور اوس کو بنوا رہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے، جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط اون کا آیا تھا، اوس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر اون کا کوئی خط نہیں آیا۔

بہ ہر حال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں باز دید کو نہیں گیا۔ شاید آج وہ گئے ہوں یا جاویں۔ پھر اکبر آباد کو جائیں گے۔ میں آج آدمی اون کے پاس بھیجوں گا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا، تم کو بہت پوچھتے تھے کہ آیا میرزا تفتہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ بھائی اون کو خط لکھ بھیجو۔

محررہ ۱۷- جون ۱۸۵۹ء

(۷۳)

صاحب،

ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اوس میں مندرج تھا کہ میرٹھ جاؤں گا۔ آج صبح کو ایک خط تمہارا اور آیا۔ اوس میں مندرج تھا کہ پہلی جولائی

کو جاؤں گا اور تجھ سے ملتا جاؤں گا۔ پرسوں کے خط میں بھی اور آج کے خط میں بھی پارسل کا ذکر تھا۔ کہ ۲۰ ۔ جون کو ہم نے بھیجا ہے بیسویں جون کو آج دسواں دن ہے ۔ اس دن میں کوئی پارسل ، کوئی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخری پمفلٹ پاکٹ دو مثنویوں کا وہ تھا، جس میں ایک مثنوی بلند شہر کے واقعہ کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا، اوس کی ارتھی پھکتی رہی، اوس کا عاشق سامنے کھڑا جلتا رہا ۔ سو ان دونوں مثنویوں کو میں نے اصلاح دے کر تمہارے پاس بھیج دیا ہے ، بلکہ یوں یاد پڑتا ہے کہ تم نے اوس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے ، لیکن مجھ کو گمان یہ ہے کہ یہ امر ۲۰۔ جون سے آگے کا ہے ۔ بہ ہر تقدیر، بعد اس پارسل کے کوئی اور پارسل نہیں آیا ۔ اصلاحی کواغذ ہر طرف کے عموماً اور تمہارے خصوصاً دو دن سے زیادہ میں نہیں رکھتا ۔ جو کاغذ مجھ تک نہ پہنچے، میں ناچار ہوں ۔ بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر فرض ہے ۔ یا تو وہ نہ پہنچا، یا تم نے اس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا ۔ وہ خط جس میں میر بادشاہ کا دلی آنا اور اون کا مجھ سے ملنا اور تمہارا ذکر مجھ میں اور اون میں ہونا، معہندا راجا امید سنگھ کا دلی آنا اور بے خبر میرے گھر آ جانا اور تمہارا اون سے ذکر ہونا اور اون کا یہ کہنا کہ اون کا کل ایک خط میرے پاس آیا تھا، سو میں نے اوس کا جواب لکھ بھیجا تھا(۱)۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا ۔ تمہارا وہ پارسل جس کو تم مانگتے ہو میرے پاس ہر گز نہیں آیا ۔

چہار شنبہ ۲۹۔ جون ۱۸۵۹ء وقت نیمروز　　　　　　غالب

(۷۳)

میاں !

تمہارے انتقالات ذہن نے مارا ۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام اچھا نہیں؟ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدردان نہ ہوگا؟ مگر بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنا میں

---

(۱) ملاحظہ ہو خط (۷۲)۔

مستغرق ہوں۔ بو علی سینا کے علم کو اور نظیری (۱) کے شعر کو ضائع اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری، سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا؟ دنیا میں نامور ہوئے تو کیا اور گمنام جیے تو کیا؟ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسانی، باقی سب وہم ہے اے یار جانی -(۲) ہرچند وہ بھی وہم ہے۔ مگر میں ابھی اسی پایے پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں، عالم بیرنگی میں گزر پاؤں۔ جس سناٹے(۳) میں ہوں، وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتا نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہوں اور جس سے معاملہ ہے، اس کو ویسا ہی برت رہا ہوں، لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے، سراب ہے۔ ہستی نہیں پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہیں گے۔ اون کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہم تم کو ہوگا؟

قطعات تاریخ آگرے کیونکر بھیجوں؟ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

''خالق معنی،، یعنی ''معنی آفریں،، صحیح اور مسلم اور جائز، ، لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے آلہ اور آلہی

---

(۱) خواجہ محمد حسین نظیری نیشا پوری، فارسی کا مشہور شاعر۔ اکبر کے عہد میں ایران سے ہندوستان آیا اور خانخاناں سے وابستہ ہو گیا۔ احمد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۱۰۲۳ھ - ۱۶۱۴ء میں (بہ عہد جہانگیر) انتقال ہوا۔ (۲) بعض اوقات مختلف اسباب و موثرات کے زیر اثر انسانی قلب و ذہن پر ایک خاص کیفیت یاس طاری ہو جاتی ہے، اور تصورات و تاثرات ایسی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں ، جن کا اظہار اس عبارت میں ہوا۔ لیکن یہ وقتی و ہنگامی کیفیات ہیں انہیں مستقل اقدار حیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (۳) لفظ ''سناٹے،، جس صورت حال کی تعبیر کے لیے اختیار کیا گیا۔ اس کی صحیح اور مفصل کیفیت بیان کرنا مشکل ہے۔ یہاں اس سے مراد ہے ''حیرت، سکتے اور ہو کا خاص عالم،،۔

میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں ؟ قیاس کام نہیں آتا، اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اور کسی نے آلہی میں دو الف نہیں مانے تو ہم کیونکر مانیں ؟

''دویم،، بروزن ''جویم ،، غلط۔ ''دوم،، ہے بغیر تحتانی۔ بالفرض تحتانی بھی لکھیں گے تو ''دویم،، (۱) پڑھیں گے، اگر چہ لکھیں گے دویم۔ واؤ کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں ''دومی،، درست ہے مگر نہ بہ حذف تحتانی، مثل ''زمی،، بہ حذف نون (زمین) بلکہ بطریق قلب بعض ''دویم،، کا ''دومی،، ہو گیا۔ کنوے کی تاریخ کو بے تامل بھیج دو اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو، کس واسطے کہ جب الہی میں سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائے گا۔

روز ورودنامہ بعد خواندن، نوشتہ شد۔ یک شنبہ

از غالب

(۷۵)

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا۔ میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا :

به هند آمدندے ز ایران دیار

''آمدند،، کی جگہ ''آمدندے،، بصیغہ استمرار ٹکسال باہر معلوم ہوا :

رسیدند در هند ز ایران دیار

اس کی جگہ لکھ دیا۔ واقعی، پوستین کا بیچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر ''رسیدند در ہند،، بیجا، تمہارا تصرف مستحسن۔ جس طرح تم نے لکھا ہے، اوسی طرح رہنے دو۔

صاحب، ''سنبلستان،، سے کیوں گھبراتے ہو؟ میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ ''رخ،، کو ''گل،،، ''زلف،، کو ''سنبل،، فرض کرتے ہیں۔

---

(۱) ضمہ دال اور فتحہ تحتانی۔

"سنبلستان،، میں کیا عیب ہے؟ اور اگر پسند نہیں تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ اس وقت تک، کہ اکتوبر کی آٹھویں، ہفتے کے دن، تیسرے پہر کا وقت ہے، میر قاسم علی صاحب تشریف نہیں لائے۔ ہاترس کے " منصف،، اور دلی کے نا منصف ہیں۔

روز شنبہ۔ ہشتم اکتوبر ۱۸۵۹ء آخر روز   از غالب

(۷۶)

صاحب،

تمہارا خط آیا، حال معلوم ہوا :

جہانیاں ز تو بر گشتہ اند اگر غالب
ترا چہ باک! خدائے کہ داشتی داری

خدا کے واسطے، میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے؟ بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جوات مشہور ہے، وہ محض غلط۔ ہاں مرزا الہی بخش(۱) جو شہزادوں میں ہیں، اون کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھیے کیا ہو؟ حکیم جی کو اون کی

---

(۱) میرزا الہی بخش سلاطین میں سے تھا۔ بہادر شاہ ثانی کے دوسرے ولی عہد شہزادہ غلام فخرالدین فخرالملک عرف میرزا فخر، کی شادی الہی بخش ہی کی بیٹی سے ہوئی اور شہزادہ ابو بکر اسی کے بطن سے تھا، جسے ہاڈسن نے بہادر شاہ کے دو بیٹوں کے ساتھ دہلی دروازے کے باہر خونی دروازے کے پاس گولی مار دی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں میرزا الہی بخش، مولوی رجب علی کے واسطے سے انگریزوں کا مخبر بنا رہا۔ اسی کے مشورے کے مطابق بہادر شاہ نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کیا تھا اور خاندان شاہی کے اکثر افراد انتہائی بے دردی سے مارے گئے تھے۔ بعد میں مرزا الہی بخش کو تیموری خاندان سرخیل مان لیا گیا اور پنشن ملتی رہی۔

حویلیاں مل گئی ھیں۔ اب وہ مع قبائل اون مکانوں میں جا رہے ھیں۔ اتنا حکم اون کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔ رہا میں :

تو بیکسی و غریبی ترا کہ می پرسد ؟

نہ جزا، نہ سزا، نہ نفریں، نہ آفریں، نہ عدل، نہ ظلم، نہ لطف، نہ قہر۔ پندرہ دن پہلے تک دن کو روٹی، رات کو شراب ملتی تھی، اب صرف روٹی ملے جاتی ہے، شراب نہیں۔ کپڑا ایام تنعم کا بنا ھوا ابھی ہے۔ اس کی فکر کچھ نہیں ہے۔ مگر تم کو میرے سر کی قسم، یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی ؟ مجھے اوس کے معلوم ھونے سے مزا ملے گا۔

شنبہ ۵۔ نومبر ۱۸۵۹ غالب

(۷۷)

میری جان!

کیا سمجھے ھو ؟ سب مخلوقات تفتہ و غالب کیونکر بن جائیں ؟

ہر یکے را بہر کارے ساختند

انت متاسومتا(۱)۔ مصری میٹھی، نمک سلونا۔ کبھی کسی شے کا مزا نہ بدلے گا۔ اب جو میں اوس شخص کو نصیحت کروں، وہ کیا نہ سمجھے گا کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمان کون ہے اور مجھ سے اوس سے کیا رسم و راہ ہے؟ بے شبہ جانے گا کہ تفتہ نے لکھا ھوگا۔ میں اوس کی نظر میں سبک ھو جاؤں گا اور تم سے وہ اور بھی سر گراں ھو جائے گا۔ اور یہ جو تم لکھتے ھو کہ تو نے اوس شخص کو اپنے عزیزوں میں گنا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم کو مسلمان یا ھندو یا نصرانی عزیز رکھتا ھوں اور اپنا بھائی گنتا ھوں۔

(۱) آخری نتیجہ ھی درست ھوتا ہے۔ مطلب یہ کہ کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

دوسرا مانے یا نہ مانے(۱)۔ باقی رہی وہ عزیز داری جس کو اهل دنیا قرابت کہتے هیں، اس کو قوم اور ذات اور مذهب اور طریق شرط هے اور اس کے مراتب اور مدارج هیں (۲) ۔ نظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھ کو اوس شخص سے خس برابر علاقہ عزیزداری کا نہیں۔ از راہ حسن اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا کہہ دیا تو کیا ہوتا هے ؟ زین‌العابدین خاں عارف میری سالی کا بیٹا، یہ شخص اوس کی سالی کا بیٹا(۳) ۔ اس کو جو چاهو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے آدمیت نہ ہوئی تو اب اوس کو لکھنا لغو و بے فائدہ ، بلکہ مضر هے۔

تمہارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفیٰ خاں سے ملنا هم پہلے هی دریافت کر چکے هیں ۔ اب تمہارے خط سے مرادآباد هو کر سکندرآباد آنا معلوم هو گیا ۔ حق تعالیٰ شانہ، تم کو خوش و خرم رکھے ۔

مرقومہ جمعہ ۲۳۔ دسمبر ۱۸۵۹ء غالب

(۷۸)

بھائی،

میں نے دلی کو چھوڑا اور رام پور کو چلا ۔ پنجشنبہ ۱۹۔ کو مراد نگر اور جمعہ ۲۰ کو میرٹھ پہنچا ۔ آج شنبہ ۲۱۔ کو بھائی مصطفیٰ خاں کے کہنے سے مقام کیا ۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ کر بھیجا ۔ کل شاہجہان پور، پرسوں گڑھ مکتیشر رهوں گا۔ پھر مراد آباد هوتا هوا رام پور جاؤں گا ۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو، رام پور بھیجنا ۔ سرنامے پر رام پور کا نام اور میرا نام کافی هے ۔

---

(۱) یہی حقیقت اقبال نے یوں بیان کی هے :

آدمیت احترام آدمی

(۲) دیکھیے، حقائق پر کتنی گھری نظر هے اور انہیں کتنے دل نشین انداز میں بیان کرتے هیں ۔

(۳) ظاهر هے کہ سالی کے بیٹے کی سالی کا بیٹا هونا کوئی قریبی رشتہ نہیں ۔ خصوصاً اس اعتبار سے کہ میرزا کی سالی کا بیٹا یعنی عارف جس سے خاص تعلق تھا ، سات سال پیشتر فوت هو چکا تھا ۔

اب اسی قدر لکھنا کافی تھا، باقی جو کچھ لکھنا ہے وہ رام پور سے لکھوں گا۔
مرقومہ چاشت گاہ شنبہ ۲۱- جنوری ۱۸۶۰ء

راقم غالب

(۷۹)

صاحب،

تمہارے یہ اوراق سکندر آباد سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچے۔ یقین ہے کہ رام پور سے میرے بھیجے ہوئے سکندراباد پہنچے ہونگے۔ سوائے یک مصرع کے مجھے اور جگہ کی اصلاح یاد نہیں ۔ تم جو اپنے فرزند کو ' ناشناسائے مزاج روزگار کہتے ہو، خود اس میں اوس سے کیا کم ہو؟ پہلے تو یہ بتاؤ کہ رام پور میں مجھے کون نہیں جانتا؟ کہاں مولوی وحیدالزمان صاحب ، کہاں میں ! ان کا مسکن میرے مسکن سے دور، پھر در دولت رئیس کہاں اور میں کہاں ! چار دن والی شہر نے اپنی کوٹھی میں اتارا۔ میں نے مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر برابر مجھ کو عطا ہوئیں۔ اب اوس میں رہتا ہوں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کے پاس ہے۔ ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہے۔ برابر دلی سے خط چلے آتے ہیں ۔ صرف رام پور کا نام اور میرا نام، محلے کی اور عرف کی حاجت نہیں، بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کے نشان سے شاید خط تلف ہو جائے۔ دوسری بات جو تم نے لکھی ہے، وہ بھی مطابق واقع و مناسب حال نہیں ۔ اگر اقامت قرار پائی تو تم کو بلا لوں گا۔

۱۸۶۰ء غالب ۱۲

(۸۰)

میری جان !

آخر لڑکے ہو، بات کو نہ سمجھے۔ میں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں؟ میں نے یہ لکھا تھا کہ بہ شرط اقامت بلا لوں گا اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری، تو بے تمہارے نہ رہوں گا، نہ رہوں گا، زنہار نہ رہوں گا۔

منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا، تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے اور اگر دلی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر ان کے اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کے بار مہینے بھر کا صبر چاہئیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ از بسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدۂ اوراق نہیں ملی۔ تم اسی رقعے کو ان کے پاس بھیج دینا۔

سہ شنبہ ۱۴- فروری ۱۸۶۰ء — غالب

(۸۱)

برخودار سعادت آثار منشی ہر گوپال سلمہ اللہ تعالیٰ!

اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں، ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹننٹ گورنر بہادر مرادآباد اور وہاں سے رام پور آئیں گے۔ بعد اون کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہرے گا۔ منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہوا تو فوراً تم کو بلا لوں گا۔ جو دن زندگی کے باقی ہیں، وہ باہم بسر ہو جائیں۔ والدعا

یکم مارچ ۱۸۶۰ء — راقم غالب

(۸۲)

میرزا تفتہ!

اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے۔ بھائی، ''تضمین گلستان،، چھپوا کر کیا فائدہ اٹھایا ہے، جو انطباع ''سنبلستان،، سے نفع اٹھاؤ گے؟ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگرچہ قلیل ہو اور اگر روپیہ لینا منظور ہے تو ہر گز اندیشہ نہ کرو اور درخواست دے دو۔ بعد نو مہینے کے

روپیہ تم کو مل جائے گا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر احیاناً ہوا بھی تو ہوتے ہوتے اوس کو مدت چاہئیے "رستخیز بیجا،، ہو چکا۔ اب ہو تو رستخیر ہو یعنی قیامت اور اوس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی رستخیز کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں۔ احتمال فتنہ سال آیندہ پر رہا، سو بھی موہوم۔
میاں، میں جو آخر جنوری کو رام پور جا کر آخر مارچ کو یہاں آ گیا ہوں، تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کچھ کہتے ہیں ؟ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ شخص والی رام پور کا استاد تھا۔ وہاں گیا تھا، اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ ہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو گئے تھے، مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپے مہینا کر دیا تھا۔ لفٹننٹ گورنر الہ آباد جو رام پور آئے اور ان کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو جواب دو۔ نواب صاحب نے برطرف کر دیا۔

یہ تو سب سن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سنو۔ نواب یوسف علی خاں بہادر تیس اکتیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے، اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینا ماہ بہ ماہ بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا۔ دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بہ شرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینا یہاں رہوں، وہاں رہوں، خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۰ء غالب

مرزا تفتہ

ایک امر عجیب کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجب مفرط کے موجب نشاط مفرط(۱) ہوگا۔ میں اجرائے پنسن سرکار انگریزی سے مایوس تھا، بارے وہ نقشہ پنسن داروں کا، جو یہاں سے بن کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ شخص پنسن پانے کا مستحق نہیں ہے، گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میرے پنسن کے اجرا کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا۔ میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ ماہ آیندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہیے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔

غالب

۱۶- اپریل ۱۸۶۰ء

(۸۴)

بھائی، آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔(۲) پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔ زر سہ سالہ، مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے۔ سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین برس کے دوہزار دو سو پچاس ہوئے۔ سو روپے مجھے مدد خرچ ملے تھے، وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو متفرقات میں گئے۔ رہے دو ہزار روپے، میرا مختار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرضدار قدیم ہوں۔ اب وہ دو ہزار (روپے) لایا، اس نے اپنے پاس رکھ لیے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجیے۔ سات کم پندرہ سو اوس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اوسی سے حساب کروایا گیا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ چھبیس سو ہوئے۔ اصل میں

---

(۱) یعنی تعجب بھی زیادہ ہوگا اور شادمانی بھی۔ (۲) دوپہر کے وقت، جیسا کہ رقم خط کی تاریخ کے ساتھ ساتھ خود میرزا نے لکھا ہے۔ اصلاً یہ تاریخ آغاز خط میں درج تھی۔ اسی لیے میرزا نے اشارتاً ؀ قریب پر قناعت کی۔ میں نے یکسانی کے خیال سے تاریخ آخر میں درج کردی۔

یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا۔ وہ کہتا ہے پندرہ سو میرے دے دو، پانسو سات روپے باقی کے تم لے لو۔ میں کہتا ہوں، متفرقات گیارہ سو چکا دے، نو سو باقی رہے، آدھے تو لے لے، آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی(۲) کو وہ روپے لایا ہے، کل تک قصہ نہیں چکا۔ میں جلدی نہیں کرتا۔ دو ایک مہاجن بیچ میں ہیں۔ ہفتے میں جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔ خدا کرے یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ، اسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعود کی خبر دینا۔ والدعا

شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ ہنگام نیمروز غالب

(۸۵)

برخوردار میرزا تفتہ

دوسرا مسودہ بھی پہنچا۔ تم سچے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آ گیا کہ پنسن داران قدیم ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دو بار بطریق ششماہہ فصل بفصل پایا کریں۔ ناچار ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا رام پور کی آمد میں مل کر صرف ہو۔ یہ سود چھ مہینے تک اسی طرح کٹوا دینا پڑے گا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جائے گی۔

رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک   خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات   اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

دس بارہ برس سے اس تنگنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا کیا۔ اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یک مشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے لیا ہے اوس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کر دو۔ مکان کہیں ملے تو اٹھوں۔ بے درد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی۔ وہ صحن بالا خانے کا جس کا دو گز کا

عرض اور دس گز کا طول ہے، اس میں باڑ بند گئی۔ رات کو وہیں سونا۔ گرمی کی شدت، باڑ کا قرب، گمان یہ گزرتا تھا کہ کٹکر ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزریں۔ دو شنبہ ۹۔ جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آ گیا، وہاں جا رہا۔ جان بچ گئی۔

یہ مکان بہ نسبت اس مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلہ وہی بلی ماروں کا۔ اگرچہ ہے یوں کہ میں اگر اور محلے میں جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتے، یعنی اب اکثر خطوط ''لال کنوے،، کے پتے سے آئے ہیں اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہ ہر حال وہی دلی ''بلی ماروں،، کا محلہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ در پیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کیے جائیں گے، خاطر جمع رہے۔

جمعہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۰ء غالب

(۸۶)

میرزا تفتہ

کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا، آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں اور اسی خط کے ساتھ خط موسومہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دون مرتبۂ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہ ہر حال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔ منشی قمرالدین خاں صاحب نے نا پسند کیا۔ قطعہ یہ ہے:

شیخ نبی بخش کہ با حسن خلق داشت مذاق سخن و فہم تیز
سال وفاتش ز پئے یادگار بادل زار و مژۂ دجلہ ریز
خواستم از غالب آشفتہ سر گفت مدہ طول و بگو ''رستخیز،،

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں، بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے، جیسا کہ یہ مصرع :

در سال غرض ہر آنکہ ماند بیند

انوری (۱) کے قصائد کو دیکھو۔ دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں، جس میں اعداد سال مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے۔ لفظ ''رستخیز،، کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقع کے مناسب۔ اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نا مستحسن تھا۔ قصہ مختصر، اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کر چکا۔ زیادہ کیا لکھوں ؟

صبح دو شنبہ پنجم جمادی الاولیٰ ۱۲۷۷ھ

و نوزدھم نومبر سال حال (۱۸۶۰ء)

غالب

(۸۷)

صاحب،

تمہارا خط میرٹھ سے آیا۔ ''مرآۃ الصحائف،، کا تماشا دیکھا۔ ''سنبلستان،، کا چھا یا خدا تم کو مبارک کرے اور خدا ھی تمہاری آبرو کا نگہبان رہے۔ بہت گزر گئی ہے ، تھوڑی رھی، اچھی گزری، اچھی گزر جائے گی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ھاتھ آیا،

---

(۱) اوحدالدین انوری ،فارسی کا مشہور قصیدہ گو جسے فارسی شاعری کے تین پیغمبروں میں سے مانتے ہیں :

در شعر سہ کس پیمبرانند — ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

سلطان سنجر سلجوقی کا مداح تھا۔ ۵۸۰ھ ۱۱۸۹ء میں وفات پائی۔

جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہوگا؟ سعدی نے ''بوستان،، سے کیا پھل پایا، جو تم ''سنبلستان،، سے پاؤگے؟ اللہ کے سوا جو کچھ ہے موہوم و معدوم ہے۔ نہ سخن ہے، نہ سخنور ہے، نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے۔ لا موجود الااللہ۔

جناب بھائی صاحب مصطفیٰ خاں بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔ ہمشیرہ(۱) کے پنسن کا جاری ہونا بہت خوشی کی بات ہے۔ مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور زیادہ تعجب کی بات بروے کار آوے، یعنی آپ کا پنسن بھی واگزاشت ہو جاوے۔ اللہ، اللہ، اللہ!

صبح یک شنبہ ۲۰ جنوری ۱۸۶۱ء — غالب

(۸۸)

اجی مرزا تفتہ!

تم نے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبویا۔ ہاے کیا بری کاپی ہے! اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ یہاں ہوتے اور بیگمات قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے۔ صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے، پائنچے لیر لیر، جوتی ٹوٹی۔ یہ مبالغہ نہیں، بلکہ بے تکلف ''سنبلستان،، ایک معشوق خوبرو ہے، بد لباس ہے۔ بہ ہر حال دونوں لڑکوں(۲) کو دونوں جلدیں دے دیں اور معلم کو حکم دیا کہ اس کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔

مرقومہ صبح شنبہ ۹۔ ماہ اپریل ۱۹۶۱ء — غالب

---

(۱) نواب مصطفیٰ خاں کی ہمشیرہ مراد ہے۔ (۲) باقر علی خاں اور حسین علی خاں فرزندان عارف

میاں مرزا تفتہ !

ہزار آفرین۔ کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے ۔ واہ، واہ، چشم بد دور، تسلسل معانی، سلاست الفاظ ۔ ایک مصرع میں تم کو محمد اسحاق شوکت(۱) بخاری سے توارد ہوا ۔ یہ بھی محل فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے ۔ وہ مصرع یہ ہے :

چاک گر دیدم و از جیب بداماں رفتم

پہلا مصرع تمہارا اگر اس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا ۔ خدا تم کو اتنا جلائے کہ ایک دیوان بیس جزو قصائد کا کہہ لو ۔ مگر خبردار قصائد بقید حروف تہجی نہ جمع کرنا ۔

صاحب ، مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ اب لکھا ہے، سابق کا تمہارا لکھا ہوا، سب یاد ہے ۔ میں نے اس کو ''دوست،، بطریق طنز لکھا ہے ۔ بہر حال وہ جو میں نے خاقانی (۲) کا شعر لکھ کر اوس کو بھیجا، اوس کی ماں مرے، اگر میرے اوس خط کا جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا ۔ داغ کہنہ حسرت کو چمکایا ۔

---

(۱) محمد اسحاق شوکت بخاری ۔ فارسی کا شاعر، درویش منش اور خود دار تھا ۔ وفات ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۶ء ۔

(۲) حکیم افضل‌الدین خاقانی شروانی، جسے ''حسان عجم،، کہتے ہیں ۔ قصائد، غزلیات وغیرہ کے ایک ضخیم دیوان کے علاوہ مثنوی ''تحفۃ العراقین،، اس کی یادگار ہے ۔ تبریز میں انتقال ہوا ۔ (۵۸۴ھ/۱۱۸۸ء) ۔ ''حبیب السیر،، میں ہے کہ چار پانچ سال بعد تک بھی زندہ تھا ۔

یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ(۱) کے پاس، روشن الدولہ کے توسط سے نصیرالدین حیدر(۲) کے پاس گزرا اور جس دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہوا ۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ مظفرالدولہ(۳) مرحوم لکھنئو سے آئے۔ انہوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا : خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ(۴) کو لکھا کہ تم دریافت کرکے لکھو کہ میرے قصیدے پر کیا گزری۔ انہوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار ملے، تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے ، دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو۔ میں نے لکھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے ۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو، اوس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گزرا، مگر یہ میں نے نہیں جانا کہ اوس کا صلہ کیا مرحمت ہوا ۔ میں کہ ناسخ ہوں، اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر اون کا کھایا ہوا روپیہ اون کے حلق سے نکال کر تم کو بھیج دوں گا۔ بھائی یہ

---

(۱) روشن الدولہ وزیر و نائب السلطنت بہ عہد نصیرالدین حیدر والی اودھ ۔

(۲) شاہ اودھ ۔ غازی الدین حیدر کا بیٹا اور سعادت علی خاں کا پوتا۔ دور حکومت ۱۸۲۷ء — ۱۸۳۷ء)۔

(۳) مظفرالدولہ سیف الدین حیدر خاں، مبارزالدولہ حسام الدین خاں کے بڑے بیٹے ۔ یہ خاندان اصلاً لکھنئو سے متعلق تھا ، لیکن حسام الدین حیدر خاں نے دھلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مظفرالدولہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ھاتھ سے بالکل بے گناہ مارے گئے۔

(۴) شیخ امام بخش ناسخ ۔ اردو کے مشہور شاعر وفات ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۸ء۔ مرزا نے ایسا ھی ایک واقعہ امجد علی شاہ کے عہد کا بھی لکھا ھے (دیکھیے مکتوب ۱۹ بنام انورالدولہ شفق) ۔

خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا، تیسرے دن شہر میں خبر اڑی کہ نصیرالدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے؟

دو شنبہ ۱۹۔ اگست ۱۸۶۱ء　　　　　　　　غالب

(۹۰)

مرزا تفتہ صاحب، اس قصیدے کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ ''خنجر،، را و ''گوہر،، را کو تم نے از قسم تنافر(۱) سمجھا اور اس پر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ خدشہ نہیں پیدا ہوتا، مگر لڑکوں کے اور مبتدیوں کے دل میں۔ سلیم(۲) :

شراب نقل نخواھد بگیر ساغر را　　　که احتیاج شکر نیست شیر مادر را

یہ غزل شاھجہان کے عہد کی طرحی ہے۔ صائب و قدسی و شعرائے ھند نے اس پر غزلیں لکھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام بے تکلف آتے ہوئے خالی کیوں

---

(۱) دو ایسے لفظوں کا جمع کر دینا جن کی وجہ سے تلفظ میں ثقالت پیدا ہو، جیسے ''صدق قول،، یا جیسے ''گوھر را،، اول میں دو ''ق،، اور دوسرے میں دو ''ر،، یکجا ہوئے۔

(۲) محمد قلی سلیم، شاہ جہان کے عہد میں ایران سے ھندوستان آیا۔ کشمیر میں انتقال ہوا (۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء)۔

میرزا محمد علی تبریزی اصفہانی۔ امام غزل طرازان۔ دو مرتبہ ھندوستان آیا۔ حج بھی کیا۔ صفویوں کے نزدیک بھی معزز و محترم تھا۔ وفات اصفہان میں ہوئی (۱۰۶۹ھ)۔

حاجی جان محمد قدسی مشہدی۔ عبدالحمید نے ''شاھجہاں نامہ،، میں اور شیر خاں نے ''مرآۃالخیال،، اس کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں، لاھور میں بہ عارضۂ اسہال فوت ہوا (۱۰۵۰ھ۔ ۱۶۴۰ء)۔

اڑا دو۔ ''ضیاالدین احمد خاں،، نام ہے ۔ ہندی میں رخشاں تخلص، فارسی میں نیر تخلص :

ہانا نیر رخشاں ضیاءالدین احمد خاں

دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرع ہے ۔ یہ نہ کہنا کہ جو شعرا ممدوح کا نام ننگا لکھ جاتے ہیں وہ بحسب ضرورت شعر ہے ۔ جس بحر میں پورا نام نہ آئے، اس میں شوق سے نہ لکھو۔ جائز، روا، مستحسن ۔ جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے، اس میں فروگزاشت کیوں کرو؟

دو شنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء غالب

(۹۱)

صاحب،

قصدے پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا، آفرین ہے ۔ پھر استاد کے شعر کی تضمین کیوں کرتے ہو؟ نہ اس کی کچھ حاجت، نہ اس میں کوئی افزایش حسن ۔ تمہارے ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھ دیا ہے تا کہ مقطع کلام ہو جائے ۔ پہلا قصیدہ تمہارا ''بر آوردم،، ''در آوردم،، کی ردیف کا سست ہے ۔ اس کو ہم نے نا منظور کیا ۔ مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہوں گے، وہ شعر تم کو لکھ کر بھیج دیں گے ۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں تا کہ آیندہ اس پالغز(۱) سے احتراز کرو :

نور سعادت از جبۂ قاصدم چکد

یہ کیا ترکیب ہے؟ ''جبہ،، بروزن ''چشمہ،، ہے، یعنی دو ہاے ہوز ہیں ۔ ''جبۂ قاصد،،، ایک ہاے ہوز کہاں گئی ؟

ہر کجا چشمۂ بود شیریں

---

(۱) پاؤں پھسلنے کی جگہ ، مراد ہے لغزش ۔

''چشمه،، کی جگه ''چشد،، لکھتے ھو یه بات ھمیشه کو یاد رھے۔ اتنے بڑے مشتاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ھے! ۱۲
بیاں:

برگ دنیا نه ساز دینش بود

یه کوئی لغت نہیں، ایک لفظ نہیں که کسی فرھنگ میں سے نکل آئے۔ یه طرز تحریر ھے۔ کس کو یاد ھے که اس کا نظیر کہاں موجود ھے؟ اس امر سے قطع نظر، وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی دان اور عالم ھے که میں لڑکوں کی طرح بیت بحثی کروں؟ دو جوتیاں آپ لگا دیں، ایک جوتی تم سے لگوا دی۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔(۱)

میں ''برھان قاطع،،(۲) کا خاکه اڑا رھا ھوں۔ ''چار شربت،،(۳)۔ اور ''غیاث اللغات،،(۴) کو حیض کا لته سمجھتا ھوں۔ ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابله کروں گا؟ ''برھان قاطع،، کے اغلاط بہت نکالے ھیں۔ دس جزو کا ایک رساله لکھا ھے اوس کا نام ''قاطع برھان رکھا ھے۔ اب اس کے چھاپے کی فکر ھے۔ اگر یه مدعا حاصل ھو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دوں گا۔ ورنه کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیج دوں گا۔ بہت سود مند نسخه ھے ۱۲

اس قصیدۂ متبرکه کو مرنق اصلاح کے، اس کاغذ سے اور کاغذ پر نقل کر کے اور جو مطالب که اس کاغذ پر مرقوم ھیں اون کو حافظے کے سپرد کر کے، اس ورق کو پھاڑ ڈالو اور اس قصیدے پر ناز کیا کرو۔ یه قصیده تمھارا ھم کو بہت پسند آیا ھے۔

جمعه ۴۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء غالب

---

(۱) یه مصرع مرزا کی مثنوی ''باد مخالف،، کا ھے۔ معلوم ھوتا ھے که اس پر کسی نے اعتراض کیا تھا، (۲) فارسی لغت کی مشہور کتاب مرتبه محمد حسین تبریزی ثم دکنی۔ (۳) قتیل کی تصنیف۔ (۴) مرتبه مولوی غیاث الدین رام پوری۔

صاحب،

یہ قصیدہ تم نے خوب لکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کا تمہیں صلہ دے۔ نواب مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں سے قصیدے کی رسید آ گئی ۔ یقین ہے کہ تم کو بھی وہ خط لکھیں ۔ دریں والا آیا چاہتے ہیں اور مجھ کو یہ لکھا تھا کہ قصیدہ پہنچا، کیا کہنا ہے، ایسا ہے اور ایسا ہے۔ میں چند روز میں وہاں آتا ہوں۔ عندالملاقات اس قصیدے کے باب میں باتیں ہوں گی۔ ضیاالدین خاں صاحب کا بھی مقدمہ آج کل نیصل ہوا چاہتا ہے—(۱) وہ قصیدہ جو میرے پاس امانت ہے، اون کو دیا جائے گا۔ ان شاءاللہ العلی العظیم

از من فراغ برد، بریدم من از فراغ

"بریدم من از فراغ"، یعنی "قطع نظر کردم از فراغ"، و "نومید شدم از فراغ"۔

(۹۳)

تم کو معلوم رہے کہ ایک ممدوح تمہارے یہاں آئے ہیں۔ اون کو میں نے تمہاری فکر اور تلاش کا مداح پایا۔ جنوری ۱۸۶۲ء میں کچھ

---

(۱) بظاہر وہ مقدمہ جو امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں کے درمیان انتظام ریاست لوہارو کے متعلق تھا، اکتوبر ۱۸۴۸ء میں شروع ہو گیا تھا۔ پہلے فیصلہ ہوا کہ ضیاءالدین احمد خاں صرف حصے کا روپیہ لینے کا حقدار ہے۔ انتظام ریاست میں دخل نہیں دے سکتا۔ پھر ضیاءالدین احمد خاں کی درخواست پر حکم ہوا کہ اسے بارہ ہزار سالانہ کے بجائے اٹھارہ ہزار سالانہ ملا کریں۔ یہ معاملہ کورٹ آو ڈائرکٹرز تک پہنچا، مگر اصل فیصلہ بحال رہا۔ تیسرے مرحلے پر پر ادائے رقم کے متعلق مقدمہ چلا۔ آخر ضیاءالدین احمد خاں نے باقی رقم کے متعلق دعوی دائر کر دیا۔ غالباً اسی کی طرف میرزا نے اشارہ کیا ہے۔

تمہاری خدمت میں بھیجیں گے۔ تم کو قبول کرنا ہوگا۔ سمجھے یہ کون؟ یعنی نواب مصطفیٰ خان صاحب اور دوسرے ممدوح یعنی نواب ضیاءالدین خاں، وہ آخر دسمبر ۱۸۶۱ء میں یا اوائل جنوری ۱۸۶۲ء میں حاضر ہوں گے۔

(۹۴)

بھائی ''ریمیا'' و ''ہیمیا'' خرافات ہے۔ اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون اور بو علی، یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ ''کیمیا'' اور ''سیمیا'' دو علم شریف ہیں۔ جو اشیاء کی تاثیر سے تعلق رکھے، وہ ''کیمیا'' اور جو اسما سے متعلق ہو، وہ ''سیمیا'':

جاں غم ''سیمیا'' نخورد گھے دل سوے ''کیمیا'' نیاوردم

شعر با معنی ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں، وہ حق ہے۔ کیا آگے آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے؟ ''زمان و زمانہ'' کو میں پاگل ہوں جو غلط کہوں گا؟ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں ''زمان'' و ''زمانہ'' لکھا ہوگا۔

وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا؟ سمجھو: پہلا مصرع لغو، دوسرے مصرع میں ''نبرد'' کا فاعل معدوم۔ ''حلقہ زا'' کی ''زے'' پر نقطہ نہ تھا، میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ ''حلقہ را'' درست، نہ ''حلقہ زا'' درست۔ مگر یہ فارسی ''بیدلانہ'' ہے (۱) خیر رہنے دو۔ مرتا ہوں، مجھے سمجھاتے ہو کہ ''صد جا در کلام اہل زبان خواهند یافت''، مگر میں بانی کلام اہل زبان نہیں:

گردش چرخ استخواں سائید

اس سے یہ بہتر ہے،

سودہ شد استخواں زگردش چرخ

باقی اور مصرعے سب اچھے بنائے ہیں۔ غالب

---

(۱) بیدل کی سی فارسی۔

صاحب،

دونوں زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف: ایک فارسی، ایک عربی۔ ہر چند اس منطق(۱) میں لغات ترکی بھی آ جاتے ہیں مگر کمتر۔ میں عربی کا عالم نہیں، مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلب گار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے اور اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جا گزین ہیں، جیسے فولاد میں جوہر۔

اہل پارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں: ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان، دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے، سو دو سو، چار سو، آٹھ سو برس پہلے پیداہوئے ہیں۔

جود لغت عربی ہے بمعنی بخشش، ''جواد،، صیغہ ہے صفت مشبہ کا، بے تشدید۔ اس وزن پر صیغۂ فاعل میری ساعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود نہ لکھوں گا، مگر جبکہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا، تو میں نے مانا۔(۲)

کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی سمجھے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا، اوس کے قوافی لکھ لیے اور اون قافیوں

---

(۱) بول چال، بات چیت، گفتگو۔

(۲) میرا خیال ہے کہ تفتہ ۔کو غلط فہمی ہوئی۔ میری تحقیق کی حد تک نظیری ایک جگہ شہزادہ مراد کے قصیدے میں لفظ ''جواد،، لایا ہے اور بے تشدید ہے:

ز صبح تا بہ دم شام بر سر عالم
چو آفتاب زر افشاں شدہ بہ دست جواد

(کلیات نظیری مطبوعہ نول کشور ص۳۳۳)

پر لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ۔ بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں(۱)، لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اوس کے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف، قافیہ دیکھ لیا اور اوس زمین میں غزل، قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اوس کے قافیہ کا شعر دیکھا، اوس پر لکھا ہوگا۔ واللہ اگر تمہارے اس خط کے دیکھنے سے پہلے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے، چہ جائے آنکہ وہ شعر۔ بھائی شاعری معنی آفرینی ہے، قافیہ پیمائی نہیں ہے۔

''زمان،، لفظ عربی ''از منہ،، جمع ، دونوں طرح فارسی میں مستعمل ''زمانے،، ''یک زمان،، ''ہر زمان،، ''زمان زمان،، ''دریں زمان،، ''در آں زمان،، سب صحیح اور فصیح۔ جو اس کو غلط کہے، وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے، مثل ''موج،، و ''موجہ،، یہاں بھی ''ہ،، بڑھا کر ''زمانہ،، استعمال کیا ہے۔ یک زمان کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت ؟

سنو میاں : میرے ہم وطن ، یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں دم مارتے ہیں، وہ اپنے قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں ، جیسا وہ گھاگس (۲)، عبدالواسع ہانسوی، لفظ ''نامراد،، کو غلط کہتا ہے اور یہ الو کا پٹھا ''قتیل،، ''صفوت کدہ،، شفقت کدہ ''نشتر کدہ،، کو اور ''ہمہ عالم،، و ''ہمہ جا،، کو غلط کہتا ہے ۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو ''یک زمان،، کو غلط کہوں گا؟ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہات میں ہے ۔ للہ الحمد و للہ الشکر۔

مرقومہ چہار شنبہ ۲۷۔ ماہ اگست ۱۸۶۲ء غالب

---

(۱) ریختے کا ذکر بظاہر اس لیے کیا کہ میرزا نے شعر گوئی کی ابتد ریختے سے کی تھی ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ریختے میں نہیں لیکن فارسی شعر گوئی میں ضرور اساتذہ کی غزلیں یا قصیدے سامنے رکھ لیتے تھے ۔ مقصود حقیقی یہ ہے کہ شعر گوئی کے آغاز سے کبھی ایسا نہیں کیا ۔

(۲) ایک قسم کا دوغلا مرغ ۔

میرزا تفتہ،

جو کچھ تم نے لکھا ہے، یہ بے دردی ہے اور بد گمانی ۔ معاذاللہ تم سے اور آزردگی؟ مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق‌الولاء رکھتا ہوں، جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے ۔ تم ایسی کونسی بات لکھوگے کہ موجب ملال ہو؟ رہا غماز کا کہنا ، اوس کا حال یہ ہے کہ میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا ۔ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا ۔ مثلاً وہ جیتا ہوتا اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا تو میں اوس کو جھڑک دیتا اور اوس سے آزردہ ہوتا ۔

بھائی ، مجھ میں اب کچھ باقی نہیں ہے ۔ برسات کی مصیبت گزر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی ۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں، بیٹھ نہیں سکتا ۔ اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں ۔ معہذا یہ بھی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہو گئی ۔ خاطر میری جمع ہے کہ اب اصلاح کی حاجت نہ پاؤں گا ۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قصائد سب عاشقانہ ہیں، بکار آمدنی نہیں ۔ خیر کبھی دیکھ لوں گا ۔ جلدی کیا ہے؟ تین بات جمع ہوئیں : میری کاہلی، تمہارے کلام کا محتاج بہ اصلاح نہ ہونا، کسی قصیدے سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا ۔ نظر ان مراتب پر کاغذ پڑے رہے ۔ لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل آیا ہے کہ، جس کو بہت دن ہوئے ۔ آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا ۔ نواب(۱) صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں :

ضعف نے غالب نکما کر دیا   ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا ۔ آج اس وقت کہ سورج بلند نہیں ہوا، اس کو دیکھا، لفافہ کیا، آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا ۔

۲۷- نومبر ۱۸۶۲ء   غالب

---

(۱) نواب یوسف علی خان والی رام پور۔

(۹۷)

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بہ دل جا دارد
ہر کجا ہست خدایا بہ سلامت دارش

صاحب،

کتنی بار جی جاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں! اب جو تمہارا خط آیا، معلوم ہوا کہ حضرت ابھی لکھنئو میں رونق افروز ہیں، خط نہ بھیجوں تو گنہ گار۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مجھ میں اصلاح کی مشقت کی طاقت نہیں رہی۔ معہذا تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے۔ اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آئین شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل، قصیدہ لکھا کرو، نہ مسودہ بلکہ ایک نقل اس کی ضرور بھیجا کرو۔ غالب

(۹۸)

صاحب بندہ!

میں نے بکس کا ایک ایک خانہ دیکھا۔ سوائے تین کاغذوں کے اور کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا اور اوس وقت بہ سبب کم فرصی کے میں ردیف اون تینوں قصیدوں کی نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ پچاس کا بہ اقتضاے حالات زمانہ سست ہو گیا ہے، مٹ نہیں گیا۔ دیر آید درست آید۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اب میرا حال سنو:

در نو میدی بسے امید است
پایان شب سیہ سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو سات پارچے اور تین رقم جواہر، خلعت ملتا تھا۔ "لارڈ کیننگ"، صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئے ہیں۔ نا امید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس ہو رہا۔

اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں ، میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں دربار نہ کریں گے۔ میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالے جائیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا ۔ تم بھی انبالے جاؤ۔ شریک ہو کر خلعت معمولی (۱) لے آؤ۔ بھائی ، کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گزری؟ گویا مردہ جی اٹھا۔ ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سناٹا گزرا کہ سامان سفر انبالہ اور مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں ؟ اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدے کی فکر ، اودھر روپے کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے نہیں ۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے۔ وہ روپے کی فکر میں پریشان ۔ میرا خدا یہ بھی مشکل آسان کرےگا، مگر ان دنوں میں نہ دن کو چین ہے، نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب گورنر صاحب کو لکھ کر بھیج دی ہیں ۔ جیتا رہا تو انبالے سے آ کر خط لکھوں گا۔

روز چہار شنبہ ۱۳۔ رمضان (۱۲۷۹ھ)

۴۔ مارچ (۱۸۶۳ء) غالب

(۹۹)

لو صاحب، ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کر کے انبالے کا جانا موقوف کیا اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا۔ بیمار ہوں، ہاتھ پر ایک زخم، زخم کیا ایک غار ہو گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے ؟

غالبؔ

(۱۰۰)

حضرت،

پرسوں صبح کو تمہارے سب کواغذ ایک لفافے میں بند کر کے ڈاک گھر بھجوا دیے۔ سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی۔ اوسی دن شام کو

---

(۱) ''خلعت معمولی،، سے مراد معمولی سا یا حقیر سا خلعت نہیں ، بلکہ وہ خلعت جو معمول کے مطابق ملا کرتا تھا۔

ایک خط آپ کا اور پہنچا۔ اوس کو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اپنا حال پرسوں کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنیٰ بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں، وہ لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا حال باور نہیں اور کسی نے جو کہہ دیا کہ غالب کے پانو کا ورم اچھا ہو گیا اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔

بیس برس آگے یہ بات تھی کہ ابرو باراں میں یا پیش از طعام یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا اور شراب شبانہ معمولی میں مجرا نہ لیتا تھا(۱)۔ اس بیس برس میں بیس برساتیں ہوئیں۔ بڑے بڑے مینہ برسے۔ پینا ایک طرف دل میں بھی خیال نہ گزرا، بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے۔ پانو کا ورم حد سے زیادہ گزر گیا۔ مادہ تحلیل کے قابل نہ نکلا۔ کھولن شروع ہو گئی۔ حکما جو دو تین یہاں ہیں، ان کی رائے کے مطابق کل سے نیب کا بھرتا بندھے گا۔ وہ پکا لائے گا، تب اس کو پھوڑنے کی تدبیر کی جائے گی تلوا زخمی، پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامرد(۲) بے درد جھوٹا ہے تو اوس پر ہزار لعنت اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت ۱۲۔

(۱۰۱)

حضرت،

آپ کے سب خط پہنچے، سب قصیدے پہنچے۔ بعد اصلاح بھیج دیے گئے۔ ستر برس کی عمر، آلام روحانی، نہ میں کہوں، نہ کوئی باور کرے۔ امراض جسمانی میں کیا کلام ہے؟ بائیں پاؤں میں مہینہ بھر سے ورم ہے۔ کھڑے

---

(۱) گویا ۱۸۴۳ء تک یہ حالت تھی کہ رات کے وقت پینے کا جو پیمانہ مقرر کر رکھا تھا، اس کے مطابق التزاماً پیتے تھے۔ اس کے علاوہ ابر و باراں میں یا دوپہر کے کھانے سے پیشتر یا شام کے قریب تین تین پیگ پی جاتے تھے۔ پھر دن کی شراب بالکل چھوڑ دی اور شراب شبینہ کی مقدار بھی گھٹا دی۔

(۲) جس نے تفتہ کو بتایا تھا کہ میرزا کے پاؤں کا ورم اچھا ہو گیا ہے اور اب وہ دن کو بھی شراب پیتے ہیں۔

ہونے میں رگیں پھٹنے لگتی ہیں ۔ افعال دماغ ناقص ہو گئے ۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں ۔ قصہ مختصر، ایک قصیدہ سابق کا اور ایک کل کا آیا ہوا، یہ دونوں ایک لفافے میں آج روانہ کرتا ہوں ۔

جمعہ ۳- جولائی ۱۸۶۳ء غالب

(۱۰۲)

مرزا تفتہ،

یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں ہو۔ بڑی قباحت یہ کہ ''اعم،، بہ تشدید لفظ عربی ہے :

دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم است

مگر بحر اور ہو جاتی ہے ۔ مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو۔ کاف کے اسقاط کی کیا توجیہہ کرو گے ؟ اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے ۔ ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے قصائد لکھنے کو کہا تھا، اب ہم منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کرو۔ مدح ، بہ شرط ضرورت لکھو، مگر بہ فکر و غور ۱۲۔ غالب

(۱۰۳)

سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں ''بروے استادن رنگ،، کو کہاں سے سمجھتا ؟ :

بہ از من نصیحت گرے بایدت
نہ دانم پس از من چہ پیش آیدت

میں نے جو لکھا کہ میں اچھا ہوں، اوس کو آپ سچ سمجھ کر خدا کا شکر بجا لائے۔ وہ جو میں نے لکھا تھا کہ شدت مرض کا بیان مبالغۂ شاعرانہ ہے، اوس کو بھی آپ نے سچ جانا ہوگا، حال آنکہ یہ دونوں کلمے از راہ طنز تھے ۔ میں جھوٹ سے بیزار ہوں اور جھوٹے کو ملعون جانتا ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب تم نے کسی طرح بیان واقعی کو باور نہ کیا تو

میں نے تمہیں لکھ بھیجا کہ اچھا ہوں اور یہ کلمہ تمہیں میں نے جب لکھا ہے کہ عہد کر لیا ہے کہ جب تک دم میں دم اور ہاتھ میں جنبش قلم ہے، جب تک موقع اصلاح خیال میں آ سکتا ہے، آج جو تمہارا دفتر(۱) پہنچے گا، اوس کو کل روانہ کر دیا کروں گا۔

مجملاً حال میرا یہ ہے کہ قریب بہ مرگ ہوں۔ دونوں ہاتوں میں پھوڑے، پانو میں ورم۔ نہ وہ اچھے ہوتے ہیں نہ یہ رفع ہوتا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا۔ لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ کل تمہارا دو ورقہ آیا۔ آج صبح کو لیٹے لیٹے اوس کو دیکھ کر تمہیں بھجوایا۔ زنہار تم مجھے تندرست سمجھے جاؤ اور دفتر کے دفتر بھیجتے رہو۔ ایک دن سے زیادہ توقف نہ کروں گا۔ قریب مرگ ہوں تو بلا سے۔

صبح پنجشنبہ ۲۳- جولائی ۱۸۶۳ء غالب

(۱۰۴)

''انگشتری،، اور ''خاتم،، دونوں ایک ہیں۔ تم نے ''خاتم،، بمعنی ''نگین ،، باندھا، یہ غلط۔

''جنس وفائے کس مخر،، کیا ترکیب ہے؟ ''جنس کس مخر وفا،، البتہ درست ہے درست ہے۔ نظر اول میں بہ سبب تکدر حواس اور کثرت درد ورم پاکے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔ ۱۲

یہ خط لکھ کر بند کر رکھا تھا کہ کل صبح روانہ کروں گا۔ چشم بد دور! آج اسی وقت کہ دو گھڑی دن ہے، آپ کا نوازش نامہ پہنچا، وہ سرا جو میں نے خالی چھوڑ دیا ہے، اس کو کتر کر ، یہ سطریں لکھ کر، پھر بند کرتا ہوں:

---

(۱) تفتہ بہت پڑ گو تھے۔ ان کے اشعار کا اندازہ ساٹھ ستر ہزار سے کم نہیں سمجھا جاتا ۔ میرزا کے کمال جزئیات نگاری کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ مکتوب الیہ کی پر گوئی کا پہلو ابھارنے کے لیے لفظ ''دفتر،، استعمال کیا ۔ عام حالات میں یہاں ''کاغذات،، کافی تھا ۔

سبحان‌اللہ :

”دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم ست ایں،،

اس کا وزن کب درست ہے؟ کیا فرماتے ہو؟ غور کرو، بعد غور کے اس کی ناموزونی کا خود اقرار کرو گے۔

شرف قزوینی کے مطلع میں ”ساغر غم در کشیدہ ایم،، ”دم در کشیدہ ایم،، دوسرے شعر میں :

”پیمانہ ہاے زہر ستم در کشیدہ ایم،،

”در کشیدن،، کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ؟ اگر ”زہر در کشیدن،، جائز ہوتا تو وہ ”سم،، کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا؟ تیسرے شعر میں ”قلم در کشیدن،، ہے۔ چوتھے شعر میں ”آب در کشیدن،، ہے۔ پانچویں میں ”سر در کشیدن،، ہے۔ کیا زہر پانی ہے؟ اگر مثل زہراب ہوتا تو روا تھا۔

سبحان‌اللہ! یہ عبارت، چہ جائیکہ شرف قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر در کشید،،۔ اے برادر، شرف زہر کجا در کشید، بلکہ پیمانۂ زہر در کشید ۔ شما ہم ساغر سم در کشید۔ سم در کشیدن کجا و پیمانۂ غم در کشیدن کجا۔ ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر رہنے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا ؟ چاہو یوں کر دو :

دانی من و دل آنچہ بہم در کشیدہ ایم
در یک نفس دو ساغر سم در کشیدہ ایم

سبحان‌اللہ! تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر ہوں، جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو :

گماں زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ ، ولے بد تر از گماں تو نیست

خیر، شرف قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو ۱۲ غالب ۱۲

میں ایسا جانتا ہوں کہ ''دراعہ'' بہ تشدید ہے اور ''درع'' بوزن ''زرع'' اور لغت ہے۔

صاحب، یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے۔ کیا کہنا ہے۔ ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی ایسی بات آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

ایک قصیدہ اصلاح دے کر بھیج چکا ہوں اور اوسی ورق پر فلانے صاحب کے باب میں تم کو ایک نصیحت کر چکا ہوں۔ اودھر کے جواب کا ہر گز خیال نہ رکھو اور ادھر سے اگر قصیدے کے ارسال میں دیر ہوا کرے، تو گھبرایا نہ کرو۔ اب میرے پاس دو قصیدے ہیں۔ ایک ''لشکر بر آورم'' اور ایک کل آیا ہے ''بر جا ماند'' و ''دریا ماند''۔

خوب کہی کہ ''مضمون سے پہلے ممدوح ڈھونڈھنا پڑھتا ہے۔ اگر میں تم کو ممدوح بتا سکتا تو قصیدہ اوس کے نام کا تم سے منگوا چکا ہوتا اور اوس ممدوح تک پہنچا چکا ہوتا۔ بھائی، ایک دقیقہ ہے کہ لکھنے کے قابل نہیں ہاں ملاقات ہونے پر کہہ سکتا ہوں۔ اللہ اللہ!

(جولائی ۱۸۶۳ء) غالب

(۱۰۵)

صاحب،

''گوہر را''، ''خاور را''، یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔ ہم نے اصلاح دے کر تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ جب تم صاف کر کے بھیجوگے، ہم تمہارے ممدوح کو دے دیں گے۔ کل تمہارا قصیدہ پہنچا۔ ہم نے دوپہر کو دیکھ کر درست کیا۔ آج پنجشنبہ ۱۲۔ ستمبر کو ڈاک میں بھجوا دیا۔

صاحب، آج میر بادشاہ آئے۔ تمہاری خیرو عافیت اون کی زبانی معلوم ہوئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے اور مجھ کو تمہارے خوش رکھنے کی توفیق دے۔ ممدوح کا نام کیا لکھوں؟ بات اسی قدر ہے کہ رام پور میں کوئی صورت کسی طرح بنتی نظر نہیں آتی، ورنہ کیا تمہارا قصیدہ وہاں نہ بھجواتا؟

''دراعه،، کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعرا اوس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدیؒ کے مصرع سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ ''دراعه،، بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے ''جاده،، اور ''دراعه،، دونوں عربی لغت ہیں۔ وہ دال کی تشدید سے اور وہ رے کی تشدید سے۔ مگر خیر ''جاده،، ''دراعه،، بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ دراعہ ہرگز نہیں ہے، یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔

۱۲- ستمبر ۱۸۶۳ء　　　　　　　　　　غالب

(۱۰۶)

بھائی صاحب،

''کشیدن،، کی جگہ ''در کشیدن،، بلکہ ''بر کشیدن،، کی جگہ ''در کشیدن،، نہ چاہئیے۔ ''بر آمدن،، و ''در آمدن،، کا استعمال بعض متاخرین نے عام کر دیا ہے، یعنی ''درآید،، سے ''برآید،، کے معنی لیے ہیں، لیکن ''در کشیدن،، اور ہے اور ''برکشیدن،، اور۔

میں قریب بہ مرگ ہوں۔ کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے۔ باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ دوست جو روز آتے ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اشعار اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے، سب کو منع کر دیا۔ ایک رئیس رام پور اور ایک تم، ان کی اصلاح رہ گئی ہے۔

غالب

(۱۰۷)

لا حول ولا قوۃ، کس ملعون نے بہ سبب ذوق شعر، اشعار کی اصلاح منظور رکھی؟ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے بیزار۔ میں نے تو بطریق ''قہر درویش بہ جان درویش،، لکھا تھا، جیسے اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بھرنا اختیار کر لیتی ہے، میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے۔

(۱۰۸)

نور چشم غالب از خود رفته، مرزا تفته ،

خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے۔ نہ دوست بخیل، نہ میں کاذب۔ مگر بقول میر تقی :

اتفاقات ھیں زمانے کے

بہ ہر حال کچھ تدبیر کی جائے گی اور ان شاءاللہ صورت وقوع جلد نظر آئے گی۔ تعجب ہے کہ اس سفر میں کچھ فائدہ نہ ہوا :

یا کرم خود نماند در عالم

یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد

اغنیاے دہر کی مدح سرائی موقوف کرو۔ اشعار عاشقانہ بطریق غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔

سہ شنبہ، ۲۴- نومبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب غالب

(۱۰۹)

صاحب:

کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ "پارسل ہے، خط نہیں"، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمت‌گار نا خواندہ آدمی، اس کا حکم بجا لایا اور اوس کو خطوں کے صندوق میں ڈال دیا۔ وہ لفظ کہ "یہ خط نہیں ہے پارسل ہے"، دست آویز معقول ہے اگر وہاں کے ڈاکیے تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملے کے ذریعے سے گفتگو کر لینا۔

مکان میرے گھر کے قریب، حکیم محمود خاں کے گھر کے نزدیک، عطار بھی پاس، بازار بھی قریب۔ ڈھائی روپے کرایے کو موجود، مگر مالک مکان سے

یہ وعدہ کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دوں گا۔ بعد ایک ہفتے کے اگر تمہارا مسافر نہ آیا تو مجھے اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے۔

رام پور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ نہ میں والی رام پور کو لکھ سکتا ہوں، نہ اوس کے لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر ریل میں بیٹھ کر آؤ گے، تو زبانی کہہ دوں گا۔

سہ شنبہ، ۳- ربیع الثانی (۱۲۸۱ھ) غالب

(۵- ستمبر ۱۸۶۴ء)

(۱۱۰)

بھائی،

تم سچ کہتے ہو کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرایے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا۔ شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت، دن میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہہ نکلیں۔ بالا خانے کا جو دالان میرے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، جینے مرنے کا محل ہے۔ اگر چہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی۔ کہیں لگن، کہیں چلمچی، کہیں اگالدان رکھ دیا۔ قلمدان، کتابیں اٹھا کر توشے خانے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب نجات ہوئی۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائیں گے۔

میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیرو عافیت اون سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ برسوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات اون سے ہوئی ہے۔ ابھی یہیں

رهیں گے۔ بیمار ہیں۔ احسن‌اللہ خاں معالج ہیں۔ فصد ہو چکی ہے۔ جونکیں لگ چکی ہیں۔ اب مسہل کی فکر ہے۔ سوا اس کے سب طرح کی خیرو عافیت ہے۔ میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں، گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا، تکلف کی ملاقات کا آ جائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں۔ لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ اللہ!

صبح جمعہ ۱۴۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۴ء غالب

(۱۱۱)

منشی صاحب،

میں سال گذشتہ بیمار تھا۔ بیماری میں خدمت احباب سے مقصر نہیں رہا۔ اب مردہ ہوں۔ مردہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔ کمشنر و ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام شہر سے ترک ملاقات ہے، مگر ڈپٹی کلکٹر شہر سے کہ وہ مہتمم خزانہ ہے، ہر مہینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے۔ اگر نہ ملوں تو مختار کار کو تنخواہ نہ ملے۔ ڈکرودر صاحب ڈپٹی کلکٹر چھ مہینے کی رخصت لے کر پہاڑ پر گئے، ان کی جگہ ریٹی گن صاحب مقرر ہوئے۔ اون سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعرا ے ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی انہوں نے مدد چاہی۔ میں نے سات کتابیں بھائی ضیاءالدین خاں صاحب سے مستعار لے کر اون کے پاس بھیج دیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعرا کو تو اچھی طرح جانتا ہے اون کا حال لکھ بھیج۔ میں نے سولہ آدمی لکھ بھیجے، بقید اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس سواد کی صورت یہ ہے: نواب ضیاالدین احمد خاں بہادر رئیس لوھارو، فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے ہیں، اسداللہ خاں غالب کے شاگرد۔ نواب مصطفیٰ خاں بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اردو میں مومن خاں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ منشی ہر گوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے، فارسی شعر کہتے ہیں تفتہ تخلص کرتے ہیں، اسداللہ خاں غالب کے شاگرد۔ ظاھرا، بعد اس فہرست کے بھیجنے کے انہوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا ہوگا۔ پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں۔ تمہارے خط کی رو سے میں نے اطلاع پائی۔

اب میں مولوی مظہر الحق ان کے منشی کو بلواؤں گا اور سب حال معلوم کروں گا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائے گا۔ صرف شاعر کا اور اوس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن و وطن کا نام مع تخلص درج ہوگا۔ خدا کرے کچھ تم کو فائدہ ہو جائے۔ ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔ ریٹی گن صاحب اب عدالت خفیفہ کے جج ہو گئے۔ ڈکرودر صاحب بہادر پہاڑ سے آ گئے، اپنا کام کرنے لگے۔ ریٹی گن صاحب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا رہے۔ معہزا جاڑے کا موسم بڑھاپے کا عالم، وہاں تک جانا دشوار اور پھر کوئی مطلب نکلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بہ ہر حال مولوی مظہرالحق پرسوں یکشنبہ کے دن میرے پاس آئیں گے۔ حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا تو ضرور جاؤں گا۔

روز جمعہ ۹۔ دسمبر ۱۸۶۴ء غالب

(۱۱۲)

آؤ مرزا تفتہ، میرے گلے لگ جاؤ اور میری حقیقت سنو۔ یک شنبہ کو مولوی مظہرالحق آئے تھے۔ اون سے سب حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو اون کے بھائی مولوی انوارالحق نے بموجب حکم ریٹی گن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دونوں دیوان تمہارے اور نشتر عشق اور ایک تذکرہ یہ چار کتابیں تمہاری بھیجی ہوئی اون کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمہارے معتقد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں، اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا کہ پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس التفات کا یہ کہ تمہارا ذکر بہت اچھی طرح لکھیں گے۔ باقی بخبر شما بسلامت۔ ہاں اون کے تحت میں پندرہ بیس روپے مشاہرے کے علاقے ہیں۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو اس امر میں اون سے کلام کروں۔

میرا عجب حال ہے، حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا ؟

گمان زیست بود بر منت ز بیدردی
بدست مرگ ولے بد ترا از گمان تو نیست

سامعہ مر گیا تھا، اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا ۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں، سب مضمحل ہیں۔ حواس سراسر مختل ہیں ۔ حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی ۔ رئیس رام پور سو روپیے مہینا دیتے ہیں۔ سال گذشتہ اون کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا ۔ متوقع ہوں کہ اس خدمت سے معاف رہوں، جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے ، عوض خدمات سابقہ میں شمار کیجیے تو میں ''سکہ لمبر،، سہی ورنہ خیرات خوار سہی اور اگر یہ عطیہ بہ شرط خدمت ہے تو جو آپ کی مرضی ہے، وہی میری قسمت ہے۔ برس دن سے اون کا کلام نہیں آتا ۔ فتوح مقرری نومبر تک آئی ۔ اب دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے ۔ آج تک نواب صاحب از راہ جوانمردی دیے جاتے ہیں اور بھائی تمہاری مشق ، چشم بد دور، صاف ہو گئی۔ رطب و یابس تمہارے کلام میں نہیں رہا اور اگر خواہی نخواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے، تو میری بان میرے بعد کیا کروگے ؟ میں تو چراغ دم صبح و آفتاب سر کوہ ہوں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱۴- رجب (۱۲۸۱ھ مطابق ۱۴- دسمبر ۱۸۶۴ء)

نجات کا طالب ، غالب

(۱۱۳)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال صاحب سلمہ‌اللہ تعالیٰ۔ غالب کی دعاے درویشانہ قبول کریں ۔ ہم آپ کو سکندر آباد ''قانونگویوں،، کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں اور آپ لکھنئو راجہ مان سنگھ کی حویلی،

مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مداریه(۱) حقه لکھنئو کا پی رہے ہیں اور منشی نول کشور صاحب سے باتیں کر رہے ہیں ۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا ۔ آج یکشنبه ہے، اخبار کا لفافه ابھی تک نہیں پہنچا ۔ ہر ہفتے کو پنجشنبه حد جمعه کو پہنچتا تھا ۔

مرزا تفته کیا فرماتے ہو؟ کیسے ریٹی گن صاحب، کہاں ریٹی گن صاحب! پنجشنبه کے دن ۱۹- جنوری سنهٔ حال کو وہ پنجاب کو گئے۔ ملتان یا پشاور کے ضلعے میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں ۔ اپنی ناتوانی کے سبب اون کی ملاقات تودیع کو نہیں گیا ۔ انوارالحق گھاٹ پر نوکر ہیں ۔ پندرہ روپے مشاہرہ پاتے ہیں ۔ زیادہ، زیادہ ۔

صبح یک شنبه ۱۲- فروری ۱۸۶۵ء نجات کا طالب ، غالب

(۱۱۳)

صاحب،

واقعی ''سداب،،(۲) کا ذکر کتب طبی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا، اس واسطے کاٹ دیا ۔ قراب(۳) کونسا لفظ غریب ہے ، جس کو اس طرح پوچھتے ہو؟ خاقانی کے کلام میں اور اساتذه کے کلام میں ہزار جگه آیا ہے قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں ۔ غالب

---

(۱) ادنی درجے کا حقه جس کی نے سیدھی ہو۔
(۲) پودینے جیسی ایک بوٹی جسے ہندی میں تلی کہتے ہیں ۔ یه اسقاط یا بانجھ پن کے لیے استعمال کرائی جاتی ہے ۔ بظاہر عرفی کا یه شعر پیش نظر تھا ۔

سی سال ز نفس معصیت زا
اکنوں دہدش سداب توبه

(۳) تلوار کا میان ۔ عرفی :

صد فوج گز کشد به یک دم
چوں تیغ کشد قراب توبه

حضرت، اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بت خانہ تین قافیے اصلی ہیں
''دیوانہ،، چونکہ علم قرار پا کر ایک لغت جداگانہ مشخص ہو گیا
ہے، اس کو بھی قافیہ اصلی سمجھ لیجیے۔ باقی ''غلامانہ،، و ''مستانہ،، و
''مردانہ،، و ''ترکانہ،، و ''دلیرانہ،، و ''شکرانہ،، سب ناجائز، نامستحسن۔
ایطا(۱) اور ایطا بھی قبیح۔ مجھے بہت تعجب ہے کہ انہیں قافیوں میں
ایطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں اور پھر تم نے غزل مبنی انہیں قوافی پر رکھی۔
''کاشانہ،، و ''شانہ،، و ''افسانہ،، و ''جانانہ،، و ''فرزانہ،، یہ قافیے کیوں
کیوں ترک کیے؟ یاد رہے۔ ساری غزل میں مردانہ یا مستانہ یا ان کے
نظائر میں سے ایک جگہ آوے، دوسری بیت میں زنہار نہ آوے۔ یہ
غزل نظری(۲) ہو گئی۔ اور(۳) غزل لکھ کر بھیجو تا اصلاح دی جائے۔

عفو کا طالب، غالب

(۱۱۶)

مرزا تفتہ

پیر شو، بیا موز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو، لیکن جس کو تم
تحقیقات کہتے ہو، وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہو، وہ قیاس
کہیں مطابق واقع ہوتا ہے، کہیں خلاف۔ عرفی کہتا ہے:

روح را ناشتا فرستادی

یعنی روح کو بھوکا بھیجا۔ ''ناشتا،، اس کو کہتے ہیں، جس نے کچھ
کھایا نہ ہو۔ ہندی اس کی ''نہارمنہ،،۔
تم لکھتے ہو:

---

(۱) لغوی معنی پامال کرنا۔ اصطلاحاً شعر کے دو مصرعوں یا نظم کے دو
شعروں میں قافیے کا مکرر لانا ۔ اس کی دو قسمیں ہیں: اول ایطائے خفی
یعنی قافیوں میں تکرار کی طرف ذہن فوراً منتقل نہ ہو۔ مطلب یہ کہ
تکرار ظاہر نہ ہو۔ جیسے آب، تیزاب یا گلاب۔ دوم ایطائے جلی
جسے میرزا نے ایطائے قبیح قرار دیا یعنی تکرار بالکل ظاہر و نمایاں ہو۔
جیسے گریاں و خنداں۔ ستمگر و افسوں گر یا زیر غور لفظوں میں یعنی پمانہ،
شکرانہ، دیوانہ۔

(۲) نا پسند و نا منظور۔ (۳) اور بہ معنی دوسری۔

''کہ عجب ناشتا فرستادی،،

یعنی غذاے صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے، اس نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں؟ واقف کہتا ہے:

نے محرم قفس، نہ بہ دام آشنا شدیم
نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

یہ بھی ہندی کی فارسی ہے ''بری گھڑی،، ''شبھ گھڑی،، اھل زبان ایسے موقع پر ''طالع،، لکھتے ھیں:

نفریں کنیم طالع پرواز خویش را

قتیل کہتا ہے:

یک وجب جاے بہ کوے تو ز خوں پاک نہ بود
کشتہ بر کشتہ تپاں بود، دگر خاک نہ بود

یہاں ''ھیچ نبود،، کا محل ہے۔ ہندی میں ''کچھ نہیں،، کی جگہ ''خاک نہیں،، بولتے ھیں اور پھر صاحب ''برھان قاطع،، کا کیا ذکر کرتے ہو! وہ تو ھر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زیر، زبر، پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے۔ جس لغت کو کاف عربی سے لکھے گا، کاف فارسی سے بھی بیان کرے گا جس لفظ کو طاے حطی سے لائے گا، تاے قرشت سے بھی ضرور لکھے گا۔ فضلاے کلکتہ کے حاشیے دیکھو کہ وہ اس کی کیا تحمیق کرتے ھیں۔

''نبیا،، نبوت کے مشتقات میں سے ھر گز نہیں۔ ''امامن،، امام کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف ''نبیا،، اور امام کا متعلق اگر مذکر ہے تو ''امامی،، اور اگر مونث ہے تو ''امامن،،۔ طغرا(۱) نے ہندی لغت کے لانے کا التزام کیا ہے۔:

(۱) طغرا مشہدی۔ ہندوستان آیا تو شہزادہ مراد بخش بن شاھجہاں کے پاس رھا۔ نثر میں خاص شہرت حاصل کی، پھر کشمیر میں مقیم ھو گیا اور وھیں وفات پائی۔

اور(۱) اساتذہ کو اس کا التزام منظور نہیں، مگر کیا کریں؟ گڑگانواں نام ھے ایک گانو کا، اس کو کیوں کر بدلیں؟ ھاں ''گر،، بہ رائے قرشت کہیں گے۔ لکھنئو نام ھے ایک شہر کا، وہ لکنئو بغیر ھائے مخلوط کے کہیں گے۔ فی زماننا چھاپے کو چاپ بولتے ھیں۔ عرفی جھکڑ کو ''جکر،، بولتا ھے:

آں باد کہ در ھند گر آید جکر آید

رائے ثقیلہ، ھائے مخلوط، تشدید، یہ تینوں ثقالتیں مٹا دیں۔ صاحب ''برھان قاطع،، اس لفظ کو فارسی بتاتا ھے اور زبان علمی اھل ھند میں بھی اس کو مشترک جانتا ھے۔ اپنے کو رسوا اور خلق کو گمراہ کرتا ھے:

ھر زہ مشتاب و پئے جادہ شناساں بردار

اے کہ در راہ سخن چوں تو ھزار آمدو رفت

اھل ھند میں سوائے خسرو دھلوی کے کوئی مسلم‌الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ھے فرھنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ھے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا، وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ھوئی فرھنگ ھو تو ھم اس کو مانیں۔ ھندیوں کو کیوں کر مسلم‌النبوت جانیں ؟ گائے کا بچہ بہ زور سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا، بنی اسرائیل اس کو خدا سمجھے۔ یہ جھگڑے قصے جانے دو۔

دو باتیں سنو۔ ایک تو یہ کہ ارغنون کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔ در اصل ارغنون بغین مفتوح اور مخفف اس کا ارغن اور مبدل منہ ارگن ھے۔ دوسرے یہ کہ جب موسوی خاں (۲) نے ایوائے کو ایوا لکھا، تو اس لفظ کی صحت میں کچھ تامل نہ رھا۔

---

(۱) بہ معنی دوسرے اساتذہ۔

(۲) میر معز سادات موسوی میں سے تھا۔ موسوی خاں خطاب پایا، عالمگیری منصب داروں میں سے تھا۔ مدت تک بہار میں دیوانی کی خدمت پر مامور رھا۔ فطرت تخلص تھا ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء میں فوت ھوا۔

رام پور سے اپریل کے مہینے کا روپیہ اور تعزیت و ہنیت کے خط کا جواب آ گیا، آیندہ جو خدا چاہے۔

ا یک شنبہ ۱۴- مئی ۱۸۶۵ء　　　　غالب

(۱۱۷)

صاحب،

تم نے ''تن تن،، کا ذکر کیوں کیا؟ میں نے اس باب میں کچھ نہ لکھا تھا۔ ''تن تن،، اور ''تننا،، اصوات ہیں تار کے، ہندی اور فارسی میں مشترک۔ ''نبیا،، اور ''امامن،، کے لکھنے کو میں نے منع ہر گز نہیں کیا۔ شوق سے لکھو۔ یہ تم کو سمجھایا تھا کہ ''نبیا،، مخفف ''نبی بخش،، اور ''امامن،، متعلق بہ ''امام،، ہے۔ مشتقات میں اس کو تصور نہ کرو۔ قاعدہ دانان اشتقاق تم پر ہنسیں گے۔

ایوائے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں، سب مانع ہیں ''ایوا،، کے اور سند ''ایوائے،، کی۔ موسوی خاں نے بحسب ضرورت شعر ''ایوا،، لکھا۔ ''تہمتن،، بروزن ''قلمزن،، ہے۔ فردوسی نے سو جگہ شاھنامے میں ''تہمتن،، بسکون ھائے ہوز لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پا گئیں؟ لا حول ولا قوۃ۔ لغت وہی بحرکت ھائے ہوز ہے ۱۲

میں نے کس قدر کلام کو طول دیا۔ صائب کے شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی۔ تم نے ہر گز اعتناٗ نہ کیا۔ ''ایوا،، کو الگ سمجھے۔ ''مصیبتاہ،، کو جدا سمجھے۔ بھلا میرے قول کو گوزشتر سمجھتے ہو؟ ذرا ''مصیبتاہ،، یا ''حسرتاہ،، برہان قاطع میں یا ''بہار عجم،، میں ہم کو دکھا دو۔ وہی ''وائے،، ہے کہ جب اس کے بعد ''مصیبتا،، یا ''حسرتا،، یا ''ویلا،، آتا ہے، تو تحتانی کو حذف کر کے ''واویلا،، وغیرہ لکھتے ہیں۔ چاھو ''اے واویلا،، لکھو، چاھو آخر میں ھائے ہوز لکھو، جیسا کہ ''وا مصیبتاہ،،۔ چاھو بے ھائے ہوز ''وا مصیبتا،، اور یہی حال ہے ''حسرت،، و ''درد،، و ''اسف،، و ''دریغ،، کا۔ جہاں ''اے،، کے ساتھ وا مصیبتا پاؤ، وہاں ''اے،، کے حرف کو ندا، اور منادی یعنی ہمنشیں اور ہمدم کو مقدر

سمجھو۔ فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دیکھیں، اپنا قیاس دوڑا کر اس کی حقیقت ٹھہرا لی۔ کہیں اون کا قیاس غلط، کہیں صحیح۔ سو اون میں یہ ''دکنی،، ایسا کج فہم ہے کہ اس کا قیاس سو (۱۰۰) لغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے تو صاف لکھ دیا تھا کہ موسوی خان کے شعر کی سند پر ''ایوا،، کو رہنے دو، مگر صائب کے شعر میں ''ایوا،، کو الگ اور ''مصیبتاہ،، کو جدا نہ سمجھو۔ تمھارے قیاس نے پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ''ایوا،، لکھا ہے۔

نجات کا طالب، غالب

(۱۱۸)

دل بسے داغدار بود، نماند
در نظر ہا بہار بود، نماند

اگر بود کے آگے واو کو موقوف اور محذوف کر دوگے تو ہمارے نزدیک کلام سراسر بلیغ ہو جائے گا(۱) ۔ میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے، شاید بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی اور بسبب خلاف شرع کرنے کے پیمبر سے بھی نہ ہوگی۔ مگر خدا جانتا ہے جو میرا حال ہے۔

مرگ ناگاہ کا طالب، غالب

(۱۱۹)

میاں،

سنو، اس قصیدے کا ممدوح شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے، جیسے ہم تم اپنے اپنے مسائل دینی سے، بلکہ ہم تم باوجود عدم واقفیت امور دینی سے نفور نہیں اور وہ شخص اس فن سے بیزار ہے ۔ علاوہ اس کے وہ اتالیق کہاں؟ وہاں سے نکالے گئے ۔ دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ جب سے

(۱) تفتہ کا شعر بظاہر یوں تھا :

دل بسے داغدار، بود و نماند
در نظر ہا بہار بود و نماند

آئے ہیں ، ایک بار میرے پاس نہیں آئے۔ نہ میں اون کے پاس گیا۔ یہ لوگ اس لائق بھی نہیں کہ ان کا نام لیجے ، چہ جاے آنکہ مدح کیجیے۔ ہاے انوری :

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح
اے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

غالب

(۱۲۰)

میرے مہربان، میری جان، میرزا تفتہ سخندان،

تمہارا سکندرآباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ زندہ رہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا، بھیک مانگنے آیا ہوں (۱) ۔ روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا ، سرکار سے ملتی ہے ۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت۔

نواب صاحب (۲) از روے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق، آیت رحمت ہیں ۔ خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں ۔ جو شخص، دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے، اوس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپے سال غلے کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہل کار(۳) پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی ۔ خلاصہ عرضی کا سن لیا، واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بہ تقریب شادی صبینہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار مجھ پر نہیں کھلی۔ بھائی مصطفیٰ خاں (۴) صاحب بہ تقریب تہنیت مسند نشینی و شمول جشن آنے والے ہیں ۔ اس وقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع، ۵۔ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموع۔

دو شنبہ ۲۸- نومبر ۱۸۶۵ء بوقت چاشت نجات کا طالب غالب

---

(۱) یہ دوسرے سعیز رام پور کا مکتوب ہے۔ (۲) نواب کلب علی خاں والی رام پور۔ (۳) خان سامان علی بخش خاں، جو رئیس‌الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے جد امجد تھے۔ وفات ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء۔ (۴) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی۔

(۱۲۱)

لو صاحب،

کھچڑی کھائی، دن بہلائے
کپڑے پھائے، گھر کو آئے

۸- جنوری ماہ و سال حال، دوشنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا رام پور میں میں نے پایا۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مراد آباد میں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدرالصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ انہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت کی۔

کیوں ترک لباس کرتے ہو؟ پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا، جس کو اتار پھینکو گے؟ ترک لباس سے قید هستی مٹ نہ جائے گی۔ بغیر کھائے پیئے گزارا نہ ہوگا۔ سختی و سستی، رنج و آرام کو ہموار کر دو۔ جس طرح ہو، اسی صورت سے بہر صورت گزرنے دو۔

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

جنوری ۱۸۶۶ء | اس خط کی رسید کا طالب، غالب

(۱۲۲)

میرزا تفتہ صاحب،

پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا۔ تم سے پردا کیا ہے، ایک فتوح کا منتظر ہوں۔ اس میں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے۔ زمانہ فتوح کے آنے کا قریب آگیا ہے۔ ان شاءاللہ خط میرا مع حصۂ فتوح جلد پہنچے گا۔ پنڈت بدری داس ڈاک منشی کرنال با آنکہ مجھ سے، اوس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے، مگر میں جب جیتا تھا تو وہ اپنا کلام اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجتا تھا۔ بعد اپنے مرنے کے میں نے اس کو لکھ

بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہر گوپال تفتہ کے پاس بھیج دیا کرو۔ اب تم کو بھی لکھتا ہوں کہ تم میرے اس لکھنے کی ان کو اطلاع لکھو۔

میں زندہ ہوں۔ اوپر کے لمبر میں جو اپنے آپ کو مردہ لکھا ہے، وہ باعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے، ورنہ زندہ ہوں، مردہ نہیں۔ بیمار بھی نہیں۔ بوڑھا، ناتواں، مفلس، قرضدار، کانوں کا بہرا، قسمت کا بے بہرہ، زیست سے بیزار، مرگ کا امیدوار۔ غالب

(۱۲۳)

حضرت،

اس قصیدے کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ کیا کیا شعر نکالے ہیں، لیکن افسوس کہ بے محل اور بے جا ہے۔ اس مدح اور اس ممدوح کا بعینہ وہ حال ہے کہ ایک مزبلے(۱) پر سیب کا یا بہی کا درخت اگ جائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ دکان بے رونق کے خریدار ہو(۲) ۱۲

(۱۲۴)

میرزا تفتہ،

کیا کہنا ہے، نہ ظہیر کا پتا نہ غالب کا۔ مداح شایستہ صد ہزار آفریں اور ممدوح سزاوار صد نفریں (۳)۔

---

(۱) مزبلہ: کوڑا کرکٹ ڈالنے کا مقام۔

(۲) ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ تفتہ نے خود میرزا غالب کی مدح میں لکھا تھا۔ اسی لیے قصیدے کو کوڑے کرکٹ کے مقام پر سیب یا بہی کا درخت اگ جانے سے تشبیہ دی۔

(۳) یہ قصیدہ بھی غالب ہی کی مدح میں تھا۔

شیو نرائن آرام اکبرآبادی

آرام کے اجداد کا اصل وطن اجمیر تھا، مالک رام صاحب کا بیان ہے کہ آرام کا پردادا رائے اجاگر چند نقل وطن کر کے آگرے میں سکونت پذیر ہوا اور وہاں بنارس کے جلا وطن راجا، چیت سنگھ کی وزارت سنبھال لی۔ (تلانذۂ غالب ص ۲۱)۔

خود میرزا غالب آرام کو لکھتے ہیں :

تمہارے دادا کے والد، عہد نجف خان و ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم، خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی (خط ۴ بنام آرام)۔

ذوالفقارالدولہ نجف خاں کا انتقال اپریل ۱۷۸۲ء میں ہوا اور محمد بیگ ہمدانی لال سوت کی لڑائی میں مارا گیا (۱۷۸۷ء)۔ ممکن ہے ترک ملازمت کے بعد اجاگر چند نے چیت سنگھ کا کار و بار سنبھال لیا ہو۔

آرام کا دادا منشی بنسی دھر پولیس میں داروغہ رہا۔ پھر ناظر ہوا۔ بعد ازاں نمک کے محکمے میں سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا، آخر میں اسے شہر آگرہ کی کوتوالی پر مامور کیا گیا۔ مدت ملازمت پوری کر چکنے کے بعد بنسی دھر نے غلام حسین خاں کی جایداد کا انتظام سنبھال لیا (تلانذۂ غالب ص ۲۱)۔

میرزا فرماتے ہیں :

جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر، خاں صاحب (غلام حسین خان خاں) کے ساتھ ہیں اور انہوں نے جو کیتھم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو منشی بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اورمختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ (خط ۴ بنام آرام)۔

میرزا نے آرام کے دادا کو ''ناظر بنسی دھر،، لکھا ھے، اوس سے عہدۂ ناظر کی توثیق ھوتی ھے:

میرزا نے یہ بھی لکھا ھے:

تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ھے۔ علاقے مول لیے تھے اور زمیندارا اپنا کر لیا تھا، دس بارہ ہزار روپے کی سرکار کی، مالگزاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے ھاتھ آئے یا نہیں؟
(خط ۳ بنام آرام)۔

اس سلسلے میں ایک امر محل نظر معلوم ھوتا ھے یعنی داروغہ، ناظر، ، سپرنٹنڈنٹ اور کوتوال رھنے کے بعد خواجہ غلام حسین خاں کی جایداد کا انتظام سنبھالنا، جیسا کہ تلامذۂ غالب میں مرقوم ھے۔ اس وقت غالباً خواجہ غلام حسین خاں موجود ھی نہ ھوں گے۔

آرام کے والد منشی نند لال پہلے منصفی آگرہ میں ناظر رھے۔ پھر راجا جوتی پرشاد کی سرکار میں مختار عام مقرر ھوئے۔

آرام کی تاریخ پیدایش ۱۰- ستمبر ۱۸۳۳ء ھے۔ کم سنی میں والدہ کا انتقال ھو گیا اور آرام کی پرورش، منشی بنسی دھر (جد آرام) کے چھوٹے بھائی منشی کنہیا لال نے کی۔ یہ وھی کنہیا لال ھے، جس کے پاس میرزا غالب کے ابتدائی دور کی ایک اردو مثنوی پتنگ کے متعلق محفوظ تھی۔ مثنوی کے آخر میں فارسی کا ایک مشہور عام شعر لگا دیا گیا تھا یعنی:

رشتۂ در گرد نم افگندہ دوست
مے برد ھر جا کہ خاطر خواہ اوست

تعلیم مکمل کر لینے کے بعد آرام پینتیس روپے ماھوار پر انگریزی کا ٹیچر مقرر ھوا۔ پھر آبکاری، انکم ٹیکس، منصفی میں ملازمت کے بعد ایک سو روپے ماھوار پر چنگی کا سپرنٹنڈنٹ بن گیا۔ دھول پور اور قرولی میں بھی چنگی کے محکمے کی تنظیم کے لیے آرام کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا۔ پھر بلدیہ آگرہ کے سکرٹری کی حیثیت سے آرام نے نہایت شاندار خدمات انجام دیں۔ اسے

خلعت اور خوشنودی کے علاوہ رائے بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۸۹۸ء میں دو سو روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔ اسی سال ۴۔ ستمبر کو وفات پائی۔ اولاد میں سات بیٹیاں تھیں اور دو بیٹے، جو ڈپٹی کلکٹری کے عہدے تک پہنچے۔

آرام کو ہیئت و نجوم ، نقشہ نویسی ، نیز فوٹو گرافی میں بڑی اچھی دستگاہ تھی۔ ''مفیدالخلائق،، کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا ، جس میں میرزا کی دو کتابیں چھپیں ، اول دستنبو، دوم اردو دیوان۔ دو رسالے بھی چھاپے جاتے تھے: ''مفیدالخلائق،، ، ماہوار اور ''معیارالشعرا،، پانزدہ روزہ دونوں کی ایڈیٹری آرام ھی کے ذمے تھی، رسالہ ''بغاوت ھند،، بھی اسی مطبع میں چھپتا تھا، جس کا ایڈیٹر آرام کا دوست ڈاکٹر مکند لال تھا۔

میرزا غالب کے ننھالی خاندان سے آرام کے خاندان کا دیرینہ تعلق تھا۔ اس بناء پر آرام کو میرزا اپنا عزیز سمجھتے تھے۔ خط و کتابت کا آغاز اس وقت سے ھوا۔ جب تفتہ نے ''دستنبو،، مطبع ''مفیدالخلائق،، میں چھپنے کے لیے دی (اگست ۱۸۵۸ء) اور آخری خط مئی ۱۸۶۳ء کا ھے۔ معلوم ھوتا ھے کہ بعد کے خط تلف ھو گئے۔

(۱)

صاحب،

خط پہنچا، اخبار کا لفافہ پہنچا، لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی؟ لفافے بنانا، دل کا بہلانا ھے۔ بیکار آدمی کیا کرے؟ بہ ھر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے، ھم آپ کا شکر بجا لائیں گے(۱) :

ھر چہ از دوست می رسد ، نیکوست

یہاں آدمی کہاں ھے کہ اخبار کا خریدار ھو؟ مہاجن لوگ جو ، یہاں بستے ھیں، وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے ھیں کہ گیہوں کہاں سستے ھیں۔ بہت سخی ھوں گے

---

(۱) ظاھر ھے کہ آرام نے جب سنا، غالب ھاتھ سے لفافے بناتے ھیں تو اطلاع دی کہ میں لفافوں کا ایک بنڈل آپ کے لیے بھیج رھا ھوں۔ اسی کے جواب میں یہ سطریں تحریر فرمائیں۔

تو جنس پوری تول دیں گے، کاغذ روپے مہینے کا کیوں مول لیں گے(۱)؟ ۔

کل آپ کا خط آیا ۔ رات بھر میں نے فکر شعر میں خون جگر کھایا ۔ اکیس شعروں کا قصیدہ کہہ کر تمہارا حکم بجا لایا(۲) ۔ میرے دوست خصوصاً میرزا تفتہ جانتے ہیں کہ یہی فن تاریخ کو نہیں جانتا ۔ اس قصیدہ میں ایک روش خاص سے اظہار ۱۸۵۸ء کا کر دیا ہے ۔ خدا کرے تمہارے پسند آئے۔ تم خود قدردان سخن ہو اور تین استاد(۳) اس فن کے تمہارے یار ہیں، میری محنت کی داد مل جائے گی۔

ذرا ضغی

ملاذ(۴) کشور و لشکر، پناہ شہر و سپاہ
جناب عالی ایلن برون والا جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم، وہ سر فراز امیر
کہ باج(۵)، قاج سے لیتا ہے جس کا طرف کلاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ بہر اہل جہاں
نیابت دم عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
وہ عین عدل، کہ دہشت سے جس کی پرسش کی

---

(۱) میرزا کا کمال نگارش ان چند فقروں سے بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہے ۔ عبارت اتنی سلیس کہ معمولی اردو خواں کو بھی پڑھنے یا سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے، پھر ان فقروں میں مہاجنوں کی پوری سیرت کا خاکہ ایسے انداز میں پیش کر دیا ہے کہ اس سے بہتر اور موثر تر خاکہ ہو ھی نہیں سکتا ۔ یہ کہنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ آرام نے اخبار کے لیے خریدار مہیا کرنے کی استدعا کی ہوگی ، جس کے جواب میں یہ سطریں لکھی گئیں ۔

(۲) قصیدہ آرام نے میرزا سے لکھوا کر ایلن برون کی خدمت میں پیش کیا۔

(۳) تفتہ، مہر، اور حقیر۔ (۴) جائے پناہ ۔ (۵) خراج۔

بنے ہے شعلہٴ آتش انیس ہرۂ کاہ(۱)
زمیں سے سودۂ گوہر اٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسن حشمت کا اوس کے جولانگاہ(۲)
وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں: ''الٰہی شکر،،
وہ خشمگیں ہو، تو گردوں کہے، ''خدا کی پناہ
یہ اوس کے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش
کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہ ہر سر راہ
ہژ بر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا
کبھی جو ہوتی ہے الجھی ہوئی دم روباہ(۳)
نہ آفتاب، ولے آفتاب کا ہم چشم
نہ بادشاہ، ولے مرتبے میں ہمسر شاہ
خدا نے اوس کو دیا ایک خوب رو فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوے ماہ
زہے ستارۂ روشن کہ جو اسے دیکھے
شعاع مہر درخشاں ہو اس کا تار نگاہ
خدا سے ہے یہ توقع کہ عہد طفلی میں
بنے گا شرق سے تا غرب اس کا بازی گاہ
جوان ہو کے کرے گا یہ وہ جہاں بانی

---

(۱) وہ سرا پا عدل ہے اس کی باز پرس کا خوف ایسا ہے کہ آگ کا شعلہ گھاس کے تنکے کا رفیق و انیس بن گیا ہے اور اسے جلاتا نہیں۔
(۲) جہاں اس کی حشمت کا گھوڑا دوڑے وہاں زمین سے غبار کی جگہ موتیوں اور جواہرات کا سفوف اٹھے۔
(۳) جو چیزیں ایک دوسری کی ضد ہیں یا جن چیزوں میں باہم عداوت ہے ان میں ممدوح کے عدل سے ایسا میل جول پیدا ہو گیا اور دشت وکوہ کے اطراف میں ہر راستے پر یہ کیفیت نظر آئی کہ اگر کبھی لومڑی کی دم میں الجھاؤ پیدا ہو جائے تو اسے سلجھانے کے لیے شیر اپنے پنجے سے شانے کا کام لیتا ہے۔

که تابع اوس کے ہوں روز و شب و سپید و سیاہ(۱)
کہے گی خلق اوسے ''داور سپہر شکوہ''
لکھیں گے لوگ اوسے ''خسرو ستارہ سپاہ''
عطا کرے گا خداوند کارساز اوسے
روان روشن و خوے خوش و دل آگاہ
ملے گی اوس کو وہ عقل نہفتہ داں کہ اسے
پڑے نہ قطع خصومت میں احتیاج گواہ(۲)
یہ ترکتاز سے برہم کرے گا کشور روس
یہ لے گا بادشہ چیں سے چھین تخت و کلاہ
سنین عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھاون
یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ
یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جائیں
دراز اوس کی ہو عمر اس قدر، سخن کوتاہ
امیدوار عنایات شیو نارائن
کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ
تمھیں اور اوس کو سلامت رکھے اللہ اللہ

(۲)

شفیق میرے، مکرم میرے، منشی شیو نرائن صاحب،

تم ہزاروں برس سلامت رہو۔ تمھارا مہربانی نامہ اس وقت پہنچا اور میں نے اسی وقت جواب لکھا۔ بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ کتاب(۳) دو جزو یا چار جزو کی ہو۔ چھ جزو سے کم نہ ہو۔ مسطر دس گیارہ

---

(۱) منشی مہیش پرشاد نے آخری مصرع یوں پڑھا :

که تابع اس کے ہوں روز و شب ، سپید و سیاہ

میرے نزدیک ''روز و شب و سپید و سیاہ'' ہی مناسب ہے اور میرزا نے یونہی لکھا ہو گا یعنی دن رات بھی اس کے تابع ہوں اور سپید و سیاہ بھی۔

(۲) اسے چھپی ہوئی باتوں کا اندازہ کر لینے والی ایسی عقل عطا ہوگی کہ جب کوئی مقدمہ اس کے سامنے آئے گا تو فیصلہ کرتے وقت اسے گواہیاں لینے کی ضرورت نہ پڑے گی ۔ (۳) دستنبو ۔

سطر کا ہو، مگر حاشیہ تین طرف سے بڑا رہے، شیرازہ کی طرف کا کم ہو۔ یہ سب باتیں مرزا تفتہ کو لکھ چکا ہوں۔ اوس یار بے پروا نے تم سے شاید کچھ نہیں کہا۔ اس کے سوا یہ ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو۔ غلط نامہ کی حاجت نہ پڑے۔ آپ خود متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی شریک رہیں گے اور مرزا تفتہ تو مالک ہی ہیں۔ کاغذ ''شیو رام پوری،، ہو، خیر، مگر سفید اور مہرہ کیا ہوا اور لعاب دار ہو۔ پھر یہ کہ حاشیہ پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرز تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیہ کا قلم بہ نسبت متن کے قلم کے خفی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اون جلدوں میں سے دو جلدیں ولایت کو جائیں گی: ایک جناب فیض مآب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر اور ایک آقائے قدیم لارڈ الن برا بہادر کی نذر اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نذر کروں گا۔

میرزا تفتہ کو پانچ جلدوں کو لکھا تھا، لیکن اب چھ جلدیں تیار کر دیجیے گا، یعنی شیرازہ اور جدول اور ان چھ جلدوں کی جو لاگت پڑے، ایک روپیہ جلد سے لے کر دو روپے جلد تک، وہ مجھ سے منگوا بھیجیے گا۔ میں بہ مجرد طلب کے فوراً ہنڈوی بھیج دوں گا۔ ایک خریدار پچاس جلد کے وہاں پہنچے ہیں، واسطے خدا کے مرزا تفتہ سے کہیے کہ اون کو ملیں، یعنی راجہ امید سنگھ بہادر اندور والے۔ وہ ''چھلی اینٹ،، میں پولیس کے پچھواڑے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ کا خط آ گیا اور مرزا تفتہ نے مجھے پارسل کی رسید نہیں لکھی۔ اب میرا خط فارسی اپنے نام کا اور یہ خط دونوں اون کو دکھا دیجیے گا اور راجہ امید سنگھ سے ملنے کو کہیے گا اور ہاں صاحب یہ اون کو تاکید کیجیے گا کہ وہ رباعی جو میں نے لکھ بھیجی ہے اوس کو سب سے پہلے جہاں اوس کا نشان دیا ہے، اوسی فقرے کے آگے ضرور بالضرور لکھ دیجیے گا اور وہ رباعی بیسویں صفحہ میں اس فقرے کے آگے ہے:

"نے نے اختر بخت خسرو در بلندی بجاے رسید کہ رخ از خاکیاں نہفت"

تم اون کو یاد دلا کر اون سے لکھوا لینا، ضرور ضرور۔

یہ جو تم نے لکھا ہے کہ صاحب نے سن کر اس کو پسند کیا، میں حیران ہوں کہ کون سا مقام تم نے پڑھا ہوگا۔ کیوں کر کہوں کہ صاحب اس عبارت کو سمجھے ہوں گے؟ اس کی جو حقیقت ہو، مفصل لکھو۔ زیادہ، زیادہ(۱)۔ جواب طلب ضروری۔

سہ شنبہ ۳۱۔ ماہ اگست ۱۸۵۸ء راقم اسداللہ

(۳)

مہاراج!

سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہر گوپال صاحب نے مجھ کو خط لکھنا کیوں چھوڑا! اگر مجھ سے خفا ہیں تو کیوں خفا ہیں اور اگر شہر میں نہیں ہیں تو کہاں گئے اور کیوں گئے ہیں اور کب تک آئیں گے؟ آپ مہربانی فرما کر یہ امور مجھ کو لکھ بھیجیے۔ اس سے علاوہ ایک رباعی میرزا تفتہ کو بھیجی ہے اور اون کو لکھا ہے کہ اوس کو "دستنبو میں فلاں جگہ درج کر دینا اور ایک دو فقرے بھائی منشی نبی بخش صاحب کو لکھے ہیں اور اون کو بھی "دستنبو" میں لکھنے کا محل بتا دیا ہے۔ میں نہیں جانتا، اون دونوں صاحبوں نے میرے کہنے پر عمل کیا اور انہوں(۲) نے نظم کو اور انہوں(۳) نے نثر کو کتاب کے حاشیہ پر چڑھا دیا یا نہیں؟

---

(۱) اس خط میں ہدایات "دستنبو" کے چھاپے سے متعلق ہیں۔ صاحب کے اظہار پسند کا تعلق بھی "دستنبو" ہی سے ہے، غالباً آرام نے "دستنبو" کے بعض حصے ایلن برؤن کو سنائے تھے۔ اور اس کا ذکر اپنے خط میں کیا۔
(۲) تفتہ۔ (۳) منشی نبی بخش۔

تم سے بہ ہزار آرزو خواہش کرتا ہوں کہ اگر وہ رباعی اور وہ فقرے حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں تو مجھ کو اون کے لکھے جانے کی اطلاع دیجیے کہ تشویش رفع ہو اور اگر ان دونوں صاحبوں نے بے پروائی کی ہے تو واسطے خدا کے آپ میرزا تفتہ سے رباعی اور منشی نبی بخش صاحب سے دونوں فقرے لے لیجیے اور محل تحریر میرے خط سے معلوم کر کے اون کو جابجا حاشیے پر رقم کیجیے اور مجھ کو اطلاع دیجیے۔ ضرور ، ضرور، ضرور۔ ایک اور کام آپ کو کرنا چاہئیے کہ شاید تیسرے صفحے کے آخر میں یا چوتھے صفحے کے اول میں یہ فقرہ ہے :

''اگر در دم دیگر بہ نہیب مباش بہم زند''

''نہیب'' کا لفظ عربی ہے، یہ سہو سے لکھا گیا ہے، اس کو چھیل ڈالیے گا اور اس کی جگہ ''نوائے مباش'' بنا دیجیے گا۔

حقیقت لکھ کر اب سوالات الگ الگ لکھتا ہوں :

پہلا سوال : مرزا تفتہ کا حال اور اون کے خط نہ آنے کی وجہ لکھیے۔

دوسرا سوال : مرزا تفتہ نے اگر رباعی ''دستنبو'' کے حاشیے پر لکھ دی ہے تو اوس کی اطلاع ، ورنہ اون کے نام کے خط سے رباعی اور تحریر کا حال معلوم کر کے ، آپ حاشیے پر لکھ دیں اور مجھ کو اطلاع دیں۔

تیسرا سوال : منشی نبی بخش صاحب نے اگر میری بھیجی ہوئی نثر درج کر دی ہے تو اوس کی اطلاع ، ورنہ وہ نثر اون سے لے کر اور محل معلوم کر کے حاشیہ کتاب پر لکھ دیجیے اور مجھ کو لکھ بھیجیے۔

چوتھا سوال : آپ، جس طرح لکھ آیا ہوں، ''نہیب'' کی جگہ ''نوائے'' کا لفظ بنا کر مجھ پر عنایت کیجیے۔

پانچواں سوال : خریدار پچاس جلدوں کے پہنچے؟ میرزا تفتہ سے ملے؟ روپیہ پچاس جلدوں کی قیمت کا دیا؟ یا ہنوز یہ امور وقوع میں نہیں آئے؟ اس کی اطلاع ضرور دیجیے۔

چھٹا سوال : چھاپا شروع ہو گیا یا نہیں؟ اگر شروع نہیں ہوا تو کیا سبب؟
متوقع ہوں کہ میرے یہ سب کام از راہ عنایت بنا کر ان چھ سوالوں کا جواب اسی طرح جدا جدا لکھیے اور ضرور لکھیے اور جلد لکھیے۔
روز جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء۔ راقم اسداللہ خاں

(۴)

برخوردار منشی شیو نرائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو؟ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہ گار۔ تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھ سے سنو :

"تمہارے دادا کے والد(۱) عہد نجف خاں(۲) و ہمدانی(۳) میں میرے

---

(۱) رائے اجاگر چند۔

(۲) نجف خاں صفوی ایران کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس کی ہمشیرہ کی شادی صفدر جنگ نواب وزیر اودھ کے بھائی سے ہوئی تھی، اس تعلق کی وجہ سے خود بھی ہندوستان چلا آیا۔ پھر شاہ عالم ثانی کے پاس الہ آباد پہنچ گیا اور اسی کے ساتھ دہلی آیا۔ ۔ ذوالفقارالدولہ خطاب پایا۔ جنگ و سیاست دونوں میں یکساں ماہر تھا۔ اپریل ۱۸۸۲ء میں انتقال ہوا۔ مغلوں کے نامور اور قابل اعتماد امیروں میں سے وہ آخری تھا۔

(۳) ہمدانی سے مراد بظاہر محمد بیگ ہمدانی ہے۔ نجف خاں کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ افراسیاب خاں نام ایک لڑکے کو پال لیا تھا۔ ایک رشتہ دار مرزا شفیع اس کے پاس رہتا تھا۔ نجف خاں کی جانشینی کے سلسلے میں افراسیاب اور شفیع میں کشمکش شروع ہو گئی۔ آخر دونوں یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ اس کشمکش میں محمد بیگ ہمدانی اور اس کے بھتیجے اسماعیل بیگ نے نمایاں حصہ لیا۔ محمد بیگ لال سوت کی لڑائی میں مارا گیا (۱۷۸۷) اسماعیل بیگ ،، نے غلام قادر خاں روہیلے کی معیت اختیار کر لی۔

نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر، خاں صاحب(۱) کے ساتھ ہیں اور انہوں نے کیتھم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعوی کیا تو منشی بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے یا چھوٹے ہوں۔ انیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر ان کی۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔ چونکہ گھر ان کا بہت دور نہ تھا، اس واسطے جب چاہتے تھے، چلے جاتے تھے۔ بس ہمارے اور ان کے مکان میں مچھیارنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھمی سیٹھ (۲) نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اس نے ایک ''گھٹیا والی حویلی،، اور سلیم شاہ کے تکیہ کے پاس دوسری حویلی اور ''کالے محل،، سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اس کے آگے بڑھ کر ایک کٹرا کہ وہ گڈریوں والا کہلاتا تھا اور ایک کٹرا ''کشمیرن والا،، کہلاتا تھا۔ اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اڑاتا تھا اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔ واصل خاں نامے ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا اور کٹروں کا کرایہ اوگاہ کر ان کے پاس جمع کراتا تھا۔

---

(۱) خاں صاحب سے مراد خواجہ غلام حسین خاں ہیں یعنی میرزا غالب کے نانا۔

(۲) لکھمی چند یا لکشمی چند متھرا کا مشہور سیٹھ۔ (۱۸۱۰—۱۸۶۶ء) لکھمی چند اور اس کے دو بھائیوں، رادھا کرشن اور گوبند داس، نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کو گراں قدر امداد دی۔ انگریزی حکومت بحال ہونے پر سیٹھ کو رائے بہادر کا خطاب نیز سولہ ہزار کی جاگیر دے دی گئی۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا، رگھو ناتھ داس۔

بھائی، تم سنو تو سہی، تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ہے۔ علاقے مول لیے تھے اور زمیندارا اپنا کر لیا تھا، دس بارہ ہزار روپے کی سرکار کی مالگزاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے ہاتھ آئے یا نہیں؟ اس کا حال از روے تفصیل جلد مجھ کو لکھو۔

روز سہ شنبہ ۱۹- اکتوبر وقت ورود خط (۱۸۵۸ء) اسداللہ

(۵)

برخوردار اقبال نشان منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ تمہارے دو خط متواتر پہنچے۔ میرے بھی دو خط پس و پیش ہوں پہنچے گے۔ موافق اس تحریر کے عمل کیا ہوگا۔ دو جلدیں پر تکلف اور پانچ جلدیں بہ نسبت اس کے کم تکلف مرزا حاتم علی صاحب کے عہدۂ اہتمام میں ہیں۔ اس سے ہم کو اور تم کو کچھ کام نہیں، وہ جیسی چاہیں بنوا کر بھیج دیں۔ تم ایک جلد، بس۔ زیادہ صرف کیوں کرو؟ اپنے طور پر، اپنی طرف سے جیسی چاہو بنوا کر بھیج دو۔ میں تم کو اپنے پیارے ناظر بنسی دھر کی نشانی جانتا ہوں۔ اس کو تمہاری نشانی جان کر اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ باقی حال اپنے خاندان اور تمہارے خاندان کا اور باہم مل کر اپنا اور بنسی دھر کا بڑے ہونا سب تم کو لکھ چکا ہوں، مکرر کیا لکھوں؟

بادشاہ کی تصویر کی یہ صورت ہے کہ اجڑا ہوا شہر، نہ آدمی، نہ آدم زاد، مگر ہاں دو ایک مصوروں کو آبادی کا حکم ہو گیا ہے۔ وہ رہتے ہیں، سو وہ بھی بعد اپنے گھروں کے لٹنے کے آباد ہوئے ہیں۔ تصویریں بھی ان کے گھروں سے لٹ گئیں۔ جو کچھ رہیں، وہ صاحبان انگریز نے بڑی خواہش سے خرید کر لیں۔ ایک مصور کے پاس ایک تصویر ہے، وہ تیس روپے سے کم کو نہیں دیتا۔ کہتا ہے کہ تین تین اشرفیوں کو میں نے صاحب لوگوں کے ہاتھ بیچی ہیں، تم کو دو اشرفی کو دوں گا۔

ہاتھی دانت کی تختی پر وہ تصویر ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی نقل کاغذ پر اتار دے، اس کے بھی بیس روپے مانگتا ہے ۔ پھر خدا جانے اچھی ہو یا نہ ہو۔ اتنا صرف بیجا کیا ضرور ہے؟ میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے، اگر کہیں سے ہاتھ آ جائے گی تو لے کر تم کو بھیج دوں گا۔ مصوروں سے خرید کرنے کا نہ مجھ میں مقدور، نہ تمہارا نقصان منظور۔

اب چھاپا تمام ہو گیا ہوگا۔ وہ پانچ اور دو سات کتابیں جو میرزا صاحب کی تحویل میں ہیں وہ، اور وہ ایک جلد جو تم نے مجھ کو دینی کی ہے، وہ سب لوح اور جلد کی درستی کے بعد پہنچ جائیں گی، مگر وہ چالیس سرسری، جو مجھے چاہیے ہیں، وہ تو آج کل میں روانہ کر دو اور ہاں میری جان، یہ چالیس کتابوں کا پشتارہ کیونکر پہنچے اور محصول اس کا کیا ہوگا؟ اور یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ دس جلدیں رائے امید سنگھ کے پاس کہاں بھیجی جائیں گی؟ میرزا تفتہ ہاترس کو جاتے ہوئے ان کا اندور نہ ہونا اور پھر شاید آگرہ اور دلی کا آنا مجھ کو لکھ چکے ہیں ۔ ان باتوں کا جواب مجھ کو لکھو۔ تصویر کے باب میں جو کچھ لکھو وہ کروں اور ان مقدمات سے اطلاع پاؤں ۔ جواب جلد لکھو اور مفصل لکھو۔

نگارشتہ و رواں داشتہ ، شنبہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء غالب

(۶)

نور بصر، لخت جگر، منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے ۔ خط اور رپورٹ کا لفافہ پہنچا اور سب حال تمہارے خاندان کا دریافت ہوا ۔ سب میرے جگر کے ٹکڑے ہیں اور تم اپنے دودمان کے چشم و چراغ ہو۔

''العلم طاقتہ،، شوق سے لکھو۔ آخر کے صفحے کی دو سطریں از روے مضمون سراسر کتاب کے خلاف ہیں ۔ میں نے سرکار کی فتح کا حال نہیں

لکھا، صرف اپنی پندرہ مہینے کی سرگزشت لکھی ہے (۱) تقریباً شہرو سپاہ کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اور وہ اپنی سرگزشت جو میں نے لکھی ہے، سو ابتداً ۱۱- مئی ۱۸۵۷ھ سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر ستمبر میں فتح ہوا۔ اس کا بیان بھی ضمناً آ گیا۔

خوب ہوا کہ تم نے مجھ سے پوچھا، ورنہ بڑی قباحت ہوتی۔ اب میں جس طرح سے کہوں سو کرو۔ پہلے سوچو کہ تقسیم یوں ہے کہ تین سطریں نیچے اور بیچ میں ایک سطر، اس کتاب کا نام۔ کیوں میاں، تقسیم یوں ہی ہے؟ اب میں دوسرے صفحے پر ساتویں سطر لکھ دیتا ہوں۔ اس کو ملاحظہ کرو اور میرا کہنا مانو، ورنہ کتاب کی حقیقت غلط ہو جائے گی اور مطبع پر بات آئے گی۔

اس صفحے میں دو ایک باتیں اور سمجھا دوں کہ وہ ضروری ہیں سنو، میری جان، نوابی کا مجھ کو خطاب ہے ''نجم‌الدولہ،، اور اطراف و جوانب کے امرا سب مجھ کو ''نواب،، لکھتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی۔ چنانچہ صاحب کمشنر بہادر دھلی نے جو ان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے تو لفافہ پر '' نواب اسداللہ خاں،، لکھا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نواب کے لفظ کے ساتھ ''میرزا،، یا ''میر،، نہیں لکھتے۔ یہ خلاف دستور ہے۔ یا ''نواب اسداللہ خاں،، لکھو یا ''میرزا اسداللہ خاں،، لکھو اور ''بہادر،، کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔

(۷)

برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ ''دستنبو،، کے آغار کی

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ شیو نرائن آرام نے ''دستنبو،، کا اشتہار اخبار میں چھاپنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اس کا مسودہ مرزا غالب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس میں غالباً انگریزوں کی فتح کے مفصل حالات کی طرف بھی اشارہ تھا۔ میرزا نے اسے خلاف مضمون کتاب قرار دیا اور فرمایا کہ میں نے تو صرف اپنی سرگذشت لکھی ہے۔ شہر و سپاہ کا ذکر تقریباً آ گیا ہے۔

عبارت از روے احتیاط دوبارہ ارسال کی ہے۔ یقین ہے کہ پہنچ گئی ہوگی اور چھاپی گئی ہوگی اور آپ نے اسی عبارت سے اشتہار بھی اخبار میں چھاپا ہوگا یا چھاپیے گا۔

بہ ہر حال اس شہر کے (۱) اخبار سنیے۔ حکم ہوا کہ دوشنبہ کے دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیر خواہان انگریز اپنے اپنے گھر میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔ فقیر بھی، اس تہی دستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنسن مقرری نہیں پاتا، اپنے مکان پر روشنی کرے گا اور قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے۔ آپ کے پاس اس کی نقل بھیجتا ہوں۔ اگر تمھارا جی چاہے تو اس کو چھاپ دو اور جس نمبر میں یہ چھاپا جائے وہ نمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا۔

اور اب فرمائیے کہ میں کتابوں کے آنے کا کب تک انتظار کروں؟(۲)

قطعہ

درین روزگار ہمایون و فرخ — کہ گوئی بود روزگار چراغاں
شدہ گوش پر نور چوں چشم بینا — ز آوازۂ اشتہار چراغاں
مگر شہر دریاے نور است، کاینجا — نگہ گشتہ ہر سو دو چار چراغاں
بسر بردہ بر چرخ مہر منور — ہمہ روز در انتظار چراغاں
گواہ من اینک خطوط شعاعی — کہ دارد دلش خار خار چراغاں
دریں شب روا باشد از چرخ گرداں — کند گنج انجم نثار چراغاں
نبود است در دہر زیں پیش ہر گز — بدیں روشنی روے کار چراغاں

(۱) دھلی۔ (۲) اس خط پر کوئی تاریخ نہیں، تاہم بظاہر یہ اواخر اکتوبر کا ہے۔ اس میں جو قطعہ درج ہے، وہ ”دستنبو“ کے ساتھ شائع ہو گیا تھا اور اب تک ”دستنبو“ کا جزو ہے۔

شد از فیض شاهنشه انگلستان فزوں رونق کاروبار چراغاں
جہاندار وکٹوریا کز فروغش ز آتش دمد لالہ زار چراغاں
ز عدلش چناں گشت پروانہ ایمن کہ شد دیدبان حصار چراغاں
بہ فرمان سر جان لارنس صاحب شد ایں شہر آئینہ دار چراغاں
بہ دھلی فلک رتبہ سانڈرس(۱) صاحب بر آراست نقش و نگار چراغاں
شد از سعی ھنری اجرٹن(۲) بہادر رواں ہر طرف جویبار چراغاں
سخن سنج غالب ز روے عقیدت دعا مے کند در بہار چراغاں

کہ بادا فزوں سال عمر شہنشہ
بروے زمیں از شمار چراغاں

(۸)

میاں، تمہارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا(۱)۔ اگر مجھ کو کبھی انگریزی لکھوانا ہوگا تو یہاں سے اردو میں لکھ کر بھیج دوں گا، تم وہاں سے لکھ کر بھیج دیا کرنا۔

''قصۂ قاصدان شاھی،،(۲) میں نے دیکھا۔ اصلاح کے باب میں سوچا کہ اگر سب فقروں کو مقفیٰ اور عبارت کو رنگین بنانے کا قصد کروں تو کتاب کی صورت بدل جائے گی اور تم کو بھی شاید یہ منظور نہ ہو۔ ناچار

---

(۱) کمشنر دھلی۔ (۲) فلپ ھنری اجرٹن، میجسٹریٹ کلکٹر دھلی (۱۸۵۵—۱۸۵۹ء)۔
(۳) آرام نے لکھا تھا کہ میں انگریزی بھی جانتا ہوں، اگر کچھ لکھوانے کی ضرورت پڑے تو مجھے حکم دیا کیجیے۔ میرزا نے خود اس کی تصریح کر دی ہے۔
(۴) Four Messengers نام ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ آرام نے ایک انگریز کی مدد سے کیا تھا اور ۱۸۵۹ میں اسے چھاپا۔ اس کی زبان کی اصلاح میرزا سے کرائی تھی۔ مالک رام صاحب فرماتے ھیں کہ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے (تلامذۂ غالب ص ۴۲)

اُس پر قناعت کی کہ جو الفاظ ٹکسال باہر تھے، وہ بدل ڈالے۔ مثلاً ''وے''، کہ یہ گنوارو بولی ہے، ''وہ''، یہ ٹھیٹ اردو ہے ''کرانا''، یہ بیرونجات کی بولی ہے، ''کروانا''، یہ فصیح ہے۔ ''راجے''، یہ غلط ہے، ''راجہ''، صحیح ہے۔ کہیں کہیں روابط و ضمائر نا مربوط تھے، ان کو مربوط کر دیا ہے ایک جگہ ''گھنے بسے''، یہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا، اس کو تم سمجھ لینا باقی اور سب مربوط اور خوب صاف ہے، حاجت اصلاح کی نہیں۔

صاحب، کتابیں کب روانہ ہوں گی؟ دوالی بھی ہو لی۔ اگر گنگا جانے کا قصد ہو تو بھائی میری کتابیں بھیج کر جانا اور ہاں، یہ میں نہیں سمجھا کہ میرزا مہر کی بنوائی ہوئی سات کتابیں بھی انہیں کتابوں کے ساتھ بھیجو گے یا وہ اپنے طور پر جدا روانہ کریں گے؟ وہ تم نے اپنی بنوائی ہوئی کتاب کا آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ سے یہ بات تراوش کرتی تھی کہ سادہ کتابیں پہلے روانہ ہوں گی اور وہ ایک کتاب ہفتہ کے بعد۔ سو وہ ہفتہ بھی گزر گیا۔ یقین ہے کہ اب وہ سب یکجا پہنچیں اور شاید کل پرسوں آ جائیں۔

وہ لمبر اخبار کا جو تم نے مجھ کو بھیجا تھا، اس میں ایلمنسٹن صاحب کے لفٹنٹ گورنر ہونے کی اور بہت جلد آگرہ آنے کی خبر لکھی تھی۔ یہاں مجھ کو کئی باتیں پوچھنی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ چیف سکرتر نواب گورنر جنرل کے تھے، جب یہ لفٹنٹ گورنر ہوئے تو اب وہاں چیف سکرتر کون ہوگا؟ یقین ہے کہ ولیم میور صاحب(۱) اس عہدے پر مامور ہوں۔ پس اگر یوں ہی ہے تو ان کے محکمے

---

(۱) سر ولیم میمور (۱۸۱۹ - ۱۹۰۰ء) صوبہ غرب و شمال کا سکرٹری (۱۸۵۲ء) اس صوبے کے ریونیو بورڈ کا ممبر (۱۸۵۶ء)، سکرٹری محکمہ خارجہ حکومت مرکزیہ (۱۸۶۵ء) لفٹنٹ گورنر صوبہ غرب و شمال (۱۸۶۸ ــ ۱۸۷۴ء) سوپریم کونسل میں وزیر فینانس (۱۸۷۴ ــ ۱۸۷۶ء)، پھر انڈیا کونسل کا رکن (۱۸۷۶ ــ ۱۸۸۵ء) متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

میں چیف سکرتر کون ہوگا؟

دوسری بات یہ کہ میر منشی ان کے تو وہی منشی غلام غوث خاں رہیں گے - یقین ہے کہ ان کے ساتھ آویں -

تیسری بات یہ کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے میر منشی ایک بزرگ تھے، بلگرام کے رہنے والے، منشی سید جان خان - آیا اب بھی وہیں ہیں یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں ؟

ان سب باتوں میں سے جو آپ کو معلوم ہوں، وہ اور جو نہ معلوم ہوں، اوس کو معلوم کر کے مجھ کو لکھیے اور جلد لکھیے اور ضرور لکھیے - یقین تو ہے کہ تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیوں پوچھتا ہوں - کتابیں جابجا بھیجنے میں جب تک نام اور مقام معلوم نہ ہو تو کیوں کر بھیجوں ؟ جواب لکھو اور شتاب لکھو - کتاب بھیجو اور جلد بھیجو -

سہ شنبہ ۹- نومبر ۱۸۵۸ء

(۹)

برخوردار کامگار، منشی شیو نرائن طولعمرهٗ و زاد قدرهٗ -

کل جمعہ کے دن، ۱۲- نومبر کو بتیس کتابیں آ گئیں - میں بہت خوش ہوا اور تم کو دعائیں دیں - خط تمھارے نام کا ابھی میرا کہار ڈاک میں لے گیا ہے(۱)- اس رقعہ کی تحریر سے مقصود یہ ہے کہ میاں عبدالحکیم بہت

---

(۱) اس فقرے سے عیاں ہے کہ دستی خط عبدالحکیم کے حوالے کرنے سے پیشتر میرزا نے ایک خط ۱۳-نومبر کو ڈاک کے ذریعے سے بھیج دیا تھا کہتے ہیں : خط تمھارے نام کا ابھی میرا کہار ڈاک میں لے گیا ہے - وہ خط ناپید ہے -

نیک بخت اور اشراف اور ہنر مند ہیں ۔ ''دلی گزٹ،، میں حرفوں کے چھاپے کا کام کیا کرتے تھے ۔ چونکہ یہ چھاپہ خانہ اب آگرہ میں ہے، یہ بھی وہیں آتے ہیں ۔ تمہارے پاس حاضر ہوں گے اور ان پر مہربانی رکھنا ۔ بھلا وہ شہر بیگانہ ہے ۔ ان کو تمہاری خدمت میں شناسائی رہے گی، تو اچھی بات ہے صحافی کا کام بھی بقدر ضرورت کر سکتے ہیں ۔ شاید اگر ''دہلی گزٹ،، (۱) میں ان کا طور درست نہ ہو تو اس صورت میں بشرط گنجایش اپنے مطبع میں ان کو رکھ لینا ۔

نگاشتہ ۱۳- نومبر ۱۸۵۸ء راقم اسداللہ

(۱۰)

صاحب،

تمہارا خط آیا، دل خوش ہوا ۔ دیکھیے مرزا مہر (کتابیں) کب روانہ کرتے ہیں ۔ اگر بھیج چکے ہیں تو یقین ہے کہ آج یہاں آ پہنچیں ۔ آج نہ آئیں ، کل آئیں ۔ کل سے میں شام تک راہ دیکھتا ہوں ۔

''مہر نیم ماہ،، نہیں ، اس کا نام ''مہر نیمروز،، ہے اور وہ سلاطین تیموریہ کی تواریخ ہے۔ اب وہ بات ہی گئی گزری، بلکہ وہ کتاب اب نہ چھاپنے کے لائق ہے، نہ چھپوانے کے قابل ۔

اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں، یہ بھی زاید بات ہے ۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا، ورنہ صرف تحریر سرسری ہے ۔ اس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے اس سے قطع نظر ، کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے ۔

محررہ پنجشنبہ ۱۸- نومبر ۱۸۵۸ء

(۱) اصل میں یوں ہی ہے یعنی ایک جگہ ''دلی گزٹ،، دوسری ''دہلی گزٹ،، ۔

(۱۱)

برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے۔ کل جمعہ کے دن ۱۹- نومبر ۱۸۵۸ء کو سات کتابوں کے دو پارسل پہنچے، واقعی کتابیں جیسا کہ میرا جی چاھتا تھا ، اسی روپ کی ھیں۔ حق تعالیٰ میرزا مہر کو سلامت رکھے۔ رقعوں کے چھاپنے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں، البتہ اس باب میں میری رائے پر تم کو اور میرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ھے۔

مطلب عمدہ جو اس خط کی تحریر سے منظور ھے، وہ یہ ھے کہ جو کتاب تم نے بنوائی ھے اور میں نے تم کو لکھا تھا کہ پہلے ورق کے دوسرے صفحے پر انگریزی عبارت لکھ کر بھیجنا ، خدا کرے وہ عبارت تم نے نہ لکھی ہو اگر لکھ دی ہو تو ناچار اور اگر نہ لکھی ہو تو اب نہ لکھنا، اور سادہ رھنے دینا اور اوسی طرح میرے پاس بھیج دینا۔ یہ بھی معلوم رھے کہ اب ان کتب کی تقسیم اوس کتاب کے آنے تک ملتوی رھے گی اور وہ کتاب میرے پاس جلد پہنچ جائے تو بہتر ھے۔

۲۰- نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب بلکہ کتاب طلب غالب

(۱۲)

صاحب، تم کندھولی سے کب آئے اور جب آئے تو میرا خط بیرنگ کہ جس میں سات روپے کی ھنڈوی ملفوف تھی پایا یا نہیں پایا؟ اگر پایا تو موافق اس تحریر کے عمل کیوں نہ فرمایا؟ اور اس خط میں ایک مطلب جواب طلب تھا، اس کا جواب کیوں نہ بھجوایا؟ اچھا، اگر تم ایک آدھ دن کے واسطے کندھولی گئے تھے تو کارپردازان مطبع نے خط لے کر رکھ چھوڑا ہوگا اور جب تم آئے ہو گے تو وہ خط تمہیں دیا ہوگا۔ پھر کیا سبب جو تم نے جواب نہ لکھا؟ ؟ یا ابھی کندھولی سے تم نہیں آئے، یا وہ میرا خط تلف

ہو گیا(۱)۔ تاریخ تحریر خط مجھے یاد نہیں اب یہ لکھتا ہوں کہ اگر خط پہنچا تو مجھ کو خط کی اور ہنڈوی کی رسید اور میرے سوال کا جواب لکھو اور اگر خط نہیں پہنچا تو اس کی تدبیر بتاؤ کہ اب میں ساہوکار سے کیا کہوں اور ہنڈوی کا مثنیٰ کس طرح سے مانگوں؟

روز سہ شنبہ۔ ۳۰۔ نومبر ۱۸۵۸ء از اسد مضطرب

جواب طلب، شتاب طلب۔

(۱۳)

صاحب،

تم خط کے جواب نہ بھیجنے سے گھبرا رہے ہوگے۔ حال یہ ہے کہ قلم بنانے میں میرا ہات انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے بہ ہر حال اب اچھا ہوں۔ ''پنج آہنگ،، تم نے مول لے لی، اچھا کیا۔ دو چھاپے ہیں: ایک بادشاہی چھاپے خانے کا اور ایک منشی نورالدین کے چھاپے خانے کا۔ پہلا ناقص ہے، دوسرا سراسر غلط ہے۔ کہا کہوں، تم سے؟ ضیاءالدین خاں، جاگیردار لوہارو، میرے سببی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا، وہ انہوں نے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ ''کلیات نظم فارسی،، چون پچپن جزو اور ''پنج آہنگ،، اور ''مہر نیمروز،، اور ''دیوان ریختہ،، سب مل کر سو سوا سو جزو مطلا اور مذہب اور انگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ، کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع کہ کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شہزادے نے اس مجموع نظم و نثر کی نقل لی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے۔ وہ دونوں جگہوں کا

---

(۱) جس خط کا ذکر ہے، وہ بظاہر ۱۱ مرقومہ ۲۰۔ ستمبر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ نہ اس میں ہنڈی کا ذکر ہے اور نہ کوئی امر جواب طلب معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا وہ بھی تلف شدہ خطوط میں محسوب ہو؟

کتاب خانہ خوان یغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے، کہیں سے ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ قلمی ''فارسی کا کلیات''، قلمی ''ہندی کا کلیات''، قلمی ''پنج آہنگ''، قلمی ''مہر نیمروز''، اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آوے، تو اوس کو میرے واسطے خرید کر لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگوا لوں گا۔

جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ ان کی فرمایش ہے اردو کی نثر، وہ انجام پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں (۱)۔ مگر بھائی تم غور کرو، اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا اور اس عبارت میں معانی نازک کیوں کر بھروں گا؟ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں؟ کونسی بات، کون سی کہانی، کون سا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں؟ تمہاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔ ایک قرینے سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شاید گورنمنٹ سو دو سو دستنبو کی خریداری کرے گی اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا بعید ہے کہ ہفتے دو ہفتے میں الہ آباد سے تمہارے پاس حکم پہنچے۔

روز دو شنبہ ۱۱- دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۴)

بھائی،

یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر، دیر سے

---

(۱) ظاہر ہے کہ شیو نرائن آرام نے دستنبو کی خریداری کے لیے ریڈ صاحب کو فرمایش بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ جو صوبہ غرب و شمال میں محکمہ تعلیم کا ڈائرکٹر تھا۔ میرزا نے جواب میں فرمایا کہ ریڈ نے اردو میں کتاب مرتب کرنے کی فرمایش کر رکھی ہے، وہ پوری ہو تو دستنبو کی خریداری کے لیے لکھوں۔

لکھو، اگر شتاب نہیں لکھتے۔ تمہارا خط آیا۔ اوس کے دوسرے دن میں نے جواب بھجوایا۔ آج تک تم نے اس کا جواب نہ بھیجا، حال آنکہ اوس میں جواب طلب باتیں تھیں۔ یعنی میں نے اپنی نظم و نثر کی کتب کا حال تم کو لکھ کر، تم سے استدعا کی تھی کہ قلمی جو نسخہ تمہارے ہاتھ آ جائے، وہ تم خرید کر مجھے بھیج دینا۔

ریڈ صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا کہ جب اردو کی نثر اون کے واسطے لکھ لوں گا تو دستنبو کی خریداری کی خواہش کروں گا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں۔ تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔

سید حفیظالدین احمد کی مہر کھدوانے کو تم نے لکھا تھا کہ ملتوی رہے۔ پھر اس کا بھی کچھ بیورا نہ لکھا۔ میں اوس کو ابھی کچھ نہیں سمجھا۔ اوس کو یکسو کرو۔ ہاں، ناں کچھ لکھ بھیجو۔ تمہاری مہر بدرالدین علی خاں کو دی گئی ہے۔ یقیں تو یہ ہے کہ اسی دسمبر کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائے اور ۱۸۵۸ء سن کھدے۔ شاید کچھ دیر ہو تو جنوری ۱۸۵۹ء میں کھدے۔ اس سے زیادہ درنگ نہ ہوگی۔ تم کو روپے حرف آٹھ آنے صرف سے کیا علاقہ؟ تم کو اپنی مہر سے کام۔

سچ تو کہو، کیا پھر کندھولی گئے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ کس شغل میں ہو؟ یا مجھ سے خفا ہو؟ اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو، خفگی کی وجہ لکھو۔ بہ ہر حال اس کا جواب شتاب بھیجو اور اسی خط میں بعد ان سب باتوں کے جواب کے مولوی قمرالدین خاں کا حال لکھو کہ وہ کہاں ہیں؟ اور کس طرح ہیں؟ بر سر کار ہیں؟ یا بیکار ہیں؟ اچھا، میرا بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو۔ زیادہ کیوں لکھوں؟

مرسلہ چہارشنبہ ۱۵ - دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

برخوردار،

آج اس وقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے ''از مقام،، و ''در مقام،، و ''تاریخ و ماہ،، مجھ کو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیے(۱) اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ ان کے عوض یہ لفافے جو ''در مقام و از مقام،، سے خالی ہیں، جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو، مجھ کو بھیج دو اور یہ لفافے اس کے عوض مجھ سے لے لو۔ اور اگر اوس طرح کے لفافے نہ ہوں تو ان کی کچھ ضرورت نہیں۔

مہر کے واسطے صاحب، زمرد کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کے برابر اور ہشت پہلو، اس اجڑے شہر میں کہاں ملے گا؟ عقیق بہت خوش رنگ، سیاہ یا رنگ سرخ، جیسا تم نے آگے لکھا ہے، ہشت پہلو ہوگا۔ یہ مہر میری طرف سے تم کو پہنچے گی۔ تم کو چار آنے حرف، چھ آنے حرف سے کچھ مدعا نہیں۔ آب اپنی مہر چاہو زمرد پر، چاہو الماس پر کھدواؤ۔ میں تو عقیق کی مہر تم کو دوں گا۔ رہی وہ دوسری مہر، جب تمہاری مہر کھد چکے گی، جس طرح تم کہوگے، کھد جائے گی۔

میاں کیا قرینہ بتاؤں گورنمنٹ کی خریداری کا؟ ایک بات ایسی ہے کہ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کرے اس کا ظہور ہو جائے۔ ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

---

(۱) شیو نرائن نے لفافے بھیجے لیکن اپنے خیال کے مطابق میرزا کی سہولت کے لیے ان پر ''از مقام و در مقام،،، تاریخ و ماہ وغیرہ چھپوا دیا۔ میرزا کو یہ پسند نہ تھے، لہذا جتنے لفافے آئے تھے وہ متفرق دوستوں میں بانٹ دیے اور شیو نرائن کو اطلاع نہ دی۔ اس عقیدت مند نے دوبارہ ویسا ہی بنڈل بھیج دیا۔ اسے میرزا نے واپس کیا اور ساتھ ہی واپسی کی وجہ ظاہر کر دی۔

جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں؟ اوس میں گنجایش عبارت آرائی کی کہاں ہے۔؟ بہت ہوگا تو یہ ہوگا، میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا۔ خیر بہ ہر حال کچھ کروں گا اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤں گا۔

قے کا ہونا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے کہ تم نے رات کو بری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی۔ کچھ تبرید کرو اور شراب زیادہ نہ پیا کرو۔ میرا رقعہ تمہارے نام کا اور تفتہ کا رقعہ تمہارے نام کا حسب الحکم تمہارے واپس بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تفتہ کا خفا ہونا اسی طرح لکھا تھا، جیسا تم کو تمہارا خفا ہونا لکھا تھا۔ بھلا وہ میرے فرزند کی جگہ ہیں، مجھ سے خفا کیوں ہوں گے؟ اوس دن سے آج تک دو تین خط اون کے آ چکے ہیں۔ چنانچہ ایک خط ابھی تمہارے خط کے ساتھ ڈاک کا ہرکارہ دے گیا ہے۔

محررہ شنبہ ۱۸- دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۶)

اب ایک امر خاص کو سمجھو۔ دو جلدیں دستنبو کی مجھ کو لکھنئو بھیجنی ہیں اور میرے پاس کوئی جلد نہیں ہے۔ اب جو تم سے منگاؤں اور یہاں سے لکھنئو بھجواؤں، تو ایک قصہ ہے۔ یہ صاحب لوگ اطراف و جوانب سے مجھ پر فرمایشیں بھیجتے ہیں، تم سے بہ قیمت کوئی نہیں منگواتا۔ چالیس جلدیں پہلی اور بارہ یہ حال کی سب تقسیم ہو گئیں۔ ان دونوں صاحبوں کی خاطر مجھ کو بہت عزیز ہے ایک روپے کے بتیس ٹکٹ اور دو آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملفوف کر کے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ لکھنئو کو ارسال کرو۔ آنے آنے کا ٹکٹ اس پر لگا دو۔ ایک پارسل پر یہ لکھو:

''این پارسل بصیغہ بیم فلٹ پاکٹ، اسٹامپ پیڈ، در لکھنئو بہ محلہ نخلس، در امام باڑہ اکرام اللہ خان، بہ مکان میرزا عنایت علی، بخدمت میر حسین علی صاحب برسد - مرسلہ شیو نرائن، مہتمم مطبع مفید خلائق آگرہ۔

دوسرے پارسل پر بھی یہی عبارت، مگر مکان کا پتا اور نام اور :

در لکھنئو بہ احاطہ خانساماں، متصل تکیہ شیر علی شاہ، بہ مکانات مولوی عبدالکریم مرحوم، بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب برسد۔

سمجھ لیے ؟ یعنی دو پارسل اسٹامپ پیڈ، دونوں لکھنئو کو، ایک بنام میر حسین علی اور ایک بنام سراج الدین احمد بسبیل ڈاک روانہ کردو۔ اور ہاں صاحب، ان دونوں پارسلوں کی روانگی کی تاریخ مجھ کو لکھو تاکہ میں اپنے خط میں اون کو اطلاع دوں۔

ایک امر اور ہے اگر تم بھی اس رائے کو پسند کرو، یعنی جس طرح سے تم نے ایک جلد ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو اپنی طرف سے بھیجی ہے، اسی طرح دو جلدیں ان دونوں صاحبوں کو، جن کا نام کاغذ میں لکھا ہوا ہے بھیج دو، مگر اپنی ہی طرف سے۔ میرا اس میں اشارہ نہ پایا جاوے اور یہ دونوں صاحب بالفعل دلی میں وارد ہیں۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ خواہی نخواہی اس کو کیا ہی چاہیے۔ ایک صلاح ہے اور نیک صلاح ہے۔ مناسب جانو کرو، ورنہ جانے دو۔

میاں، اردو کیا لکھوں؟ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمایش ہو؟ خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں؟ کتاب نام کو میرے پاس نہیں - پنسن مل جائے، حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں۔ ''پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں،،(۱) - زیادہ، زیادہ۔

روز سہ شنبہ ، ۴- جنوری ۱۸۵۹ء

جواب طلب۔ غالب

(۱۷)

پرسوں اور کل ، دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں(۲) - کیا کہوں کہ مجھ پر بے سابقہ معرفت کیا عنایت فرمائی - میں یہ جانتا ہوں

---

(۱) پنجابی کی مثل ہے یعنی پیٹ بھرا ہوا ہو تو اچھی باتیں سوجھتی ہیں۔

(۲) علامہ اقبال کے استاد ٹامس آرنلڈ کا بھائی ولیم آرنلڈ (۱۸۲۸-۱۸۵۹) پنجاب میں تعلیمات کا ڈائرکٹر تھا۔ بیمار ہو کر لندن روانہ ہوا راستے میں جہاز دِ وفات پائی - صرف تیس اکتیس سال کی عمر تھی -

که گویا مجھ کو مول لے لیا - آج وہ یہاں اور ہیں، کل جائیں گے - ''دستنبو،، تمہاری بھیجی ہوئی اون کے پاس نہیں پہنچی - ناچار ایک ''دستنبو،، اور ایک ''پنج آهنگ،، اپنے پاس سے اون کو نذر کر آیا ہوں - لکھنئو کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی - آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہوں گی؟ ڈاک سے معلوم کر کے مجھ کو لکھ بھیجو - دیر نہ کرو ورنہ میں مشوش رہوں گا -

نگاشته صبح شنبه ۱۵- جنوری ۱۸۵۹ء　　　　از غالب

(۱۸)

بھائی،

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنئو کے ایک پارسل کی رسید آ گئی - دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا - خاطر جمع رکھو -

جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے - میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے - مجھ سے وہ سلوک اور احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا -

مرزا حاتم علی بیگ مہر آ جائیں تو اون کو میرا سلام کہنا - مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا -

مرقومہ دو شنبه هفدهم جنوری ۱۸۵۹ء (۱)　　　　از غالب

(۱۹)

صاحب،

میں ہندی (۲) غزلیں بھیجوں کہاں سے؟ اردو کے دیوان چھاپے کے ناقص ہیں - بہت غزلیں اس میں نہیں ہیں - قلمی دیوان جو اتم و اکمل تھے، وہ لٹ گئے - یہاں سب کو کہہ رکھا ہے کہ جہاں بکتا ہوا نظر آ جائے

---

(۱) یہ خط اردوے معلی میں غلطی سے منشی نبی بخش حقیر کے نام درج ہوا - حالانکہ منشی شیو نرائن آرام کے نام تھا، جنہیں خط ۱۶ کے ذریعے سے کتابیں لکھنئو بھیجنے کی ہدایت کی تھی - تعجب ہے کہ ''نادرات غالب،، مرتب کرنے والے نے بھی اسے اردوے معلی سے لے کر اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور تحقیق نہ کی -

(۲) مراد ہے اردو کی غزلیں -

لے لو۔ تم کو بھی لکھ بھیجا اور ایک بات اور تمہارے خیال میں رہے کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذو نادر ہے۔ بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں(۱) ہوتی۔ جس غزل کے تم نے پانچ شعر لکھے ہیں، یہ نو شعر کی ہے۔ ایک دوست کے پاس اردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے، اس نے کہیں کہیں سے مسودات متفرق بہم پہنچا لیے ہیں۔ چنانچہ "پنہاں ہو گئیں"، "ویران ہو گئیں"۔ یہ غزل مجھ کو اوسی سے ہاتھ لگی ہے۔ اب میں نے اوس کو لکھا ہے اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر رہنے دوں گا۔ جب اوس کے پاس سے ایک غزل یا دو غزل آ جائے گی تو اسی خط میں ملفوف کر کے بھیج دوں گا۔ یہ خط یا آج روانہ ہو جائے یا کل۔

میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربی قدیم جناب فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح(۲) میں اور ایک قصیدہ جناب منٹگمری لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی تعریف(۳) میں لکھا ہے۔ اگر کہو تو بھیج دوں، مگر فارسی ہیں اور چالیس چالیس پینتالیس شعر ہیں۔

کتب "دستنبو" کے بک جانے سے میں خوش ہوا۔ خدا کرے، جس کو دی ہو، دو تین غلطیاں، جو معلوم ہیں، وہ بنادی ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ صاحب لوگوں نے خریدیں یا ہندوستانیوں نے لیں؟ تم مجھ کو یہ بات ضرور ضرور لکھو۔ دیکھو صاحب، تم گھبراتے تھے، آخر یہ جنس پڑی نہ رہی اور بک گئی۔ بھائی، ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے۔ جو زندہ ہیں، اون میں سیکڑوں گرفتار بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہے اوس میں مقدور نہیں۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی ہوگی یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں گئی ہوں گی۔ پورب میں کم بکی ہوں گی۔

---

(۱) یہ کلیہ نہیں۔ متعدد غزلیں نو شعر سے بھی کم کی ہیں۔ "جواب میں"، "عتاب میں"، کا دو غزلہ چوبیس شعر کا ہے اور "مہماں کیے ہوئے"، اٹھارہ شعر کی ہے۔

(۲) دیکھیے حاشیہ مکتوب ۱۷ بنام مہر۔ ایڈمنسٹن کا قصیدہ سنیتالیس شعر کا ہے۔

(۳) دیکھیے حاشیہ مکتوب ۱۷ بنام مہر۔ منٹگمری کا قصید، پینتیس شعر کا ہے۔

میاں میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں۔ خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ تمھاری جگہ میرے دل میں ہے۔ اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں اور جو غزل تم نے بھیجی ہے، اوس کو لکھتا ہوں۔ خدا کرے نو کے نو شعر یاد آ جائیں :

غزل

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے"؟
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے؟

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

وہ چیز، جس کے لیے ہو ہمیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے؟

پیوں شراب، اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے؟

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے؟

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے؟

هوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

یہ تمہارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آ گئے۔ ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں، تین ہفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہو گیا۔(۱) اگر منگواؤ گے تو قصیدے دونوں بھیج دوں گا(۲)۔

مرقومہ سہ شنبہ ۱۹۔ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء غالب

(۲۰)

بھائی،

حاشا، ثم حاشا، اگر یہ غزل میری ہو:

"اسد اور لینے کے دینے پڑے"

اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش، رحمت خدا کی

میں نے یہی ان سے کہا تھا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔

---

(۱) مطلب یہ کہ ہر ہفتے ایک غزل اخبار میں چھاپتے رہوگے تو تین ہفتے کے لیے سرمایہ فراہم ہو گیا۔ (۲) فارسی کے قصیدے، ایک ایڈمنسٹن کی مدح میں اور دوسرا منٹگمری کی مدح میں۔

بات یہ ہے کہ ایک شخص میرامانی اسد(۱) ہو گزرے ہیں ۔ یہ غزل ان کے کلام معجز نظام سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے ۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص رکھا ہے، ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔(۲) تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے ۔ میرا کلام اور ایسا مزخرف؟ یہ قصہ تمام ہوا ۔

---

(۱) میر امانی اسد دھلوی، مصاحب نواب افضل علی خاں برادر نجیب‌الدولہ، شاگرد سودا ۔ شاہ عالم کے عہد میں دھلی سے لکھنئو اور وہاں سے مرشد آباد چلے گئے تھے ۔ مراجعت میں لکھنئو پہنچنے سے پیشتر ہی سرائے بانگر مئو میں چوروں کے ھاتھ سے قتل ہوئے ۔ مرد شریف، شیریں زبان اور خوش فکر تھے ۔ دیوان اور مثنوی یادگار ہے (خمخانہ جاوید جلد اول میں ۲۸۹) نساخ نے ''سخن شعرا،، میں زیر غور شعر میر امانی اسد کے کلام میں نقل کیا ہے (ص ۴۳) ۔

(۲) اردو میں غالب تخلص اختیار کرنے کی معین تاریخ بتانا مشکل ہے ۔ میرزا گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے ۔ اس کے بعد دس بارہ برس تک اسد تخلص کی شہادتیں ملتی ہیں بلکہ غالب تخلص کی ہمہ گیر شہرت کے بعد بھی حسب ضرورت اسد استعمال کر لیتے تھے۔ ایک جگہ تو پورا نام بطور تخلص استعمال کیا ہے :

مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمہیں
وہ ولولے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟

اسداللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاھد باز

پھر ''اثر ہونے تک ،،، ''سر ہونے تک،، والی غزل بظاھر ۱۸۲۰ء کے بعد کہی گئی ۔ نواب الہی بخش خاں معروف (متوفی ۱۸۲۶ء) نے اس کی تخمیس کی تھی۔ اس میں بھی اسد تخلص موجود ہے ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ابتدائی دور کے بعد اردو کلام میں بھی زیادہ تر غالب ہی تخلص فرماتے رہے ۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے ؟

یہ تمہارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آ گئے۔ ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں، تین ہفتے کا گودام تمہارے پاس فراہم ہو گیا۔(۱) اگر منگواؤ گے تو قصیدے دونوں بھیج دوں گا(۲)۔

مرقومہ سہ شنبہ ۱۹۔ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء غالب

(۲۰)

بھائی،

حاشا، ثم حاشا، اگر یہ غزل میری ہو :

''اسد اور لینے کے دینے پڑے،،

اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے :

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش، رحمت خدا کی

میں نے یہی ان سے کہا تھا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔

---

(۱) مطلب یہ کہ ہر ہفتے ایک غزل اخبار میں چھاپتے رہو گے تو تین ہفتے کے لیے سرمایہ فراہم ہو گیا۔ (۲) فارسی کے قصیدے، ایک ایڈمنسٹن کی مدح میں اور دوسرا منٹگمری کی مدح میں۔

بات یہ ہے کہ ایک شخص میرامانی اسد(۱) ہو گزرے ہیں ۔ یہ غزل ان کے کلام معجز نظام سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے ۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص رکھا ہے، ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔(۲) تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے ۔ میرا کلام اور ایسا مزخرف؟ یہ قصہ تمام ہوا ۔

---

(۱) میر امانی اسد دھلوی، مصاحب نواب افضل علی خاں برادر نجیب‌الدولہ، شاگرد سودا ۔ شاہ عالم کے عہد میں دھلی سے لکھنئو اور وھاں سے مرشد آباد چلے گئے تھے ۔ مراجعت میں لکھنئو پہنچنے سے بیشتر ھی سرائے بانگر مئو میں چوروں کے ھاتھ سے قتل ھوئے ۔ مرد شریف، شیریں زبان اور خوش فکر تھے ۔ دیوان اور مثنوی یادگار ہے (خمخانہ جاوید جلد اول میں ۲۸۹) نساخ نے ''سخن شعرا،، میں زیر غور شعر میر امانی اسد کے کلام میں نقل کیا ہے (ص ۴۳) ۔

(۲) اردو میں غالب تخلص اختیار کرنے کی معین تاریخ بتانا مشکل ہے ۔ میرزا گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے ۔ اس کے بعد دس بارہ برس تک اسد تخلص کی شہادتیں ملتی ھیں بلکہ غالب تخلص کی ہمہ گیر شہرت کے بعد بھی حسب ضرورت اسد استعمال کر لیتے تھے ۔ ایک جگہ تو پورا نام بطور تخلص استعمال کیا ہے :

مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمہیں
وہ ولولے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟

اسداللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رند شاھد باز

پھر ''اثر ھونے تک،،، ''سر ھونے تک،، والی غزل بظاھر ۱۸۲۰ء کے بعد کہی گئی ۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف (متوفی ۱۸۲۶ء) نے اس کی تخمیس کی تھی۔ اس میں بھی اسد تخلص موجود ہے ۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ابتدائی دور کے بعد اردو کلام میں بھی زیادہ تر غالب ہی تخلص فرماتے رہے ۔

یہ غزل جو تمھارے پاس پہنچ چکی ہے، چھاپنے سے پہلے ایک نقل اوس کی میرزا حاتم علی مہر کو دے دینا ۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے، اوسی دن وہ غزل نقل کر کے اون کو بھیج دینا ۔

''دستنبو'' کی خریداری کا حال معلوم ہو گیا ۔ میرا بھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں گئی ہوں گی ۔ جناب میکلوڈ صاحب (۱) فنانشل کمشنر پنجاب نے بذریعہ صاحب کمشنر دھلی مجھ سے منگوائی تھی ۔ ایک جلد اون کو بھی بھیج چکا ہوں ۔ قصیدے میں نے دونوں لکھے ھیں : ایک اپنے مربی قدیم جناب فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگمری صاحب بہادر کی مدح میں ۔ ایک پچپن شعر کا ، ایک چالیس بیت کا اور پھر فارسی (۲) ۔ اون کو ریختہ کی غزلوں میں کیا چھاپوگے ؟ جانے بھی دو ۔ رھیں غزلیں سابق کی، وہ جو میرے ھاتھ آتی جائیں گی، بھجواتا جاؤں گا ۔ میاں تمھاری جان کی قسم، نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاھتا ھے، نہ مجھ سے کہا جائے ۔ اس دو برس میں صرف وہ پچیس شعر بطریق قصیدہ تمھاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے (۳)۔ سوائے اوس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہوگا، تو گنہ‌گار، بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی ۔ صرف دو قصیدے لکھے ھیں ۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ھے ۔ پرسوں ایک خط تمہیں اور لکھ چکا ہوں ۔ اب اوس کا جواب نہ لکھنا ۔ والدعا

چہارشنبہ ۲۲-اپریل ۱۸۵۹ء

---

(۱) سر ڈونلڈ میکلوڈ (۱۸۱۰—۱۸۷۲) غالباً ۱۸۵۸ء میں فنانشل کمشنر مقرر ہوئے ۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک لفٹنٹ گورنر پنجاب رہے ۔ لندن کی زمین دوز ریلوے کے ایک حادثے میں شدید صدمات پہنچے ۔ یہی صدمات موت کا باعث بن گئے ۔

(۲) صحیح یہ ھے کہ ایڈمنسٹن کا قصیدہ چھیالیس شعر کا ھے اور منٹگمری کا پینتیس شعر کا ۔

(۳) یعنی وہ قصیدہ جو آرام کے نام خط (۱) میں درج ھے ۔

برجوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے - خط تمہارا مع اشتہار کے پہنچا - یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان امیروں میں تین آدمی : نواب حسن علی خاں(۱)، نواب حامد علی خاں، حکیم احسن‌اللہ خاں(۲) - سو اون کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں - معہذا یہاں کی اقامت میں تذبذب - خدا جانے کہاں جائیں، کہاں رہیں - حکیم احسن‌اللہ خاں نے ''آفتاب عالمتاب'' کی خریداری کر لی ہے، اب وہ مکرر ''حالات دربار شاہی'' کیوں لیں گے؟ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے - وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے؟ تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو - رہا نام اس رسالے کا، تاریخی جانے دو، ''رستخیز ہند''، ''غوغاے سپاہ''، ''فتنۂ محشر''، ایسا کوئی نام رکھو - -

اب تم یہ بتاؤ کہ رئیس رام پور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا ''معیارالشعرا'' جاتا ہے یا نہیں؟ اب کے تمہارے ''معیارالشعرا'' میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی کہ امیر شاعر (۳) اپنی غزلیں بھیجتے ہیں - ہم کو جب تک اون کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا، ہم اون کے اشعار نہ چھاپیں گے - سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر تخلص کرتے ہیں - لکھنئو کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں اور اب وہ رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں - میں اون کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں - میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو، یعنی غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور اوس کے لکھنے سے اون کا نام اور اون کا حال معلوم

---

(۱) نواب نجابت علی خاں والی جھجر کے چھوٹے بیٹے تھے اور تین ہزار روپے، ماہوار پنشن جھجر سے پاتے تھے -

(۲) حامد علی خاں اور احسن اللہ خاں دونوں کے حالات بیان ہو چکے ہیں -

(۳) مراد امیر مینائی ہیں، جو نواب یوسف علی خاں کے پاس رام پور آ گئے تھے -

ہوا۔ نام اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں، اوس کو اب کے ''معیارالشعرا،، میں چھاپ کر ایک دو ورقہ یا چہار ورقہ رام پور اون کے پاس بھیج دو اور سرنامہ پر یہ لکھو:

''در رام پور بر در دولت حضور رسیدہ بخدمت مولوی امیر احمد صاحب امیر تخلص برسد،،۔ اور مجھ کو اس امر کی اطلاع دو کہ رام پور کو تمہارا اخبار جاتا ہے یا نہیں؟

مرسلہ یک شنبہ ۱۲- جون ۱۸۵۹ء

غالب

(۲۲)

برخوردار نور چشم منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب میں تو منتظر تمہارے آنے کا تھا، کس واسطے کہ منشی بہاری لال بھائیوں میں ہیں ماسٹر رامچندر کے، انہوں نے پرسوں مجھ سے کہا تھا کہ منشی شیو نرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح ناگاہ تمہارا خط آیا۔ اب مجھ کو اس کا پوچھنا تم سے ضرور ہوا کہ آنے کی خبر تمہارے جھوٹ تھی یا ارادہ تھا اور کسی سبب سے موقوف رہا؟ بابو ہر گوبند سہائے کا میں بڑا احسان مند ہوں۔ حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر میں ان کو عمر و دولت دے۔ سعادت مند اور نیک بخت آدمی ہیں۔

تمہاری خواہش کو اچھی طرح سمجھا نہیں۔ مصرع تم نے لکھا اور وہ چھاپا گیا۔ ہزار، پانسو دو ورقے چھپ گئے۔ اب جو مصرع اور کہیں سے ہم پہنچے گا وہ کس کام آئے گا؟ خود لکھتے ہو کہ پہلا جز تم کو بھیجا ہے۔ صبر کرو، وہ جزو آنے دو۔ میں اس کو دیکھ لوں۔ یقین ہے کہ قلمی ہوگا۔ اوس کو دیکھ کر اور مضامین کو سمجھ کر مصرع بھی تجویز کردوں گا، مگر اتنا تم اور بھی لکھو کہ آیا یوں منظور ہے کہ اس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھو یا یہی چاہتے ہو کہ یہ بھی رہے اور وہ

بھی رہے ؟ خط تمہارا آج آ گیا ہے۔ یہ غالب پاکٹ یا آج شام کو یا کل شام تک آ جائے گا۔

سہ شنبہ ۱۹- جولائی ۱۸۵۹ء

(۲۳)

برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو، تمہارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ ''بغاوت ہند،، پہنچا۔ تمہارے تصمیم عزیمت سے میں خوش ہوا۔ اللہ اللہ اپنے یا بنسی دھر کے پوتے کو دیکھوں گا(۱)۔ رسالہ ''بغاوت ہند،، ماہ بماہ اور ''معیارالشعرا،، ہر مہینے میں دوبار پہنچتا رہے۔ باقی گفتگو عندالملاقات ہو رہے گی اپنے شفیق دلی ماسٹر رام چندر صاحب کو تمہارے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انہوں نے میرے رقعے کے جواب میں لکھا ہے، وہ تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لینا۔ اگر ''دستنبوئیں،، باقی ہوں تو دو اپنے ساتھ لے آنا۔

شنبہ ۲۳- جولائی ۱۸۵۹ء غالب

(۲۴)

میاں،

یہ کیا معاملہ ہے؟ ایک خط اپنی رسید کا بھیج کر پھر تم چپکے ہو رہے۔ (۱) نہ ''معیارالشعر،، نہ ''بغاوت ہند،، ، نہ میرے خط کا جواب، نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار نواب شہاب‌الدین خاں نے اگست سے دسمبر تک پنج ماہہ ''معیارالشعرا،، اور ''بغاوت ہند،، کا بھیجا ہے۔ یعنی تین روپے بارہ آنے مجھ کو دیے اور میں نے ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں

---

(۱) مطلب یہ کہ آرام نے اطلاع دی تھی ، میں دھلی آ رہا ہوں۔

پہنچا؟ جب ان مطالب جزوی کا یہ حال ہے تو کتاب اور انگریزی عرضی کا ابھی کیا ذکر ہے(۱)؟ خدا کے واسطے ان سب مقاصد کا جواب جدا جدا لکھو۔ آج اگست کی ۱۷- بدھ کا دن ہے۔ پہلا لمبر ''معیارالشعرا،، کا بھی نہیں آیا۔ یہ ہے کیا؟ مہر تمہاری کھدنی شروع ہو گئی ہے۔ اسی اگست کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔

اچھا میرا بھائی اس خط کا جواب جلدی پاؤں اور کتاب اور عرضی کا بھی تقاضا کروں تو بعید نہیں۔ مگر آج شام تک اس خط کو رہنے دوں گا۔ اگر تمہارا خط یا ''معیارالشعرا،، یا ''بغاوت ہند،، یا کوئی لفافہ شام تک آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالوں گا۔ ورنہ کل صبح کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ اپنے والد کو دعا۔ اور اشتیاق دیدار کہہ دینا۔

مرقومہ چہارشنبہ ۱۷- اگست ۱۸۵۹ء وقت دوپہر(۲)

(۲۵)

کیوں میری جان، تم نے خط نہ لکھنے کی قسم کھائی ہے یا لکھنا ھی بھول گئے ہو؟ شہر میں ہو یا نہیں ہو؟ تمہارے مطبع کا کیا حال ہے؟ تمہارا کیا طور ہے؟ تمہارے چچا کا مقدمہ کیونکر فیصل ہوا؟ میرا کام تم نے کس طرح درست کیا؟ کروگے یا نہیں؟ ''معیارالشعرا،، کا پارسل پہنچ گیا، ''بغاوت ہند،، کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھو اور شتاب لکھو۔

محررہ پنجشنبہ ۲۲- ستمبر ۱۸۵۹ء غالب

(۲۶)

میری جان!

دو جلدیں ''بغاوت ہند،، کی پرسوں میرے پاس پہنچیں۔ اس وقت برخوردار

---

(۱) کتاب سے مراد غالباً ''دستنبو،، کا نسخہ ہے۔ جیسا کہ خط (۲۶) سے واضح ہو گیا۔ عرضی سے مراد وہ درخواست تھی جو میرزا آرام سے انگریزی میں ترجمہ کرا کے ولایت بھیجنا چاہتے تھے۔

(۲) ۲۳ جولائی کے بعد سے ۱۷- اگست تک کا کوئی خط نہیں، حالانکہ حقیقتاً اتنی لمبی مدت تک خط و کتابت ملتوی نہ رہی ہوگی معلوم ہوتا ہے چند خط تلف ہو گئے۔

میرزا شہاب‌الدین خاں بیٹھے ہوئے تھے، ایک جلد اون کو دی۔ کل ایک پارسل اور میرے نام کا آیا۔ میں خوش ہوا کہ ولایت کی عرضی اور "دستنبو" کا پارسل ہوگا۔ دیکھا تو وہی دو جلدیں "بغاوت ہند" کی ہیں۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا؟ ظاہرا مہتمان ارسال نے از راہ سہو دوبارہ بھیج دی ہیں۔ چاہتا تھا کہ لفافہ بدل کر ڈبل ٹکٹ لگا کر بھیج دوں، پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کروں۔ شاید یہیں کسی اور کو دلوا دو۔ بس اب تمہارے کہنے کا انتظار ہے۔ جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو بھیج دوں، کہو کہیں اور تمہاری طرف سے بھیج دوں۔ میرے کسی کام کی نہیں۔ والدعا

مرقومہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء راقم اسداللہ

(۲۷)

برخوردار شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو: کیا میرے خط نہیں پہنچتے کہ جواب ادھر سے نہیں آتا؟ دو مجلد "بغاوت ہند" کے زیادہ پہنچے ہیں۔ اس واسطے تم سے پوچھا گیا تھا۔ اس کا بھی تم نے جواب نہ لکھا۔ میں نے یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمہارے نام لکھی تھی، کیا انہوں نے تمہیں نہ پڑھائی ہوگی؟ ولایت کی عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں، جو اس کا جواب مانگوں۔ کچھ مجھ سے خفا ہو گئے ہو تو ویسی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تا کہ تم کو تقاضا معلوم ہو۔

اے لو ایک اور بات سنو۔ تمہارا تو یہ حال کہ مجھ کو خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے اور میری خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر، جو وہاں تم کو معلوم ہوا کرے، مجھ کو لکھا کرو، خصوصاً اکبر آباد میں(۱) میں آکر جو کچھ واقع ہو، وہ مفصل لکھو۔ آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آئیں گے یا جدا جدا آکر یہاں فراہم ہو جائیں گے؟ دربار کی صورت خیر خواہوں کے تقسیم انعام کی حقیقت، کوئی نیا بندوبست جاری ہوا، اس کی کیفیت، یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو۔ دیکھو، خبردار اس امر میں تساہل نہ کرنا۔

---

(۱) آگرہ۔

اب کیا سنتے ہو؟ لکھنئو سے کہاں آئے ہیں ؟ کانپور، فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرے آئیں گے ؟ کہاں کہاں کون کون رئیس ملے گا۔؟ لکھنئو کے دربار کا حال جو کچھ سنا ہو، وہ لکھو۔ اگر چہ یہاں لوگوں کے ہاں اخبار آتے رہتے ہیں اور میری بھی نظر سے گزر جاتے ہیں ۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خط سے آ گہی پاتا رہوں۔ تم جو لکھو گے مفصل اور منقح لکھو گے۔ یقین ہے کہ برادر زادۂ عزیز یعنی تمہارے والد صاحب نے مرزا یوسف علی خاں کے کام کی درستی لالہ جوتی پرشاد(۱) کی سرکار میں کر دی ہوگی۔ اس کی بھی اطلاع ضرور ہے۔

صبح چہار شنبہ ۲۷- نومبر ۱۸۵۹ء

جواب کا طالب غالب

(۲۸)

برخوردار،

دو خط آئے اور آج یک شنبہ ۱۳- نومبر کو لفافہ' اخبار آیا۔ یہ اودھ اخبار بھائی ضیاءالدین کے ہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیج دیا کرتے ہیں ۔ اس کی حاجت نہیں ۔ اپنے اور میرے ٹکٹ کیوں برباد کرو۔ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بہ سبب قرب کے وہاں معلوم ہوتے ہوں گے ۔ جو سنو، وہ مجھ کو لکھو اور جب نواب معلیٰ القاب آگرے میں آ جائیں تو اپنا مشاہدہ مجھ کو لکھتے رہو۔ بس غرض اتنی ہی ہے۔ آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیج دیتا ہوں اور دونوں کتابیں ''بغاوت ہند،، پرسوں بھیج چکا ہوں۔

تمہارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے ۔ دعا کر رہا ہوں، خدا میری دعا قبول کرے اور اون کو شفاے کامل دے ۔ میری دعا ان کو پہنچا دینا۔

---

(۱) بظاہر یہ وہی راجہ جوتی پرشاد ہے، جس کے متعلق ''تلامذۂ غالب،، میں ہے کہ آرام کا والد نند لال اس کی سرکار میں مختار عام ہو گیا تھا۔

مرزا یوسف علی خاں عزیز کا حال معلوم ہوا۔ یہ عالی خاندان اور ناز پروردہ آدمی ہیں۔ ان کو جو راحت پہنچاؤ گے اور جو اون کی خدمت بجا لاؤگے، اوس کا خدا سے اجر پاؤگے۔ زیادہ سوائے دعا کے کیا لکھوں؟
روز یک شنبہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۹ء غالب

(۲۹)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعاے دوام دولت پہنچے۔ کل رات تمہارا خط پہنچا۔ دل خوش ہوا۔ باقر علی خاں اور حسین علی خاں یہ دونوں میرے پوتے ہیں اور تم بھی میرے پوتے ہو۔ چونکہ تم عمر میں بڑے ہو تو پہلے تم اور بعد تمہارے یہ۔ میں حسب‌الطلب نواب صاحب کے دوستانہ یہاں آیا ہوں اور اپنی صفائی بذریعہ ان کے گورنمنٹ سے چاہتا ہوں(۱)۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ کتاب اور عرضی اواسط ماہ جنوری میں ولایت کو روانہ کر کے یہاں آیا ہوں چھ ہفتے میں جہاز پہنچتا ہے۔ یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا (۲) :

به بینم که تا کردگار جہاں
دریں آشکارا چه دارد نہاں

---

(۱) ظاہر ہے کہ یہ خط رام پور سے لکھا گیا، جہاں میرزا غالب پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۶۰ء میں گئے تھے اور دو مہینے رہ کر مارچ میں واپس دہلی پہنچ گئے تھے۔ اس زمانے میں پنشن بند تھی اور میرزا کی کوشش یہ تھی کہ نواب یوسف علی خاں کی وساطت سے حکومت انگلشیہ کے ساتھ صفائی ہو جائے اور پنشن حسب سابق ملنے لگے۔

(۲) میرزا کی دقیقہ سنجی اور کمال تحریر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ضمناً اور بلا قصد گرد و پیش کے ایسے حالات بیان کر جاتے ہیں، جنہیں چن چن کر جمع کیا جائے تو ان کے عہد کا ایک عمدہ مرقع تیار ہو جائے۔ مثلاً یہاں بیان فرما گئے کہ جہاز چھ ہفتے میں ولایت پہنچتا تھا۔

اپنے والد کو میری دعا کہہ دینا ۔ میرزا یوسف علی خاں کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ میں تمہاری فکر سے فارغ نہیں ہوں ۔ اگر خدا چاہے تو کوئی راہ نکل آئے ۔

سہ شنبہ ۳۔ مارچ ۱۸۶۰ء

غالب

(۳۰)

برخوردار اقبال آثار منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ ایک نسخہ ''بغاوت ہند،، اور ایک دو ورقہ ''معیارالشعرا،، کا معرفت برخوردار مرزا شہاب‌الدین خاں کے پہنچا اور آج چہار شنبہ ۱۴۔ مارچ کی ہے کہ ایک نسخہ ''بغاوت ہند،، بھیجا ہوا تمہارا رام پور پہنچا ۔ خدا تم کو جیتا رکھے اب میں شنبہ کے دن ۱۷ مارچ کو دلی روانہ ہوں گا ۔ تم کو بطریق اطلاع لکھا ہے ۔ اب بدستور ارسال خط دلی کو رہے، یہاں نہ بھیجنا ۔ ہاں بھائی ، ان دنوں میں برخوردار مرزا یوسف علی خاں وہاں آئے ہوئے ہیں(۱) آج ہی اون کا خط مجھ کو پہنچا ہے، تم ضرور ان سے ملنا منشی امیر علی صاحب کے ہاں وہ اترے ہوئے ہیں ۔ ان کو بلا کر میری دعا کہنا اور کہنا کہ اچھا ہے دلی چلے آؤ ۔ وہاں جو مجھ سے ملوگے تو زبانی سب کام ہو رہے گا ۔ اور اگر وہ ہاترس گئے ہوں تو یہ رقعہ جو تمہارے نام کا ہے ایک کاغذ میں لپیٹ کر ٹکٹ لگا کر ہاترس کو شیخ کریم چوکیداروں کے دفعدار کے گھر کے پتے پر بھیج دینا ۔ ضرور، ضرور

روان داشتہ، چہار شنبہ ۱۴۔ مارچ ۱۸۶۰ء وقت دوپہر　　　از غالب

---

(۱) یوسف علی خاں عزیز کے اکبر آباد پہنچنے کا ذکر میرزا غالب نے ۲ نومبر کے خط میں کیا ہے ۔ یہ بھی لکھا کہ آرام کے والد منشی نند لال نے جوتی پرشاد کے ہاں عزیز کے روزگار کا انتظام کر دیا ہوگا ۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آرام کو عزیز کی قیامگاہ کا بھی علم نہ تھا ۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ عزیز ایک مرتبہ آگرے ہو کر کسی دوسری جگہ چلے گئے تھے اور دوبارہ آگرے پہنچے؟ لہذا ان کی قیامگاہ سے آرام بے خبر تھے ۔

میاں،

دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو۔ تب کچھ کلام کرو۔ میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا، سرنامے پر لکھا تھا: عرضداشت ''عظیم‌الدین احمد من مقام میرٹھ''۔ واللہ باللہ اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم‌الدین کون ہے اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہ ہر حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔ پھر چپ ہو رہا۔ جب میں رام پور سے میرٹھ آیا، بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں اترا۔ وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے دوست قدیم مجھ سے ملے۔ انہوں نے کہا کہ اپنا اردو دیوان مجھ کو بھیج دیجیے گا۔ عظیم‌الدین ایک کتاب فروش اس کو چھاپا چاہتا ہے۔

اب تم سنو: دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا؟ ہاں میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا، تو بھائی ضیاءالدین خاں صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لے کر، اس کو کسی کاتب سے لکھوا کر، مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاالدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا۔

آمدم بر سر مدعاے سابق ۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا تو مجھے یہی کہتے بن آئی: ''اچھا، دیوان میں ضیاالدین خاں سے لے کر بھیج دوں گا، مگر کاپی کی تصحیح کا ذمہ کون کرتا ہے؟'' نواب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ ''میں''۔ اب کہو میں کیا کرتا؟ دلی آکر ضیاالدین خاں سے دیوان لے کر، ایک آدمی کے ہاتھ نواب مصطفیٰ خاں صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟

آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ خاں کو ایک خط بھیجا ہے اور اون کو لکھا ہے، اگر چھاپا شروع نہ

ہوا ہو تو نہ چھاپا جائے اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے ۔ اگر دیوان آ گیا تو فوراً تمہارے پاس بھیج دوں گا اور اگر وہاں کاپی شروع ہو گئی ہے تو میں ناچار ہوں۔ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اگر سرگزشت کو سن کر مجھ کو گنہگار ٹھہراؤ، تو اچھا میرا بھائی، میری تقصیر معاف کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے۔ یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو اور دیوان میرا میرے پاس آئے اور تم کو پہنچ جائے۔

۱۹ یا ۲۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پور گیا ہوں۔ تین مہینے کی جہاز کی آمد و رفت ہے، سو گزر چکی ہے۔ خواہی اس مہینے میں، خواہی آغاز ماہ آیندہ یعنی مئی میں جواب کے آنے کا مترصد ہوں۔ دیکھیے آئے یا نہ آئے۔ آئے تو خاطرخواہ آئے یا ایسا ہی سرسری آئے ۔

(اپریل ۱۸۶۰ء)

(۳۲)

صاحب،

میں تمہارا گنہ گار ہوں۔ تمہاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت سے وہاں اسے چھپنے نہ دیا اور منگوا لیا۔ آج پیر کے دن، ۲۰ جون کو پارسل کی ڈاک میں روانہ کیا ہے۔ لو، اب میری تقصیر معاف کرو مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضا مندی کی مجھے اطلاع دو۔ یہ کتاب یعنی دیوان ریختہ تم کو میں نے دے ڈالا، اب اس کے مالک تم ہو۔ میں نہیں کہتا کہ چھاپو، میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو۔ جو جی میں ہو، سو کرو۔ اگر چھاپو تو بیس جلد کا خریدار مجھ کو لکھ لو ور اچھا میرا میاں، ذرا تصحیح کا بہت خیال رکھو ۔(۱)

---

(۱) اس خط کا عکس مہیش پرشاد کے مرتبہ خطوط میں چھپا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غالب ''درا'' کو ز سے لکھتے تھے یعنی ''زرا''۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ میرزا نے جو دیوان آرام کو بھیجا تھا۔ نیز یہ خط ، دونوں چیزیں پنڈت گوپی ناتھ کنزرو کے پاس ہیں۔

(۳۳)

میاں،

تمہاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے اور وہ کون سی دو چار غزلیں ہیں، جو میرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ہیں اور اس دیوان میں نہیں؟ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں۔ معہذا ان سے بھی کہوں گا اور وہ غزلیں ان سے منگوا کر دیکھ لوں گا۔

تصویر میری لے کر کیا کرو گے؟ بیچارہ عزیز کیوں کر کھچوا سکے گا؟ اگر ایسی ہی ضرورت ہے تو مجھ کو لکھو۔ میں مصور سے کھچوا کر تم کو بھیج دوں۔ نہ نذر درکار، نہ نیاز۔ میں تم کو اپنے فرزندوں کے برابر چاہتا ہوں اور شکر کی جگہ ہے کہ تم فرزند سعادت مند ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور مطالب عالیہ کو پہنچائے۔

سہ شنبہ ۳۔ جولائی ۱۸۶۰ء غالب

(۳۴)

میاں،

میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔ میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب تمہارا بھیجا ہوا فرمہ مجھ کو دیں اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمہارا ارادہ اس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو، میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم(۱) نے کس عجز و الحاج سے دیوان لیا تھا اور میں نے نظر تمہاری ناخوشی پر نہ جبر اس سے پھیر لیا؟ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں؟ تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا، میں سمجھا کہ تم خفا ہو۔ میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیو نرائن

---

(۱) یعنی عظیم الدین۔

سے میری تقصیر معاف کروا دینا۔ بھائی خدا کی قسم میں تم کو اپنا فرزند دلبند سمجھتا ہوں، اس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے؟ رام پور سے وہ دیوان صرف تمہارے واسطے لکھوا کر لایا(۱)۔

دلی میں تصویر بہ ہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی اور دونوں چیزیں تم کو بھیج دیں۔ وہ تمہارا مال ہے۔ چاہو اپنے پاس رکھو، چاہو کسی کو دے ڈالو، چاہو پھاڑ کر پھینک دو۔ تم نے "دستنبو" کی جدول بنوا کر ہم کو سوغات بھیجی تھی۔ ہم نے اپنی تصویر اور اردو کا دیوان تم کو بھیجا۔ میرے پیارے دوست ناظر بنسی دھر کی تم یادگار ہو:

۱۰- جنوری ۱۸۶۲ء　　　　خوشنودی کا طالب، غالب

(۳۵)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو، تصویر پہنچی، تحریر پہنچی۔ سنو میری عمر ستر برس کی ہے(۲) اور تمہارا دادا میرا ہم عمر اور ہم باز(۳) تھا اور میں نے اپنے نانا صاحب خواجہ غلام حسین مرحوم سے سنا کہ تمہارے پردادا صاحب کو اپنا دوست بناتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں بنسی دھر کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں۔ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ سو سوا سو برس کی ہماری تمہاری ملاقات ہے۔ پھر آپس میں میں نامہ و پیام کی راہ و رسم نہیں اور اس راہ و رسم کے مسدود ہونے کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں۔ اگر تم کو میرے

---

(۱) یہاں ایک عجیب پیچ ہے، جس کا کوئی اطمینان بخش حل نہیں مل سکا۔ میرزا نے رام پور سے دیوان کی نقل نواب ضیاءالدین احمد خاں کی فرمایش پر لی تھی۔ وہی نقل میرٹھ بھیجی گئی اور وہ میرٹھ سے واپس منگا کر آرام کے حوالے کر دی گئی۔ پھر دہلی میں دیوان کی طباعت کس نسخے کی بناء پر شروع ہوئی تھی؟ آیا میرزا نے رام پور سے دوسری نقل حاصل کر لی تھی، یا ضیاءالدین احمد خاں نے اس دیوان کی ایک نقل کرا لی تھی، جو ان کے لیے میرزا نے رام پور میں نقل کرایا تھا؟

(۲) ۱۸۶۳ء (۱۲۷۹ھ—۱۲۸۰ھ) میں میرزا کی عمر بہ حساب سنین قمری سر سٹھ برس اور بہ حساب سنین شمسی چھیاسٹھ برس تھی۔

(۳) ہم باز یعنی ساتھ کھیلنے والا۔

حال سے آگاہی ہوئی تو مجھ کو بسبیل ڈاک کبھی اکبر آباد نہ بلاتے۔

لو اب میری حقیقت سنو۔ چھٹا مہینا ہے کہ سیدھے ہاتھ میں ایک پھنسی نے پھوڑے کی صورت پیدا کی۔ پھوڑا پک کر، ایک زخم، زخم کیا ایک غار بن گیا۔ ہندوستانی جراحوں کا علاج رہا۔ بگڑتا گیا۔ دو مہینے سے کالے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلائیاں دوڑ رہی ہیں۔ استرے سے گوشت کٹ رہا ہے۔ بیس دن سے صورت افاقت کی نظر آنے لگی ہے۔

اب ایک اور داستان سنو۔ غدر کے رفع ہونے اور دلی کے فتح ہونے کے بعد میرا پنسن کھلا۔ چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔ آیندہ کے لئے بے کم و کاست جاری ہوا، مگر لاٹ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی اور مقرری تھا، مسدود ہو گیا، یہاں تک کہ صاحب سکرتر بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات کبھی منظور نہیں۔ میں فقیر متکبر، مایوس دائمی ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔

بڑے لاٹ صاحب کے ورود کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا۔ خیر، کرو، مجھ کو کیا؟ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا اور کہا نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اس دائیں ہاتھ کے زخم کے، سیدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اٹھنا دشوار ہے۔ بہ ہر حال سوار ہوا، گیا، پہلے صاحب سکرتر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا، بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی، وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سے اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جا، دربار میں شریک ہو، خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا۔ خیر، اور کبھی کے دربار میں شریک ہونا۔ اس پھوڑے کا برا ہو۔ انبالے نہ جا سکا۔ آگرے کیوں کر جاؤں؟

بابو ہرگوبند سہائے کو سلام۔ مضمون واحد

---

(۱) مئی ۱۸۶۳ء۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر

مرزا حاتم علی بیگ کے پردادا نادر شاہ کے ساتھ اصفہان سے ہندوستان آئے تھے اور واپس جانے کے بجائے ہندوستان میں مقیم ہو گئے۔ مرزا کے دادا رکن الدولہ مرزا مراد علی خاں بہادر غالباً ہندوستان میں پیدا ہوئے، وہ شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے مصاحب بن گئے تھے، علاقہ دلمئو کی نظامت ان کے سپرد تھی۔ مرزا مہر کے والد فیض علی بیگ انگریزی عملداری میں تحصیلدار رہے۔ مہر ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء میں بمقام لکھنئو پیدا ہوئے، جہاں ان کا خاندان مستقل طور پر مقیم تھا۔ کم عمر ہی تھے کہ والد فوت ہو گئے، والدہ نے بڑے اہتمام سے تعلیم کا انتظام کیا۔ ۱۸۴۰ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے چنار گڑھ (ضلع مرزا پور) میں منصف مقرر ہوئے۔ خود لکھتے ہیں :

از بسکہ سوزِ ہجر سے خوگر ہوئے ہیں ہم
منصف چنار گڑھ میں مقرر ہوئے ہیں ہم

مہر کے ایک بھائی عنایت علی بیگ تھے۔ دونوں بھائیوں کو ایک ہی وقت میں شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ عنایت علی بیگ نے ماہ تخلص رکھا اور آتش کی شاگردی اختیار کی۔ حاتم علی بیگ مہر تخلص اختیار کر کے ناسخ کے شاگرد ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مہر نے اپنے ماموں سخاوت علی بیگ کی امداد سے سات انگریزوں کی جانیں بچائیں اور اپنی حفاظت میں رکھا۔ اس خدمت کے صلے میں انہیں بائیس پارچے کا خلعت، مالائے مروارید، ایک گھوڑا مع اسلحہ ملا، نیز دو گاؤں بطور جاگیر عطا ہوئے۔ میرزا غالب نے خط (۴) میں اسی اعزاز کا ذکر کیا ہے۔

پھر مہر لکھنئو سے آگرے میں میں منتقل ہو گئے اور وہاں وکالت شروع کر دی۔ چنانچہ نساخ نے "سخن شعرا" میں انہیں "وکیل عدالت دیوانی اکبر آباد" ہی لکھا ہے (ص ۴۷۸) ان کے بھائی عنایت علی بیگ متخلص ماہ بھی آگرے ہی میں آ گئے تھے۔ نساخ نے انہیں مصاحب راجا بلوان سنگھ (فرزند مہاراجہ چیت سنگھ) بتایا ہے(ص ۴۰۷)۔

مہر آگرے میں نواب معتمد خاں کی مسجد کے متصل رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آنریری مجسٹریٹ بھی مقرر ہوئے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں اپنے بیٹے میرزا سخاوت علی بیگ تحصیلدار سے ملنے کے لیے ایٹہ گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ راجہ بلوان سنگھ نے مہر کی شاگردی اختیار کر لی تھی۔

نساخ نے بھی بلوان سنگھ تخلص بہ راجہ کے ضمن میں یہی لکھا ہے ("سخن شعرا" ص ۱۷۴) بلوان سنگھ ہر مہینے پچاس روپے مہر کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتے تھے۔ میرزا مہر کا ابتدائی منظوم کلام ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہو گیا۔ وہ خود کہتے ہیں :

اس عہد میں ہر اک تہ چرخ کہن لٹا
اوروں کا زر لٹا ، مرا نقد سخن لٹا

بقیہ تصانیف کی کیفیت یہ ہے :

۱ - دیوان اردو موسوم بہ "الماس درخشاں"

۲ - رسالہ "پیرایۂ عروض"

۳ - ایاغ فرنگستان (یعنی ابتداءً عہد انگلشیہ کی تاریخ جو ۱۸۷۲ء میں طبع ہوئی)

۴ - "داغ دل مہر" (واسوخت)

۵ - "داغ نگار" (مثنوی)

۶ - "شعاع مہر" (مثنوی)

۷ - "بیان بخشایش" (مثنوی)

اس کے علاوہ ''ہمدم آخرت،، ''پنجۂ مہر،، - ''توقیر شرف،، وغیرہ کے نام سنے جاتے ہیں - غارت شدہ کلام میں ''خار عشق،، - ''انجام عشق،، - ''کشکول،، وغیرہ شامل تھے، جن کی مفصل کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔

ان شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا، جن سے مہر کی ملاقات تھی اور اس کا نام ''محیط آشنا،، رکھا تھا - ''قاعدۂ نظم،، کے نام سے بھی ایک تصنیف کا ذکر دیکھا ہے -

میرزا غالب سے خط و کتابت کی ابتدا ۱۸۵۸ء میں ہوئی اور آخری خط ۱۸۶۰ء کا ہے - یقین ہے کہ اس کے بعد بھی سلسلہ مکاتیب جاری رہا ہوگا۔ دوسرے متعدد مکتوب الیہم کی طرح مہر کے نام مکاتیب کا خاصا حصہ بظاہر تلف ہو گیا۔

(۱)

بہت سہی غم گیتی، شراب کیا کم ہے؟
غلام ساقی کوثر ہوں، مجھ کو کیا غم ہے؟
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟

علاقہ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے، مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے۔ مانا کہ روشناسی اوس(۱) کے اجارے میں آئی ہے، یہ (۲) بھی دلیل آشنائی ہے - کیا فرض ہے کہ جب تک دید، وادید نہ ہو لے اپنے کو بیگانۂ یک دگر سمجھیں؟

---

(۱) بینائی - (۲) شنوائی -

البته ہم تم دوست دیرینہ ہیں، اگر سمجھیں ۔ سلام لکھا تھا (۱)، آپ کی نظر سے گزر گیا ہو۔ احیاناً اگر نہ دیکھا ہو تو اب مرزا تفتہ سے لے کر پڑھ لیجیے گا اور خط کے لکھنے کے احسان کو اس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجیے گا۔

ہائے میجر جان جاکوب، کیا جوان مارا گیا ہے ۔ سچ، اس کا شیوہ یہ تھا کہ اردو کی فکر کو مانع آتا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ بندہ پرور! یہ بھی انہیں میں ہے کہ جن کا میں ماتمی ہوں۔ ہزارہا دوست مر گئے۔ کس کو یاد کروں اور کس سے فریاد کروں؟ جیوں تو تو کوئی غمخوار نہیں، مروں تو کوئی عزادار نہیں ۔

غزلیں آپ کی دیکھیں ۔ سبحان‌اللہ، چشم بد دور۔ اردو کی راہ کے تو سالک ہو، گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی بھی خوبی میں کم نہیں۔ مشق شرط ہے۔ اگر کہے جاؤ گے، لطف پاؤ گے ۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال ہے :

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود، بہ شد

جب آپ نے بغیر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیوں کر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی تمنا نہ ہو؟ پہلے تو اپنا حال لکھیے کہ میں نے سنا تھا، آپ کہیں کے صدر امین ہیں، پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین ہیں؟ اس ہنگامہ(۲) میں آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی؟ راجہ بلوان سنگھ (۳) کا بھی حال لکھنا ضرور ہے ۔ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار مہینا جوان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا، اب بھی ملتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) تفتہ کے نام خط میں جیسا کہ میرزا نے خود واضح کر دیا ہے۔
(۲) ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ جسے انگریز "غدر" کہتے تھے۔
(۳) فرزند راجا چیت سنگھ والی بنارس۔ جب وارن ہیسٹنگز کی زر طلبی اور سخت گیری سے تنگ آکر چیت سنگھ بنارس سے نکلا تو گوالیار میں جا بیٹھا۔ وہ فوت ہو گیا تو بلوان سنگھ اور اس کی والدہ آگرے میں مقیم ہو گئے۔ سرکار انگریزی نے بلوان سنگھ کے لیے دو ہزار روپے مہینا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑانے کا ذکر میرزا نے شیو نرائن کے نام خط نمبر ۲ میں کیا ہے۔ مہر شعر گوئی میں بلوان سنگھ کے استاد تھے۔

ہائے لکھنئو! کچھ نہیں کھلتا کہ اس بہارستان پر کیا گزری؟ اموال کیا ہوئے؟ اشخاص کہاں گئے؟ خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا؟ قبلہ و کعبہ مجتہدالعصر کی سرگزشت کیا ہے(۱)؟ گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی۔ امیدوار ہوں کہ جو آپ پر معلوم ہے، وہ مجھ پر مجہول نہ رہے۔ اپنا مسکن مبارک کا ''کشمیری بازار،، سے زیادہ نہیں معلوم ہوا۔ ظاہرا اسی قدر کافی ہوگا، ورنہ آپ زیادہ لکھتے۔

میرزا تفتہ کو دعا کہیے گا اور اون کے اوس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے گا، جس میں آپ کے خط کی انہوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام

(۲)

خود شکوہ دلیل رفع آزار بس است
آید بزبان ہر آنچہ از دل برود

بندہ پرور!

فقیر شکوہ سے برا نہیں مانتا، مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا۔ شکوے کی خوبی یہ ہے کہ راہ راست سے منہ نہ موڑے اور معہذا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجایش نہ چھوڑے(۲)۔ کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کا فرخ آباد جانا معلوم ہو گیا تھا، اس واسطے آپ کو خط نہیں لکھا تھا؟ کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصہ میں کئی خط بھجوائے اور وہ الٹے پھر آئے؟ آپ شکوہ کاہے کو کرتے ہیں، اپنا گناہ میرے ذمہ دھرتے ہیں۔ نہ جاتے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں، نہ وہاں جا کر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اوس کا جواب بھجوایا۔ کہیے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں؟ بس (۳) دردمندوں کو زیادہ ستانا اچھا نہیں۔ مرزا تفتہ سے آپ فقط اون کے خط نہ لکھنے کے سبب سرگراں ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا

---

(۱) ان سے مراد بظاہر مجتہدالعصر سید محمد بن غفران مآب سید دلدار علی ہیں۔

(۲) شکوے کی کتنی صحیح، جامع اور دل نشیں تعریف ہے۔

(۳) منشی مہیش پرشاد کے مرتبہ خطوط میں یہاں ''بس،، ہے۔ لیکن میرے نزدیک ''پس،، زیادہ موزوں ہے۔ اغلب ہے اصل خط میں ''پس،، ہی ہو۔

کہ وہ ان دنوں کہاں ہیں ۔ آج توکلت علی اللہ، سکندر آباد خط بھیجتا ہوں۔ دیکھوں، کیا دیکھتا ہوں۔

(۵- مارچ ۱۸۵۸ء)

(۳)

صاحب میرے!

عہدۂ وکالت (۱) مبارک ہو۔ موکلوں سے کام لیا کیجیے، پریوں کو تسخیر کیا کیجیے۔ مثنوی پہنچی۔ جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں ۔ کیا خوب بول چال ہے۔ انداز اچھا ، بیان اچھا، روز مرہ صاف۔ حبشیوں کا استغاثہ کیا کہوں کیا مزا دے رہا ہے:

بگم صاحب پھسوڑے میں پھنسایا
چھٹا بیگم نے بے حرمت کرایا(۲)

اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ (۳) کر دیا ۔ ''بیان بخشایش،،(۴) ہم گنہ‌گاروں تک کیونکر پہنچے گا۔ مگر اس راہ سے:

کہ مستحق کرامت گناہ گار انند

''بخشش،، کا متوقع ہوں۔ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر ہے اور مضمون اوس کا کیا ہے۔

میرزا یوسف علی خاں(۵) آٹھ دس مہینے سے مع اہل و اطفال اسی شہر میں مقیم ہیں، ایک ہندو امیر کے گھر پر مکتب کا سا طور کر لیا ہے۔ میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لے لیا ہے، اوس میں رہتے ہیں۔ اون کو خط بھیجو تو میرے مکان کا پتا لکھ دینا اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامے پر محلے کا نام لکھنا ضرور نہیں ۔ شہر کا نام اور میرا نام، قصہ تمام۔

ہاں، یار عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتا ضرور ہے۔ دو روز سے ''شعاع مہر،، کو دیکھ رہے ہیں ۔ اکثر تمہارا ذکر خیر

---

(۱) عدالت دیوانی آگرہ کی وکالت۔

(۲) یہ شعر مثنوی ''شعاع مہر،، سے ہے۔

(۳) پرانی جنتری جو بالکل بیکار ہوتی ہے ۔ (۴) مہر کی ایک اور مثنوی۔

(۵) میرزا یوسف علی خاں عزیز، غالب کے شاگرد، جن کے حالات کے لیے دیکھیے ان کے نام خطوط کی تمہید۔

رهتا ہے ۔ وہ تو اب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں ۔ رات کو تو پہر چھ گھڑی کی نشست روز رہتی ہے ۔ ابھی یہیں سے اٹھ کر گئے ہیں ۔ تم کو سلام کہتے ہیں اور ''شعاع مہر،، کے مداح اور ''بیان بخشایش،، کے مشتاق ہیں ۔

(۱۸۵۸ء)

(۴)

بھائی صاحب،

تمہارا خط اور قصیدہ پہنچا ۔ اصل خط تمہارا لفافے میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیج دیا تا کہ حال اون کو مفصل معلوم ہو جائے ۔ بعد اس رپوٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں ۔ پروردگار بہ تصدق ائمہ اطہار پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچاوے ۔ واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرات کی ۔ فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلے تھے ۔ بات پیدا کی، مگر اپنی مردمی و مردانگی سے ۔ دولت کا ہات آنا مع نیکنامی، اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں ۔ اب یقین یہ ہے کہ خدمت منصبی ملے اور جلد ترقی کرو(۱)، ایسا کہ سال آیندہ تک چشم بد دور صدرالصدور ہو جاؤ ۔

اللہ اللہ، ایک وہ زمانہ تھا کہ ''مغل،،(۲) نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے، تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے ۔ اب ایک یہ زمانہ ہے کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں ۔ ان شاءاللہ تعالیٰ وہ دن بھی آ جائے گا کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں ۔ قلم بیکار ہو جائے، زبان بر سر گفتار آئے ۔ انشاءاللہ خاں کا قصیدہ بھی میں نے دیکھا ہے ۔ تم نے بہت بڑھ کر

---

(۱) جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، یہ انگریزوں کی جان بچانے اور گراں بہا صلہ پانے کا ذکر ہے ۔

(۲) مغل جان طوائف میں سے تھی ۔ دھلی میں نواب حامد علی خاں کے ہاں ملازم ہو گئی تھی، وہیں میرزا غالب سے اس کی ملاقات ہوئی تھی ۔ جیسا کہ خط نمبر ۱۷ میں مرقوم ہے ۔

لکھا ہے اور اچھا سماں باندھا ہے۔ زبان پاکیزہ، مضامین اچھوتے ، معانی نازک، مطالب کا بیان دل نشین ۔ زیادہ کیا لکھوں؟

غالب

(۵)

بندہ پرور،

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آپ کی مہرانگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلایا۔ کہاں دھیان لڑا ہے! کہاں سے ''دستنبو،، کی مناسبت کے واسطے ''ید بیضا،، ڈھونڈ نکالا ہے!! آفریں! آفریں! تیسرا مصرع اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے(۱):

نامہ خود سال خویش داد نشاں

مرزا تفتہ کا خط ہاترس سے آیا۔ اون کے لڑکے بالے اچھے ھیں۔ آپ گھبرائیں نہیں ۔ وہ آنے کے آئے ھیں۔ اگر تمہیں بدوں اون کے آرام نہیں تو اون کو بغیر تمہارے چین کہاں ؟

صاحب بندہ، اثنا عشری ھوں، ھر مطلب کے خاتمے پر ۱۲ کا ھندسہ کرتا ھوں۔ خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ھو۱۲ - ھم تم ایک آقا کے غلام ھیں ۔ تم جو مجھ سے محبت کروگے یا میری غمگساری میں محنت کروگے، کیا تم کو غیر جانوں جو تمہارا احسان مانوں؟ تم سراپا مہر و وفا ھو، واللہ اسم با مسمیٰ ھو۔

مبالغہ اس(۲) کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ھوں کہ عبارت

---

(۱) بظاھر مطلب یہ ھے کہ میرزا مہر نے ''دستنبو،، کی تاریخ میں کوئی مادہ نکالا ، جس کا بنیادی کلمہ ''ید بیضا،، تھا ۔ ''دستنبو،، اور ''ید بیضا،، کی مناسبت ظاھر ھے ۔

(۲) ''دستنبو،،

کا ڈھنگ نیا ہے۔ صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے، اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ عبارت نری خرافات ہے۔ بارے بہ سبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔ سب طرح میرے پسند آئی۔ چنانچہ ان کو لکھ بھیجا ہے، اگر ہو سکے تو سیاہی ذرا اور بھی رنگت کی اچھی ہو ۱۲۔

حضرت، چار جلدیں یہاں کے حکام کو دوں گا اور دو جلدیں ویلایت کو بھیجوں گا اللہ اللہ! کیا غفلت ہے اور کیا اعتماد ہے زندگی پر! بہ ہرحال یہ ہوس تھی اور شاید اب بھی ہو کہ اب چھ جلدوں کی کچھ تزیین اور آرایش کی جاوے۔ آپ اور بھائی صاحب اور ان کا فرزند رشید منشی عبداللطیف اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں اور بہ اجلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا جاوے۔ معہذا دو دو روپے کتاب سے زیادہ مقدور بھی نہیں۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ چار جلدیں چھ روپے میں اور دو جلدیں چھ روپے میں تیار ہوں۔ پھر سوچتا ہوں کہ یارب آرایش کی گنجایش کہاں؟ ناچار چار کتابوں کی جلد ڈیڑھ روپے کی اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپے کی بنائی جائے۔ قصہ مختصر کچھ کیا جائے یا یہی کہہ دیا جائے کہ تیری رائے کونسل میں مقبول اور صرف چھ جلدوں کی تیاری منظور ہوئی، بارہ روپے بھیج دے ۱۲، مطالب اور مقاصد تمام ہوئے اور ہم تم بہ زبان قلم با ہمدگر ہم کلام ہوئے۔

(ستمبر ۱۸۵۸ء)

(۶)

بھائی صاحب،

از روے تحریر مرزا تفتہ آپ کا چھ کتابوں کی تزیین کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہوا۔ پھر بھائی منشی نبی بخش صاحب نے دوبار لکھا کہ میں

بہ جمال لکھتا ہوں، مفصل مرزا حاتم علی صاحب نے لکھا ہوگا۔ یا رب!
ان کے دو خط آ گئے، مرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو اون کا خط کیوں
نہ آتا؟ اپنے حسن اعتقاد سے یوں سمجھا کہ نہ لکھنا بہ مقتضاے
یک دلی ہے۔ جب اپنا کام سمجھ لیے تو مجھ کو لکھنا کیا ضرور ہے؟
مگر اس کو کیا کروں کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں۔

مطبع اخبار ''آفتاب عالم‌تاب،، میں یکم ستمبر ۱۸۵۸ء حال سے حکیم
احسن‌اللہ خاں کا نام لکھوا دینا اور دو نمبروں کا اخبار ایک بار بھجوا دینا
اور آیندہ ہر ہفتے اس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا۔ کیوں صاحب یہ امر
ایسا کیا دشوار تھا کہ آپ نے نہ کیا؟ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع
دینی کیا دشوار تھی؟ ابھی شکایت نہیں کرتا، پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور
مقتضی شکایت ہیں یا نہیں(۱)۔ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ لکھ چکا
ہوں۔ کیا انھوں نے بھی وہ خط تم کو نہیں پڑھایا؟ ہر چند عقل دوڑائی،
کوئی درنگ کی وجہ خیال میں نہ آئی۔ اب حصول مدعا سے قطع نظر، میں یہ
سوچ رہا ہوں کہ دیکھوں چھ مہینے بعد، برس دن بعد، اگر مرزا صاحب
خط لکھتے ہیں تو اس امر خاص کا کیا جواب لکھتے ہیں؟ میں بھی شاعر
ہوں۔ اگر کوئی مضمون ہوتا تو میرے خیال میں آ جاتا۔ کوئی عذر ایسا
میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابل سماعت کے ہو۔ میں بھی تو دیکھوں
تم کیا لکھتے ہو؟

۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء — غالب

(۷)

مرا بہ سادہ دلیہاے من تواں بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم

---

(۱) شکایت کا یہ ایک بدیع اسلوب ہے کہ ابھی شکایت نہیں کرتا، مگر
پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور شکایت کے مقتضی ہیں یا نہیں؟

کل دو شنبہ کا دن، ۲۰۔ ستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا اور بیرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا، تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا۔ کچھ شکوے سے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ لگانے لگا۔ بکس میں سے تمہارے نام کا خط نکل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط بھول گیا ہوں اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔ بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔

سبحان‌اللہ! جلد کی آرایش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔ میرے دل میں بھی ایسی ہی باتیں تھیں۔ یقین ہے کہ متاع شاہوار ہو جائیں گی۔ اہار مہرہ(۱) اگر ہو جائے گا تو حرف خوب چمک جائیں گے۔ اس کا خیال ان چار جلدوں میں بھی رہے۔ بارہ روپے کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کر کے مجھ کو اطلاع دیجیے گا، ورنہ میں مشوش رہوں گا۔

حضرت، یہاں دو چیزیں مشہور ہیں۔ اون کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں: ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں، آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے اور ڈھنڈورا پٹ گیا ہے کہ کمپنی کا ٹھیکا ٹوٹ گیا اور بادشاہی

---

(۱) نشاستے وغیرہ کی لیئی پکا کے کاغذ اور وصلیوں پر پھیرتے ہیں۔ اس لیئی کو "اہار" کہتے ہیں جب لیئی خشک ہو جاتی ہے تو اسے مہرے سے رگڑتے ہیں تاکہ حروف خوب چمک جائیں اور قلم رواں ہو۔ یہ عمل "اہار مہرہ" کہلاتا ہے۔

عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ کہ جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر(۱) گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سکرتر اکبرآباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ خبریں دونوں اچھی ہیں، خدا کرے سچ ہوں اور سچ ہونا اون کا آپ کے خط لکھنے پر منحصر ہے۔

ہاں صاحب ایک بات اور ہے اور وہ محل غور ہے۔ میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں لکھا ہے، ''تہنیت فتح ہند اور عملداری شاہی''۔ ساٹھ بیت ہے۔ منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور کاغذ مذہب(۲) پر لکھ کر بھیجوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ دس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے یعنی چھاپا ہوئی ہے، اگر یہ چھ صفحے، یعنی تین ورق اور چھپ کر اوس کتاب کے آغاز میں شامل ہو جائیں تو بات اچھی ہے۔ آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ، منشی شیو نرائن صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں اور پھر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے۔ دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے، دوسری یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو اور پہلے صفحہ پر جس طرح کتاب کا نام چھاپتے ہیں اوسی طرح یہ بھی چھاپا جائے کہ ''قصیدہ در مدح جناب ملکہ انگلستان خلداللہ

---

(۱) سرجارج فریڈرک ایڈمنسٹن (Edmunstone) آئی۔ سی۔ ایس (۱۸۱۳—۱۸۶۴ء) ہیلی بری کالج میں تعلیم پائی۔ ۱۸۳۱ء میں ہندوستان آیا۔ سکھوں اور انگریزوں کی پہلی جنگ (۱۸۴۵ء) کے بعد ستلج و جمنا کے درمیان کی سکھ ریاستوں کا کمشنر، فنانشل کمشنر پنجاب (۱۸۵۳ء)، مرکزی حکومت میں معتمد امور خارجہ (۱۸۵۵ء) لفٹنٹ گورنر صوبہ غرب و شمال (جنوری ۱۸۵۹—فروری ۱۸۶۳ء)۔

(۲) سنہرا کاغذ۔ اس زمانے میں بادشاہوں یا امیروں کے قصیدے عموماً سنہرے یا افشانی کاغذ پر خوشخط لکھوا کر پیش کیے جاتے تھے۔

ملکھا،، میر نام کچھ ضرور نہیں ۔ کتاب کے صفحے پر تو ہوگا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب با صواب، یعنی نوید قبول، جلد لکھیے!

(۲۱ ستمبر ۱۸۵۸ء) غالب

(۸)

بھائی صاحب،

خدا تم کو دولت و اقبال روز افزوں عطا کرے اور ہم تم ایک جگہ رہا کریں۔ خدا کرے قصیدے کے چھاپے کی منظوری اور ہنڈوی کی رسید آئے، گویا صفر کے مہینے میں عید آئے۔ ہنڈوی کا روپیہ جب چاہو منگوالو(۱) اور کتابوں کی لوحیں اور جلدیں موافق اپنی رائے کے بنوالو۔

اب آپ دو ورقے کا ڈاک میں بھیجنا موقوف رکھیں اور کتابوں کی درستی پر ہمت مصروف رکھیں۔ قصیدے کے مسودے کا ورق مرزا تفتہ کے خط میں پہنچ گیا ہوگا۔ آپ نے اور مرزا تفتہ نے اور بھائی نبی بخش صاحب نے قصیدے کو دیکھا ہوگا۔ قصیدے کا شامل کتاب ہونا بہت ضروری ہے، پر دیکھا چاہیے کہ صاحب مطبع کو کیا منظور ہے۔ اگر وہ کاغذ کی قیمت کا عذر کریں تو ہم پانچ سات روپے سے اور بھی ان کا بھرنا بھر دیں گے۔

جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر سے میں صورت آشنا نہیں۔ کبھی میں نے ان کو دیکھا نہیں۔ خطوں کی میری ان کی ملاقات ہے اور نامہ و پیام کی یوں بات ہے کہ جب کوئی نواب گورنر جنرل بہادر نئے آتے ہیں تو میری طرف سے ایک قصیدہ بطور نذر جاتا ہے ۔ بے ذریعہ جناب صاحب ایجنٹ بہادر

---

(۱) منشی مہیش پرشاد کے مرتبہ خطوط میں ''منگوا لو،، کی جگہ ''منگواؤ،، ہے ۔ یقین ہے کہ میرزا غالب نے منگوا لو ہی لکھا ہوگا ، مگر نقل و کتابت میں لفظ ''منگواؤ،، رہ گیا۔ یہ ''بنوالو،، کا قافیہ تھا ۔

دهلی اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ بھجواتا ہوں اور صاحب سکرتر بہادر گورنمنٹ کا خط اس کی رسید میں بسبیل ڈاک پاتا ہوں۔ جب لارڈ کےننگ صاحب بہادر نے کرسی گورنری پر جلوس فرمایا تو موافق دستور کے قصیدہ ڈاک میں بھجوایا۔ ایڈمنسٹن صاحب بہادر چیف سکرتر کا جو مجھ کو خط آیا تو انہوں نے باوجود عدم سابقۂ معرفت میرا القاب بڑھایا۔ قبل ازیں ''خاں صاحب بسیار مہربان دوستان،، میرا القاب تھا، اس قدر شناس نے از راہ قدر افزائی ''خاں صاحب مشفق بسیار مہر بان مخلصان ،، لکھا۔ اب فرمائیے، اون کو کیوں کر اپنا محسن و مربی نہ جانوں؟ کیا کافر ہوں جو احسان نہ مانوں؟

برخوردار میرزا تفتہ کو دعا کہتا ہوں۔ بھائی اب میں اس کا منتظر رہتا ہوں کہ تم اور میرزا صاحب مجھ کو لکھو کہ لو صاحب، ''دستنبو،، کا چھاپا تمام کیا گیا اور قصیدہ چھاپ کر ابتدا میں لگا دیا گیا۔ مادۂ تاریخ میں کیا برائی ہے جو تمہارے جی میں یہ بات آئی ہے کہ مجھ سے بار بار پوچھتے ہو؟ مادہ اچھا ہے قطعہ لکھو اور خاتمۂ کتاب پر لگا دو۔ ایک قطعہ مرزا صاحب(۱) کا، ایک قطعہ تمہارا، یہ دونوں قطعے رہیں، اور اگر وہاں کوئی اور صاحب شاعر ہوں تو وہ کہیں۔ اس عبارت سے یہ نہ سمجھنا کہ روے سخن ساری خدائی کی طرف ہے، بلکہ خاص یہ اشارہ بھائی کی طرف ہے۔ مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہیے اور ان کا نام بھی اس کتاب میں چاہیے۔ اس خط کو لکھ کر بند کر چکا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے مشفق منشی شیو نرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدے کا مسودہ پہنچ گیا اور منشی صاحب نے اس کا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہو گئی۔ اب ان سے میرا سلام کہیے گا اور یہ کہیے گا :

شکر رافت ہاے تو چند انکہ رافت ہاے تو

---

(۱) مرزا صاحب سے یہاں مراد بظاہر ہر گوپال تفتہ ہیں۔

اور یہ ان کو اطلاع دیجیے گا کہ اخبار کا لفافہ ہر گز مجھ کو نہیں پہنچا، ورنہ کیا امکان کہ میں رسید نہ لکھتا۔

(۲۹- ستمبر ۱۸۵۸ء) غالب

(۹)

شفیق بالتحقیق مولانا مہر ذرۂ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں(۱) - آج یا کل پہنچ جائے گا۔ رات ایک بات اور خیال میں آئی ہے لیکن چونکہ تحکم و کارفرمائی ہے، کہتے ہوئے ڈرتا ہوں - ڈرتے ڈرتے - عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں، طلائی لوح کی، ولایت کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ چار جلدیں، جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہوں گی، ان کی صورت یہی ٹھہری ہے کہ سیاہ قلم کی لوح اور انگریزی جلد - کیوں بھائی صاحب قرارداد اور تجویز یہی ہے؟ اور پھر سمجھا چاہیے کہ یہ چار جلدیں کس کس کی نذر ہیں؟ نواب گورنر جنرل بہادر، چیف کمشنر بہادر، صاحب کمشنر بہادر دھلی، ڈپٹی کمشنر بہادر دھلی، یہ کیا میری بد وضعی ہے کہ جناب ایڈمنسٹن صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انہیں کی معرفت بھیجوں گا۔ نہ صاحب ایک جلد ان کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ گنجایش نکال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں، ایک اور بھی ایسی ہی بنوالیں۔ یقین ہے کہ آپ اس رائے کو پسند فرمائیں گے اور چار کی جگہ پانچ بنوا لیں گے۔ یہ عرض، مقبول اور یہ گستاخی کہ بار بار آزار دیتا ہوں، معاف ہو(۲)۔

۳۰- ستمبر ۱۸۵۸ء غالب

---

(۱) مکتوب (۸) مرقومہ ۲۹- ستمبر ۱۸۵۸ء -

(۲) یہ مکتوب تفتہ کے خط میں لکھ کر بھیجا تھا اور اردوے معلی کے تمام نسخوں میں تفتہ ہی کے خط کا جزو بنا رہا (دیکھیے خط ۵۴) - میں نے اسے الگ کر کے مہر کے خطوط میں شامل کر دیا۔

(۱۰)

بھائی صاحب،

آپ کے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہنچایا، بلکہ مجھ کو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا۔ کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا! مجھ کو تو بموجب اس مصرعے کے:

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے۔

حضرت، مدح کو ایک موقع ضرور ہے، مجھ کو آپ کے حکم کا بجا لانا منظور ہے۔ اس نذر کے پہنچنے کے بعد جب کوئی اون کا عنایت نامہ آئے گا تو بندۂ درگاہ مدح گستری کا جوہر دکھائے گا۔ اس نظم میں آپ کا ذکر خیر بھی آ جائے گا۔ اب یہ تو فرمائیے کہ مدت انتظار کب انجام پائے گی اور کتابوں کی خبر مجھ کو کب آئے گی؟ آپ کی فرط توجہ کا مجھے سب طرح یقین ہے۔ سیاہ قلم کی پانچوں لوحیں بھی اگر بن گئی ہوں تو کچھ عجب نہیں ہے۔ جلدوں کا بنانا البتہ چھاپے کے اختتام پر موقوف ہے۔ معلوم تو ہوتا ہے کہ بھائی نبی بخش صاحب اور ہمارے شفیق منشی شیو نرائن صاحب کی ہمت اس کے جلد انجام ہونے پر مصروف ہے۔ یارب اسی اکتوبر کے مہینے میں یہ کام انجام پا جائے اور چالیس جلدوں کا پشتارہ میرے پاس آ جائے(۱)۔

(۱۱)

مرزا صاحب،

میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔

---

(۱) اس کے بعد ایک خط تفتہ کے نام تھا جو مہر کے خط میں بھیجا گیا وہ برابر مہر ھی کے خطوں میں شامل رہا۔ اگرچہ اسے مہر سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے اسے تفتہ کے خطوں میں شامل کر دیا ہے۔ (دیکھیے مجموعہ تفتہ خط ۵۵)۔

ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے؟ اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے؟ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی، نہ کتابوں کا بیورا (۱) بھجوایا۔

مرزا تفتہ نے ہاترس سے یہ خبر دی کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کے آغاز کے اون کو دے آیا ہوں اور انہوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے، پھر اب اون دو کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے؟ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد اپنے منہائی سات جلدوں کے اسی ہفتے میں تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔ اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئیں گی؟ ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو، مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔ خدا کرے اون تینتیس جلدوں کے ساتھ یا دو تین روز آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایتی بھی آئیں تا خاص و عام کو جابجا بھیجی جائیں۔

میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ ضیاءالدین خاں اور حسین مرزا جمع کر لیتے تھے، جو میں نے کہا انہوں نے لکھ لیا۔ اون دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپے کے کتب خانے برباد ہو گئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے، ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اس نے جو وہ کاغذ مجھ کو دکھایا، یقین سمجھنا کہ رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلے میں اس خط کا جواب چاہتا ہوں :

---

(۱) خبر، پیغام ، تفصیل۔

درد منت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ اک تماشا ہوا، گلا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے؟ لے کے دل، دلستاں روانہ ہوا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

زخم گر دب گیا، لہو نہ تھا کام، گر رک گیا، روانہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا(۱)

(۱۳)

بھائی صاحب،

مطبع میں سے سادہ کتابیں، یقین ہے کہ آج کل پہنچ جائیں اور پس و پیش سات جلدیں آپ کی بنوائی ہوئی آئیں ۔ بالفعل ایک اور عقدہ سرشتۂ خیال میں پڑا ہے، یعنی از روے اخبار ''مفیدالخلائق،، ذہن لڑا ہے کہ اس ہفتے میں

---

(۱) دیوان میں اس غزل کی شعروں کی ترتیب ایک حد تک مختلف ہے :

اور مندرجہ ذیل شعر اس میں شامل نہیں ہوا :

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں

تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر آگرے آئیں گے اور وسادۂ(۱) لفٹنٹ گورنری پر اجلاس فرمائیں گے۔ اس صورت میں اغلب ہے کہ ولیم میور صاحب بہادر ان کی جگہ چیف سکرتر بن جائیں گے۔ پھر دیکھیے کہ یہ محکمہ لفٹنٹ گورنری میں اپنا سکرتر کس کو بنائیں گے؟ میر منشی اس محکمہ کے تو وہی منشی غلام غوث خان بہادر رہیں گے۔ دیکھیے ہمارے منشی مولوی قمر الدین خاں کہاں رہیں گے؟ بہ ہر حال آپ سے یہ استدعا ہے کہ پہلے کتابوں کا احوال لکھیے اور پھر جدا جدا جواب ہر سوال لکھیے(۲)۔ جب تک ایڈمنسٹن صاحب بہادر چیف سکرتر تھے تو یہ خیال میں آتا تھا کہ اون کی نذر اور نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر یعنی دو کتابیں مع اپنے خط کے اون کے پاس بھیجوں گا۔ اب حیران ہوں کہ کیا کروں! آیا ان کی جگہ سکرتر کون ہوا؟ اور یہ جو لفٹنٹ گورنر ہوئے تو انہوں نے سکرتر کس کو کیا؟ میر منشی لفٹنٹ گورنر کون رہا اور گورنر جنرل کا میر منشی کون ہے؟ جو آپ کو معلوم ہو، وہ، اور جو نہ معلوم ہو وہ دریافت کر لکھیے۔ قمرالدین خاں کا حال ضرور۔ منشی غلام غوث کا حال پر ضرور۔ بھائی، میرے سر کی قسم، اس خط کا جواب ضرور لکھنا اور ایسا واضح لکھنا کہ مجھ سا کند ذہن اچھی طرح اس کو سمجھ لے۔ زیادہ کیا لکھوں؟ غالب

(۱۳)

بھائی صاحب،

تینتیس کتابیں، بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیو نرائن کی، کل جمعہ کے دن ۱۲۔ نومبر کو پہنچیں۔ کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر میں نے

---

(۱) مسند، گدی۔

(۲) اس آخری ٹکڑے کو جامعین مکاتیب نے یوں بنا دیا: ''پھر جدا جدا جواب ہر سوال کا لکھیے''، حالانکہ مرزا نے ''کا'' یقیناً نہیں لکھا ہوگا، کیونکہ ''سوال'' و ''احوال'' کا قافیہ بنتا تھا لہذا صحیح وہی ہے، جو میں نے متن میں لکھا ہے یعنی ''جواب۔ ہر سوال''۔ لکھیے۔

از روے یقین جانا کہ طلائی کام ہر یہ کتابیں طاؤس بہشت بن جائیں گی حوریں ان کو دیکھ کر شرمائیں گی۔ یہ تو سب درست، مگر دیکھیے مجھ کو ان کا دیکھنا کب تک میسر ہو؟ آپ پر گمان تساھل کا گزرے، یہ تو کیوں کر ہو؟ ہاں صحاف جلد کے بنانے کی نسبت سے میرے حق کا جلاد نہ بن جائے، یعنی مدت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے۔

اور ہاں حضرت، کچھ ایسی پختگی ارسال کے وقت کر لیجیے گا کہ وہ پارسل آشوب تلف سے محفوظ رہے۔ بہت عزیز اور بہت کام کی چیز ہے۔ مجھ کو وہ ایک ایک مجلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یا الہی! یہ خط راہ میں ہو اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ و امان میں مجھ تک پہنچ جائے اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھیے۔ اس میں مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش است

تو بدیں آرزو مرا برساں(۱)

مرسلہ شنبہ، ۱۳- نومبر ۱۸۵۸ء

(۱۴)

بھائی جان،

کل جو جمعہ، روز مبارک و سعید تھا، گویا میرے حق میں روز عید

---

(۱) یہ خط بدیہی طور پر مرزا مہر کے نام تھا، اگر چہ یہ تفتہ کے خط میں بھیجا گیا تھا۔ جامعین نے خواہ مخواہ اسے تفتہ کے خطوں میں شامل کیا، حالانکہ تفتہ کے نام ۱۳- نومبر کو الگ خط لکھا گیا تھا اور ایک ہی تاریخ کو ایک شخص کے نام دو خط بھیجنا غیر اغلب ضرور تھا۔ پھر اس کے پورے مضمون کو تفتہ سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی اور اصل مضمون کا تعلق صرف مہر سے تھا۔

تھا۔ چار گھڑی دن رہے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد، وقت شام :

سات جلدوں کا پارسل پہنچا
واہ کیا خوب، بر محل پہنچا

آدمی کو موافق اوس کی تمنا کے آرزو بر آنی بہت محال ہے۔ میری آرزو ایسی بر آئی کہ وہ بر تر از وہم و خیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گزرتا تھا۔ میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ جلدیں بندھی ہوئی، دو کی لوحیں زریں اور پانچ کی لوحیں سیاہ قلم کی ہوں گی۔ واللہ! اگر تصور میں بھی گزرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہوں گی۔ جب تک جہان ہے، تم جہان میں رہو۔ آئمہ اطہار علیہم السلام کی امان میں رہو۔ میرا مقصود یہ تھا کہ ایک کتاب مثل ان چار کے بن جائے، نہ یہ کہ دو کتابوں کا سا رنگ دکھلائے۔ اب میں حیران ہوں کہ آیا شہار ائمہ نے ان بارہ روپے مں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ دو پارسلوں کا محصول، دو رجسٹریوں کا معمول، تین کتابوں کی لوحیں طلائی، یہ ساری بات اس روپے میں کس طرح بن آئی؟ اور کیوں کر معلوم کروں؟ کس سے پوچھوں؟ خدا کرے، تم تکلف نہ کرو اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو؟ خفقانی آدمی کو بغیر حال معلوم ہوئے آرام نہیں آتا۔ جہاں محبتیں دینی اور روحانی ہوں، تکلف وہاں کام نہیں آتا۔ زیادہ اس سے کہ شکر گزار ہوں اور شرمسار ہوں ، کیا لکھوں ؟

چارہ خاموشی ست چیرے را کہ از تحسیں گزشت

(۱۵)

بندہ پرور،

آپ کا خط کل پہنچا، اج جواب لکھتا ہوں، داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں۔ مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے یہ

پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم و اندوہ کا شکوہ گزار پایا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے، تو شکایت کی کیا گنجایش بلکہ یہ غم تو نصیب دوستاں درخور افزایش ہے۔
بقول غالب علیہ‌الرحمۃ :

کسی کو دے کے دل ، کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو؟
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں ، تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو؟

ہے ہے حسن مطلع :

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوا تو دوست جس کا، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟(۱)

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے ۔

اگر خدا نخواستہ باشد غم دنیا ہے تو بھائی ہمارے ہم درد ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ وار اٹھا رہے ہیں، تم بھی اٹھاؤ، اگر مرد ہو۔ بقول غالب مرحوم :

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریہ سحری ہے، نہ آہ نیم شبی ہے

''سحر ہوگی ،، ''خبر ہوگی،، اس زمین میں وہ شعر یعنی :

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر
جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں، نظر ہوگی

---

(۱) دیوان میں یہ مصرع یوں ہے :

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

کتنا خوب ہے اور اردو کا کیا اسلوب ہے۔ قصیدے کا مشتاق ہوں، خدا کرے کہ جلد چھاپا جائے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آ جائے۔ ''کیا کہیے،، ''بھلا کہیے،، یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی :

کہوں جو حال، تو کہتے ہو مدعا کہیے!
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کہیے
رہے نہ جان، تو قاتل کو خونبہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہیے!

اور جو ''فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن،، یہ بحر ہے، اس میں میرا ایک قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین(۱) ایک میرے دوست تھے۔ انہوں نے مجلس میں ایک چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ، اپنے کف دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر ان کو دیا اور صلے میں وہ ڈلی ان سے لی۔ اب سوچ رہا ہوں، جو شعر یاد آتے جاتے ہیں لکھتا جاتا ہوں :

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

---

(۱) مولوی کرم حسین بلگرامی شاہ اودھ کی طرف سے کلکتہ میں سفیر تھے۔ شمس العلماء سید علی بلگرامی اور عماد الملک سید حسین بلگرامی انہی کرم حسین کے پوتے تھے۔

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلیٰ کہیے
حجرالاسود دیوار حرم کیجیے فرض
نافہ آھوے بیابان ختن کا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے
سر پستان پریزاد سے مانا کہیے(۱)

---

(۱) یہ شعر اصل میں یوں ہے:

مسمی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے
داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے
سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

اس کے باقی اشعار یہ ہیں:

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے
حرز بازوے شگرفان خود آرا کہیے
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے؟
کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے؟
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے؟
کیوں اسے مردمک دیدہ عنقا کہیے؟
کیوں اسے تکمۂ پیراہن مجنوں لکھیے؟
کیوں اسے نقش پئے ناقۂ لیلیٰ کہیے؟

غرض بیس بائیس پھبتیاں ہیں۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں۔ اخیر کی بیت ہے:

اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

لو حضرت آپ کے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب میرا درد دل سنو۔ برخوردار منشی شیو نرائن نے میرے دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم ان کو میری دعا کہو اور کہو کہ میاں میرا کام بند ہے۔ اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے تو جلد بھیجو اور اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی؟

(۱۶)

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ میرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کر کے بھیج دیا ہے، میں نے منشی شیو نرائن کو بھیجا ہوا اصل خط دیکھ لیا ہے۔ اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ ''رقعات عالمگیری،، یا ''انشا' خلیفہ،، اپنے سامنے رکھ لیا کرو، جو عبارت اس میں سے پسند آیا کرے، اپنے خط میں لکھ دیا کرو۔ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمہارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کرے گا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا، اس کا دیکھنا مشاہدۂ اخبار پر موقوف رہا:

برات عاشقاں بر شاخ آہو

واقعی، جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں، وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں! صاحب، ہوش میں آؤ اور مجھ کو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی

دکانوں میں ''فرنچ'' اور ''شام پین'' کے درجن دھرے ہوئے ہیں یا ساھوکاروں اور جوھریوں کے گھر روپے اور جواھر سے بھرے ہوئے ھیں میں کہاں وہ شراب پینے جاؤں گا اور وہ مال کیوں کر اٹھاؤں گا؟ بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوائیے۔ میں نے کتابیں جا بجا بہ سبیل پارسل ارسال کی ھیں، اگرچہ پہنچنے کی خبر پائی ھے، مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ھے:

رات دن گردش میں ھیں سات آسماں
ہو ھے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیسا ھے؟

جور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟
کہتے ھیں ھم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا؟
موج خوں سر سے گزر ھی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اٹھ جائیں کیا؟
لاگ ہو تو اس کو ھم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟
پوچھتے ھیں وہ کہ غالب کون ھے؟
کوئی بتلاؤ کہ ھم بتلائیں کیا؟

غزل ناتمام ھے(۱):

ھے بسکہ ھر اک ان کے اشارے میں نشان اور
کرتے ھیں محبت تو گزرتا ھے گماں اور

---

(۱) اس کے باقی دو شعر یہ ھیں:

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ھم پہنچائیں کیا؟
عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا؟

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم؟ جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

لوگوں کو ہے خرشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند؟
ہے تیر مقرر، مگر اس کی ہے کماں اور

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ''ہاں اور''

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور(۱)

---

(۱) اس غزل میں سے دو شعر رہ گئے یعنی :

ہے خون جگر جوش میں، دل کھول کے روتا
ہوتے تو جو جو کئی دیدۂ خونناںہ فشاں اور

لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
کرتا، جو نہ مرتا، کوئی دن آہ و فغاں اور

دو شنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہے۔ انگیٹھی رکھی ہوئی ہے۔ آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اشعار یاد آگئے، تم کو لکھ بھیجے۔ والسلام

۲۰ دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۷)

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب
اے تو غائب زنظر، مہر تو ایمان من است

حلیہ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ میرزا یوسف علی خاں عزیز نے جو کچھ تم سے کہا، اس کا منشا، کیا ہے؟ کبھی میں نے بزم احباب میں کہا ہوگا کہ مرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاھتا ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ طرحدار آدمی ہیں اور بھائی تمہاری طرحداری کا ذکر میں نے "مغل جان" سے سنا تھا، جس زمانے میں کہ وہ نواب حامد علی خاں کے نوکر تھی اور اون(۱) میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر "مغل" سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے ہیں۔

بہ ہر حال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا، کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا

---

(۱) اون سے مراد نواب حامد علی خاں ہیں، جو میرزا غالب کے عزیز دوست تھے۔ یہ اعتمادالدولہ میر فضل علی (نائب‌السلطنت عہد نصیرالدین حیدر والی اودھ) کے بھانجے اور داماد تھے۔ لکھنئو سے دھلی آگئے تھے۔ (۱۸۵۷ء کے ھنگامے میں ان پر بھی بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں۔

پھر جاتا ہے، ہاں، مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آ گئے، کیا کہوں جی پر کیا گزری۔ بقول شیخ علی حزیں :

تا دسترسم بود، زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے، تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں (۱) ایک وردی ہے عام۔ ملا، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقا، بھٹیارا، جولاھا، کنجڑا، منہ پر داڑھی، سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی، اسی دن سر منڈوایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا بک رہا ہوں۔

صاحب، بندہ نے "دستنبو" جناب اشرف الامرا جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی نذر بھیجی تھی۔ سو اون کا فارسی خط محررہ دھم مارچ مشتمل بر تحسین و آفرین و اظہار خوشنودی بطریق ڈاک آ گیا۔ پھر میں نے تہنیت میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا (۲)۔ اس کی رسید میں نظم کی تعریف اور اپنی رضامندی پر متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہار دھم آ گیا۔ پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں جناب رابرٹ منٹگمری صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر بہادر دھلی بھیجا تھا

---

(۱) دلی۔

(۲) کلیات نظم فارسی کا بیالیسواں قصیدہ، جس کا پہلا شعر ہے :

باز پیغام بہار آورد باد
مژدہ بہر روزگار آورد باد

(۱) کل ان کا مہری خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آ گیا ۔ پنسن کے باب میں ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع فراہم ہوتے جاتے ہیں ۔ دیر آید درست آید۔ اناج کھاتا ہی نہیں ہوں ۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب رات کو ملے جاتی ہے۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں اور اس غزل کے طالب کا ذوق پکا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی۔ رہا سلام، وہ اب پہنچا دیں گے۔

مارچ یا اپریل ۱۸۵۹ء

---

(۱) کلیات نظم فارسی کا پینتالیسواں قصیدہ، جس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں :

خامہ دانی ز چہ سر بر خط مسطر دارد
سر مداحی لفٹنٹ گورنر دارد

اس میں اپنی کیفیت کا نقشہ یوں کھینچا ہے :

خود بریں قول کہ ماتم زدہ و مردہ دل است
دو گواہ از لب خشک و مژۂ تر دارد
بہ گواہان دگر نیز گر افتد حاجت
دم سرد و رخ زرد و تن لاغر دارد
از تو جز داد نہ خواہم کہ در آئین وداد
ایں چنیں کار نہ پاداش نہ کیفر دارد

رابرٹ منٹگمری (۱۸۰۹—۱۸۸۷ء) ترقی کرتے کرتے ۱۸۵۳ء میں جوڈیشنل کمشنر اور اپریل ۱۸۵۸ء میں لفٹنٹ گورنر پنجاب مقرر ہوا ۔ ۱۸۶۵ء میں ولایت گیا اور وفات تک انڈیا کونسل کا ممبر رہا ۔

جناب مرزا صاحب،

دلی کا حال تو یہ ہے :

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر، سو ہے

یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی لوٹے گا۔ وہ خبر محض غلط ہے ۔ اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے کہ چند روز گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا ۔ اہل قلم اور اہل فوج(۱) نے بہ اتفاق ہمدگر ایسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا اب امن و امان ہے ۔

ناسخ مرحوم جو تمہارےاستاد تھے، میرے بھی دوست صادق الوداد تھے، مگر یک فنے تھے ۔ صرف غزل کہتے تھے ۔ قصیدے اور مثنوی سے ان کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان‌اللہ تم نے قصیدے میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا ۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے، کیا کہوں کیا حظ اٹھا :

خدا سے میں بھی چاہوں از رہ مہر
فروغ ''میرزا حاتم علی مہر،،

اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کارنامۂ اردو کہلائے گی۔ خدا تم کو جیتا رکھے ۔ تمہارا دم غنیمت ہے ۔ صاحب، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ''معیار الشعرا ،، میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا ؟ سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو، تو امتیاز کیا رہے؟

(۱۸۵۹)

---

(۱) سول اور ملٹری۔

میرزا صاحب،

آپ کا غم فزانامہ (۱) پہنچا ۔ میں نے پڑھا۔ یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ انہوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا، یعنی اوس کی اطاعت اور تمہاری اوس سے محبت ، سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔

سنو صاحب، شعرا میں فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں، یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلیٰ اوس کے سامنے مری تھی ، تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری، بلکہ تم اوس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھئی ''مغلچے،،(۲) بھی غضب ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں اوس کو مار رکھتے ہیں ۔ میں بھی ''مغلچہ،، ہوں ۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔ خدا اون دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں، مغفرت کرے۔ چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے بیگانہ محض ہو گیا، لیکن اب بھی

---

(۱) غم فزا نامے سے وہ خط مراد ہے، جو مہر نے اپنی محبوبہ کی وفات پر بھیجا تھا۔

(۲) یا ''مغل بچے،،۔

کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشق مجازی چھوڑ دو :

سعدی اگر عاشقی کنیٔ و جوانی
عشقِ محمد بس است و آل محمد

اللہ بس، ما سوای ہوس غالب

(۲۰)

مرزا صاحب،

ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے یہ نصیحت کی کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو، کھاؤ، مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی مکھی نہ بنو(۱)۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کسی کے مرنے کا وہ غم کرے، جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک افشانی، کہاں کی مرثیہ خوانی؟ آزادی کا شکر بجا لاؤ، غم نہ کھاؤ، اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو ''چنا جان،، (۲) نہ سہی ''منا جان،، سہی۔

---

(۱) شہد کی مکھی شہد میں پھنس کر رہ جاتی ہے ، مصری کی مکھی جب چاہے اڑ جاتی ہے ، مطلب یہ کہ ایسا تعلق پیدا نہ کرو، جس میں، خود الجھ کر رہ جاؤ۔

(۲) ''چنا جان،، مہر کی محبوب کا نام تھا

میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا، اور ایک حور ملی۔ اقامت جاودانی ہے اور اوسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائے گی طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی؟ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ! چشم بد دور، وہی ایک حور۔ بھائی، ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ:

زن نو کن اے دوست در ہر بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

میرزا مظہر کے اشعار کی تضمین کا مسدس دیکھا، فکر سراپا پسند، ذکر بہمہ جہت نا پسند۔ اپنے نام کا خط مع اون اشعار کے مرزا یوسف علی خاں عزیز کے حوالے کیا۔

مکرمی نواب محمد علی خاں صاحب کی خدمت میں سلام۔ پروردگار اون کو سلامت رکھے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب کو میرا سلام۔ دم دے کے مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا، میں منتظر رہا کہ آپ لکھنئو جائیں گے، وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ اون کے مزاج اقدس کی خیرو عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔ کیا جانوں کہ حضرت میرے وطن میں جاوہ افروز ہیں:

یار در خانہ و من گرد جہاں مے گردم

اب مجھے اون سے یہ استدعا ہے کہ دستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنئو نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کا حال جو کچھ معلوم ہو، وہ سب اوس خط میں درج کریں۔

(۱۸۶۰ء) غالب

خاندان لوہارو

خاندان لوہارو کے حالات مختصراً یہ ہیں :

اٹھارویں صدی کے وسط میں سمرقند سے تین بھائی پنجاب آئے : قاسم جان، عالم جان اور عارف جان ۔ قاسم جان سب سے بڑے تھے۔ نواب معین الملک عرف میر منو ناظم پنجاب نے بڑی قدر و منزلت کی، اس لیے کہ میر منو کے اجداد بھی تورانی تھے۔ چنانچہ ان بھائیوں نے کچھ مدت لاھور میں میر منو کے پاس گزاری۔ اس کی وفات پر نظامت پنجاب کا کارخانہ درھم برھم ھو گیا تو قاسم جان اپنے بھائیوں اور رفیقوں کو لے کر پنجاب سے آگے بڑھ گئے تا کہ کسی دوسری جگہ قسمت آزمائیں۔ اس زمانے میں شہزادہ عالی گوھر کو (جو بعد میں شاہ عالم ثانی کے لقب سے بادشاہ بنا) بہار میں تجربہ کار اور با تدبیر آدمیوں کی ضرورت تھی۔ قاسم جان بہار کی طرف روانہ ھو گئے۔ شہزادے کے پاس پہنچنے سے پہلے میر جعفر ناظم بنگال کے بیٹے میر صادق عرف میرن کا ایک قافلہ مل گیا، جو شہزادے کی مخالف فوج کے لیے سامان رسد لیے جا رھا تھا۔ قاسم جان نے اس پر حملہ کرکے سارا سامان چھین لیا۔ شہزادے نے اس خدمت پر خوش ھو کر قاسم جان کو شرف‌الدولہ کا خطاب دیا اور اپنے رفقاے خاص میں داخل کر لیا۔

شہزادہ اپنے والد عزیزالدین عالمگیر ثانی کے قتل پر بادشاہ بن گیا، لیکن گیارہ برس اس نے پورب ھی میں گزار دیے۔ قاسم جان نے یہ مدت غالباً پورب ھی میں بسر کی۔ جب ۱۷۷۱ء میں بادشاہ دھلی آیا تو قاسم جان بھی ساتھ آئے۔ انھیں کی وساطت سے نجف خاں ملازمت شاھی میں داخل ھوا اور ذوالفقارالدولہ خطاب پایا اور اپنی وفات تک (۱۷۸۲ء) وہ سلطنت کا مختار عام بنا رھا۔ اس زمانے میں قاسم جان اور ان کے بھائیوں کی سکونت

غالباً اسی محلے میں رہی جو بعد میں گلی قاسم جان کے نام سے مشہور ہوا اور اب تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ میرزا غالب کے دادا میرزا قوقان بیگ خاں بھی قاسم جان ہی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور غالباً قاسم جان کے خاندان سے ان کی قرابت بھی تھی، جس کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

ذوالفقارالدولہ نجف خاں کے انتقال پر دربار دہلی کا رنگ بگڑ گیا، یہاں تک کہ غلام قادر خاں روہیلے کے مختصر سے دور عروج میں شاہی خاندان پر ہولناک آفتیں نازل ہوئیں۔ شاہ عالم کو اندھا کر دیا گیا اور اسے کہنا پڑا:

چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد
تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

اس زمانے میں قاسم جان دہلی سے دل برداشتہ ہو کر لکھنؤ چلے گئے، اور آصف‌الدولہ کے پاس ملازمت کر لی۔ غالباً انہیں کے ساتھ میرزا غالب کے والد میرزا عبداللہ بیگ خاں بھی لکھنؤ گئے تھے۔ لکھنؤ ہی میں قاسم جان نے وفات پائی۔ ان کے اقربا اور متوسلین وہاں سے چلے آئے۔ عبداللہ بیگ خاں کے خاندان نے آگرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہ ملازمت کی غرض سے حیدر آباد چلے گئے۔ قاسم جان کا خاندان پہلے کی طرح دہلی میں مقیم ہو گیا۔ قاسم جان کے کتنے بیٹے تھے؟ تحقیقی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ ہمیں صرف دو کے نام معلوم ہیں:

ایک شرف‌الدولہ فیض‌اللہ بیگ خاں، دوسرے قدرت‌اللہ بیگ خاں۔ فیض‌اللہ بیگ خاں کے بیٹے غلام حسین خاں مسرور تھے، جو غالب کے ہم زلف اور زین‌العابدین خاں عارف کے باپ تھے۔ قدرت‌اللہ خاں کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا ہمیں علم ہے۔ بڑے بیٹے معین‌الدین حسین خاں تھے، جنہوں نے غدر کا روزنامچہ اردو میں لکھا تھا۔ تھیو فلس مٹکاف

نے اسے انگریزی میں چھاپا اور خواجہ حسن نظامی نے اس کا ترجمہ اردو میں چھپوایا۔ دوسرے بیٹے کا نام محمد حسین خاں تھا۔ ان دونوں کا ذکر غالب کے خطوط میں آیا ہے۔ قدرت‌اللہ بیگ خاں کی بیٹی نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر کی بیگم تھی۔

قاسم جان کے بھائی عالم جان یا اس کی اولاد کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ تیسرے بھائی عارف جان کے چار بیٹے تھے: فخرالدولہ دلاورالملک نواب احمد بخش خاں، نواب الٰہی بخش خاں معروف، محمد بخش خاں اور نبی بخش خاں۔ احمد بخش خاں آخری دور کے امراء میں ممتاز فرد تھے۔ اپنی ذاتی قابلیت سے فیروز پور جھرکا (ضلع گوڑگانوہ) کی ریاست اور لوہارو کی جاگیر حاصل کی۔ ان کی دو بیگمیں تھیں: ایک میواتی‌الاصل (مدی عرف بہو خانم) اور دوسری ہم قوم (بیگم جان)۔ پہلی کے بطن سے نواب شمس‌الدین احمد خاں تھے۔ ہم قوم کے بطن سے نواب امین‌الدین احمد خاں والی لوہارو اور ضیاءالدین احمد خاں نیر۔ اہل خاندان شمس‌الدین احمد خاں کو نسلاً اپنا ہم رتبہ نہیں سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے خاندان میں مناقشت پیدا ہوئی، جس نے انجام کار یہ شکل اختیار کر لی کہ شمس‌الدین احمد خاں ایک فریق بن گئے باقی سارے خاندان نے ان کے خلاف جھتا بنا لیا۔

احمد بخش خاں نے ان مناقشات کو روکنے کی غرض سے ریاست دو حصوں میں بانٹ دی۔ فیروز پور جھرکا شمس‌الدین احمد خاں کے حوالے کر دیا۔ لوہارو کی جاگیر چھوٹے بیٹوں کو دے دی۔ ۱۸۲۶ء میں وہ اپنی حویلی واقع قطب صاحب میں گوشہ نشیں ہو گئے اور ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔

لیکن تقسیم کے باوجود جھگڑے قائم رہے۔ امین‌الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں نے باپ کی جایداد منقولہ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شمس‌الدین احمد خاں لوہارو کے مدعی بن گئے۔ یہ کشاکش

کئی برس تک جاری رہی۔ آخر لوہارو امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں کو مل گیا۔ یہ فیصلہ چونکہ ولیم فریزر ریذیڈنٹ دھلی کی کوشش سے ہوا تھا اس وجہ سے شمس الدین احمد خاں اور ولیم فریزر کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی۔ ۱۸۳۵ء میں فریزر مارا گیا۔ اس سلسلے میں شمس الدین احمد خاں اور ان کا ایک سپاہی ماخوذ ہوئے۔ ان کو پھانسی کی سزا ملی اور فیروز پور جھرکا کی ریاست ضبط کر لی گئی۔ شمس الدین احمد خاں کے نرینہ اولاد نہ تھی، صرف دو لڑکیاں تھی۔ مشہور ھے کہ فصیح الملک میرزا داغ دھلوی شمس الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے مگر شمس الدین احمد خاں کی جایداد متروکہ کے جو دعوے وارثوں کی طرف سے ہوئے تھے، ان میں داغ کا کوئی ذکر نہیں (۱)

نواب امین الدین احمد خاں رئیس لوہارو قرار پائے اور ۱۸۶۹ء میں فوت ہوئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے اور وارث ریاست نواب علاؤالدین احمد خاں علائی تھے، جنھیں میرزا غالب نے اپنا خلیفہ ثانی بنایا تھا۔ عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم اور خوش ذوق شاعر تھے۔ ترکی بھی بہت اچھی جانتے تھے۔ ترکی زبان کی ایک لغت بھی لکھی تھی۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء

---

(۱) داغ کی والدہ کا نام وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم تھا۔ یہ محمد یوسف سادہ کار کی منجھلی بیٹی تھی۔ پہلے ایک انگریز کے گھر رہی پھر نواب شمس الدین احمد خاں اسے لے آئے۔ داغ نواب موصوف ھی کے گھر پیدا ہوئے۔ پھر چھوٹی بیگم سے شہزادہ فتح الملک عرف میرزا فخرو (ابن بہادر شاہ ظفر) نے شادی کر لی اور داغ کی تعلیم و تربیت قلعہ معلیٰ میں ہوئی۔ شہزادے کی وفات پر چھوٹی بیگم سے آغا مولوی نواب علی خاں نے نکاح کر لیا۔ پھر یہ دکن میں ایک صاحب کے گھر چلی گئی۔ کہتے ھیں اس سے جتنی اولاد ہوئی وہ سب شعر کہتی تھی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ لیکن ان میں خاص شہرت صرف داغ نے پائی۔ (ماخوذ از ''ذکر غالب،،۔)

میں فوت ہوئے۔ ان کے جانشین نواب سر امیرالدین احمد خاں تھے، جو ابتدا میں ''فرخ میرزا'' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ بڑے خوش مذاق، علم دوست اور مجلس آرا بزرگ تھے۔ امین‌الدین احمد خاں، علاؤالدین احمد خاں اور امیرالدین احمد خاں تینوں کے نام غالب کے خطوط موجود ہیں۔

امین الدین احمد خاں کے چھوٹے بھائی نواب ضیاءالدین احمد خاں کو منصب ریاست حاصل نہ تھا، البتہ حصے کی رقم ملتی تھی۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ علم تاریخ میں اپنے عہد کے یگانہ ماہر سمجھے جاتے تھے۔ تاریخی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایلیٹ نے انہیں سے نادر قلمی نسخے لے کر اپنی مشہور تاریخ انگریزی میں مرتب کی تھی۔ وہ اردو میں نیر اور فارسی میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ غالب نے انہیں خلیفہ اول بنایا تھا۔ غالب کے فارسی کلیات میں ایک قصیدہ ان کی مدح میں ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

منم خزینہ‌راز و در خزینۂ راز ضیاے دین محمد کہیں برادر من

بہ دین‌و دانش و دولت‌یگانۂ آفاق بہ عمر کہتر و از روے رتبہ بہتر من

عارف کے مرثیہ میں بھی ان کا ذکر آیا ہے:

ہم سے تمہیں نفرت سہی، نیر سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

ان کا منتخب کلام ''صحیفۂ زریں'' کے نام سے چھپا تھا۔ آج کل کمیاب ہے۔ ۱۸۸۵ء میں وفات پائی۔ نیر کے دو صاحبزادے تھے: شہاب‌الدین احمد خاں ثاقب اور سعیدالدین احمد خاں طالب۔ دونوں علم و فضل میں خاندانی روایات کے حامل تھے۔ ثاقب نے ٦- محرم‌الحرام ۱۲۸٦ھ (مطابق ۹- اپریل ۱۸٦۹ء) کو یعنی غالب سے تقریباً دو ماہ بعد بعارضہ تپ و اسہال

وفات پائی اور حسب وصیت درگاہ قدم شریف میں اپنے عم محترم نواب شمس الدین احمد خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی :

از صدمۂ مرگ ثاقب والا جاہ　　هر سو ست صدای نالہ‌های جانکاہ
تاریخ وفات او چنیں سالک گفت　　روز ششم ماہ محرم صد آہ

ان کے چار بیٹے تھے، جن کے نام یہ ہیں : ممتازالدین احمد خاں، شجاع الدین احمد خاں تاباں، سراج الدین احمد خاں سائل اور بہاؤالدین احمد خاں۔ تاباں اور سائل بوڑھے ہو کر فوت ہوئے۔ بہاؤالدین احمد خاں کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کی صرف ایک صاحبزادی تھی، جس کی شادی نواب سر ذوالفقار علی خاں مرحوم رئیس مالیر کوٹلہ سے ہوئی۔ وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں۔ تاباں کے کوئی اولاد نہ تھی۔ نواب سعیدالدین احمد خاں طالب بھی لاولد فوت ہوئے۔

نواب الہی بخش خاں معروف ابتدا ہی میں مولانا فخرالدین فخر عالم کے مرید ہو گئے اور انہوں نے ساری عمر گوشہ نشینی میں گزار دی۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹیوں میں سے آبادی بیگم کی شادی نواب غلام حسین خاں مسرور سے ہوئی۔ خدا نے دو بیٹے دیے : زین العابدین خاں عارف اور حیدر حسن خاں۔ امراؤ بیگم میرزا غالب سے بیاہی گئی۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ اس نے پہلے عارف کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ عارف کی وفات پر اس کے دونوں بیٹوں باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں کو بیٹوں کی طرح پالا۔ باقر علی خاں پہلے الور میں ملازم ہو گئے تھے۔ پھر ملازمت چھوڑ کر گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۲۹۳ھ (مطابق ۲۵ مئی ۱۸۷۶ء) کو ساڑھے انتیس برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں : بڑی محمد سلطان بیگم، عرف جندو بیگم کی شادی شجاع الدین احمد خاں تاباں سے ہوئی۔ دوسری فاطمہ سلطان

بیگم عرف بندو بیگم کی شادی نواب علاؤالدین احمد خاں رئیس لوہارو کے صاحبزادے مرزا بشیرالدین احمد خاں سے، تیسری رقیہ بیگم کرنیل ذوالنور احمد خاں سے بیاہی گئی۔

حسین علی خاں شاداں غالب کی وفات کے بعد ریاست رام پور میں پچیس روپے کے ملازم ہو گئے تھے۔ بڑے بھائی کی وفات کے صدمے نے دماغی توازن بگاڑ دیا اور ملازمت چھوڑ کر دھلی چلے آئے۔ یکم شوال ۱۲۹۷ھ (۷۔ ستمبر ۱۸۸۰ء) کو وفات پائی۔ انہیں وھم ہو گیا تھا کہ موٹا آدمی شاعر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ غذا کی تقلیل کے اہتمام میں آخرکار کھانا ترک کر دیا اور پانی سیپیوں میں پیتے تھے، اس طرح صحت تباہ ہو گئی۔

عارف کے بھائی حیدر حسن خاں کے بیٹے کا نام ضمیرالدین میرزا عرف خضر میرزا تھا۔ وہ تحصیلدار تھے۔ پنشن لے کر قطب صاحب میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے۔ بڑی عمر پائی۔ غالب کو دیکھا تھا اور اس عہد کی دلکش باتیں سنایا کرتے تھے۔ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ رحمہ‌اللہ تعالیٰ۔

معروف کے بڑے بیٹے کا نام میرزا علی بخش خاں تھا اور میرزا غالب سے ان کا تعلق آخری وقت تک نہایت خوشگوار رہا۔ دوسرے بیٹے علی نواز خاں نے جوانی ھی میں وفات پائی۔ علی بخش خاں کے بیٹے کا نام غلام فخرالدین خاں تھا۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد علی بخش خاں نے دوسرا نکاح میرزا غالب کی بھانجی امانی خانم سے کیا۔ انہیں فیروز پور جھرکا سے سو روپے ماھانہ ملتے تھے۔ ریاست ضبط ہوئی تو وظیفہ صرف پچاس روپے رہ گیا۔ وہ کچھ مدت حیدر آباد رہے۔ پھر عرب سرائے (دھلی) میں رھنے لگے۔ وھیں ۱۸۶۳ء میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند غلام فخرالدین کی شادی میرزا غالب کی بھتیجی (میرز ا یوسف خاں دیوانہ کی بیٹی) عزیزالنساءؑ بیگم سے ہوئی تھی۔ یہ شاھی ملازم تھے۔ غدر کے بعد ان پر مقدمہ چلا، لیکن کوئی جرم ثابت نہ ہوا اور بری ہو گئے۔ ان کے بیٹے میرزا محمد سعید خاں حیدر آباد

چلے گئے تھے - پہلے سرکاری ملازم رہے، پھر درویشی اختیار کر لی اور بیس بائیس برس یاد الٰہی میں گزار کر وہیں فوت ہوئے۔ مستعد پورہ میں دفن ہیں - ان کے صاحبزادے میرزا نصراللہ خاں بیرسٹر ایٹ لا سرکار آصفیہ میں صدر محاسب (اکونٹنٹ جنرل) کے عہدے پر مامور تھے - نواب الٰہی بخش معروف کے دیوان کی پہلی جلد انہیں کی کوشش سے شائع ہوئی -

اس خاندان کے جن افراد کے نام غالب کے خطوط موجود ہیں - ان کی فہرست مع تعداد مکاتیب ذیل میں درج ہے :

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب
نواب امین الدین احمد خاں	۷
نواب علاؤالدین احمد خاں	۵۷
نواب سر امیرالدین احمد خاں	۱
نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر	۱
شہاب‌الدین احمد خاں ثاقب	۱۰
باقر علی خاں کامل	۳

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محض اتنے ہی خطوط لکھے گئے - بعض خط یقیناً ضائع ہو گئے - خط محفوظ رکھنے کا سب سے بڑھ کر اہتمام علاءالدین خاں علائی نے کیا - ضیاءالدین احمد خاں اور شہاب‌الدین احمد خاں کے نام خط اس وجہ سے کم ہیں کہ یہ لوگ عموماً دھلی میں رہتے تھے اور ان کے مکان بھی میرزا غالب کے مکان سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے - باقر علی خاں غالباً ۱۸۶۷ء کے اواخر میں بمقام الور ملازم ہوئے لہذا ان کے نام صرف تین خط ہیں۔

نواب امین‌الدین احمد خاں

(۱)

بھائی صاحب!

ساٹھ برس سے ہمارے تمہارے بزرگوں میں قرابتیں بہم پہنچیں۔ بچ کا میرا تمہارا معاملہ یہ کہ پچاس برس سے تم کو چاہتا ہوں، بے اس کے کہ چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ چالیس برس سے محبت کا ظہور طرفین سے ہوا۔ میں تمہیں چاہتا رہا، تم مجھے چاہتے رہے۔ وہ امر عام اور یہ امر خاص، کیا مقتضی اس کا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا اخلاص پیدا ہو جائے؟ وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے؟ تمہارا یہ حال سنوں اور بے تاب نہ ہو جاؤں اور وہاں نہ آؤں؟ مگر کیا کروں، مبالغہ نہ سمجھو، میں ایک قالب بے روح ہوں :

یکے مردہ شخصم بمردی رواں

اضمحلال روح کا روز افزوں ہے۔ صبح کی تبرید، قریب دوپہر کے روٹی، شام کو شراب۔ اگر اس میں سے جس دن ایک چیز اپنے وقت پر نہ ملی، میں مر گیا۔ واللہ نہیں آسکتا، باالله نہیں آسکتا۔ دل کی جگہ میرے پہلو میں پتھر بھی تو نہیں۔ دوست نہ سہی، دشمن بھی تو نہ ہوں گا۔ محبت نہ سہی عداوت بھی تو نہ ہوگی۔ آج تم دونوں بھائی(۱) اس خاندان میں شرف‌الدولہ اور

---

(۱) امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں۔

فخرالدولہ(۱) کی جگہ ہو۔ میں لم یلد ولم یو لد ہوں(۲)۔

میری زوجہ تمہاری بہن ، میرے بچے(۳) تمہارے بچے ہیں ۔ خود جو میری حقیقی بھتیجی ہے، اس کی اولاد بھی تمہاری اولاد (۴) ہے۔ نہ تمہارے واسطے بلکہ ان بیکسوں کے واسطے تمہارا دعاگو ہوں اور تمہاری سلامتی چاہتا ہوں۔ تمنا یہ ہے اور ان شاءاللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا، کہ تم جیتے رہو اور تم دونوں کے سامنے میں مر جاؤں، تا کہ اس قافلے کو اگر روٹی نہ دوگے، چنے تو دوگے اور اگر چنے بھی نہ دوگے اور بات نہ پوچھو گے

---

(۱) شرف‌الدولہ قاسم جان کا خطاب تھا۔ جو نواب احمد بخش خاں اور نواب الٰہی بخش خاں معروف کے والد عارف جان کے بھائی تھے۔ ابتدا میں خاندان کے سر خیل قاسم جان ہی تھے، غالباً اس لیے کہ وہ بڑے تھے۔ دہلی میں قاسم جان کی گلی انہی کے نام سے موسوم ہوئی۔ پھر یہ خطاب ان کے فرزند اکبر فیض‌اللہ بیگ خاں سہراب جنگ کو ملا، جو میرزا غالب کے ہم زلف نواب غلام حسین خاں مسرور کے والد تھے۔ فخرالدولہ نواب احمد بخش خاں کا خطاب تھا۔

(۲) یعنی میرے کوئی اولاد نہیں۔

(۳) بیگم غالب امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں کی چچیری بہن۔ میرے بچوں سے مراد عارف کے بچے ہیں۔ عارف ددھیالی سلسلے میں نواب غلام حسین خاں مسرور کے بیٹے اور شرف‌الدولہ فیض‌اللہ بیگ خاں کے پوتے تھے، جو خاندان لوہارو کے ہم جد تھے۔ ننھیالی سلسلے میں وہ بیگم غالب کی بہن اور الٰہی بخش معروف کی دوسری صاحبزادی کے بیٹے تھے۔ گویا عارف کو دونوں سلسلوں میں خاندان لوہارو سے قربت قرابہ تھی۔

(۴) غالب کی بھتیجی یعنی مرزا یوسف خاں کی بیٹی عزیزالنسا بیگم کی شادی الٰہی بخش معروف کے پوتے اور علی بخش خاں کے بیٹے غلام فخرالدین خاں سے ہوئی تھی۔

تو میری بلا سے۔ میں تو موافق اپنے تصور کے مرتے وقت ان فلک زدوں کے غم میں نہ الجھوں گا۔(۱)

جناب والدۂ ماجدہ تمہاری یہاں آنا چاہتی ہیں اور ضیاءالدین احمد خاں اسی واسطے وہاں پہنچتے ہیں۔ سنو، بعد تبدیل آب و ہوا دو فائدے اور بھی بہت بڑے ہیں: کثرت اطباء، صحبت احباء(۲) تنہائی سے نہ ملول رہوگے، حرف و حکایت میں مشغول رہوگے۔ آؤ آؤ، شتاب آؤ بھائی۔

میرزا علاؤالدین خاں! تم کو کیا لکھوں؟ جو وہاں تمہارے دل پر گزرتی ہوگی، یہاں میری نظر میں ہے۔ خیر دعاے مزید عمر و دولت۔

نجات کا طالب، غالب

---

(۱) انسان کو دنیوی امور کا غم صرف زندگی کے آخری دم تک ہے۔ پھر اس کے لیے یہاں کی غمی اور خوشی بے معنی ہو جاتے ہیں۔ میرزا کا مطلب یہ ہے کہ میں تو بیوی بچوں کو تمہارے حوالے کر کے اطمینان سے مر جاؤں گا اور تصور میں یہ بات ہوگی کہ ان کی بھلی بری کفالت کرتے رہو گے۔ اگر یہ فرض محال پورا نہ کروگے تو خیر، میری موت تو بہ حالت اطمینان ہوگی۔

(۲) والدۂ ماجدہ کے ساتھ لوہارو سے دہلی آ جاؤ گے تو آب و ہوا کی تبدیلی سے جو فائدہ ہوگا اس کے علاوہ دو اور نفع بخش باتیں ہیں، یعنی اول دہلی میں طبیبوں کی کثرت ہے، ان سے طبی مشورے کر لوگے، دوم یہاں ملنے والے دوست احباب ہیں۔ ان سے ہم مجلسی و ہم کلامی میں دل بہلے گا۔

اخ مکرم کے خدام کرام کی خدمت میں بعد اہداۓ سلام مسنون، ملتمس ہوں، تمہارا شہر میں رہنا موجب تقویت دل تھا، گو نہ ملتے تھے، پر ایک شہر میں تو رہتے تھے۔

بھائی، ایک سیر دیکھ رہا ہوں۔ کئی آدمی طیور آشیاں گم کردہ کی طرح ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں(۱) ۔ ان میں سے دو چار بھولے بھٹکے کبھی یہاں بھی آ جاتے ہیں ۔

لو صاحب ، اب وعدہ کب وفا کروگے ؟ علائی کو کب بھیجوگے؟ ابھی تو شب کے چلنے اور دن کے آرام کرنے کے دن ہیں(۱) - بارش

---

(۱) ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز کارفرماؤں کے ظلم و جور کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کی حالت بے حد پریشان کن ہو گئی تھی، گویا وہ ایسے پرندے تھے جن کے آشیاں گم ہو چکے تھے۔ وہ ہر طرف اڑتے پھرتے تھے کہ شاید کسی جگہ دو گھڑی اطمینان سے بسر سکیں ۔ میرزا کے کمال انشاء پردازی کا ایک درخشاں جوہر یہ بھی ہے کہ وہ کیفیت کا نقشہ چند لفظوں میں اس طرح کھینچ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ جامع اور حسب حال نقشہ تصورمیں آ ہی نہیں آ سکتا۔

(۲) اس زمانے ریل یا موٹر جیسی تیز رو سواریاں نہ تھیں۔ بہلیوں، گاڑیوں، گھوڑوں وغیرہ پر سفر کرتے تھے۔ پھر دن کو دھوپ تیز ہوتی تھی۔ اس لیے عام طریقہ یہ تھا کہ رات کو سفر کرتے۔ دن کہیں آرام دہ منزل میں ٹھہر کر گزارتے۔

شروع ہو جائے گی تو آپ کی اجازت بھی کام نہ آئے گی۔ چلنے والا کہے گا :
میں رہرو چالاک ہوں، تیراک نہیں، لوہارو سے دہلی تک کشتی بغیر کیوں کر جاؤں؟ دخانی جہاز کہاں سے لاؤں؟(۱)

اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

استاد میر جان صاحب کو سلام۔

یوم الخمیس ۱۷- محرم ۱۲۸۱ھ (۲۲- جون ۱۸۶۴ء)

علائی کے دیدار کا طالب، غالب

(۳)

برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان، سلامت!

تمہاری تفریح طبع کے واسطے ایک غزل نئی لکھ کر بھیجی ہے، خدا کرے پسند آئے اور مطرب کو سکھائی جائے۔

آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں، سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔ کل پنجشنبہ ۲۰- مئی کو اول روز بڑے زور کی آندھی آئی۔ پھر خوب مینہ برسا۔ وہ جاڑا پڑا کہ شہر کرۂ زمہریر ہو گیا۔ بڑے دریبہ کا دروازہ ڈھایا گیا۔ قابل عطار کے کوچے کا بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کٹرے کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی وسعت دوچند ہو گئی۔ اللہ اللہ گنبد مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں اور ہنود کی ڈیوڑھیوں کی جھنڈیوں کے پرچم

---

(۱) یعنی برسات شروع ہوگی تو راستوں میں پانی بھر جائے گا۔

لہراتے ہیں۔ ایک شیر زور اور پیل تن بندر(۱) پیدا ہوا ہے۔ مکانات جابجا ڈھاتا پھرتا ہے۔ فیض اللہ خاں بنگش کی حویلی پر جو گلدستے ہیں، جن کو عوام گمزی(۲) کہتے ہیں، انہیں ہلا ہلا کر ایک ایک کی بنیاد ڈھا دی، اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ واہ رے بندر، یہ زیادتی اور پھر شہر کے اندر!

ریگستان کے ملک سے ایک سردار زادۂ کثیرالعیال، عسیرالحال (۳) عربی، فارسی، انگریزی تین زبانوں کا عالم دلی میں وارد ہوا ہے۔ بلی ماروں کے محلے میں ٹھہرا ہے۔ بحسب ضرورت حکام شہر سے مل لیتا ہے، باقی گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھا رہتا ہے۔ گہ گہ، نہ ہر شام و پگہ، غالب علی شاہ درویش کے تکیہ پر آ جاتا ہے(۴)۔ اہل شہر حیران ہیں کہ کھاتا کہاں سے ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ باپ سے پھر گیا ہے، میں جانتا ہوں کہ بے سبب باپ کی نظر سے گر گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہو۔ غالب علی شاہ کا قول یہ ہے کہ کل کا جلد ہو۔

جمعہ ۶۲ مئی ۱۸۶۵ء۔

---

(۱) اصل میں ہے: ''شیر زور آور اور پیل تن بندر''۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے ''شیر زور اور پیل تن'' بندر تھا، یعنی دونوں صفتیں (شیر زور اور پیل تن) بندر کی ہیں۔ نہ کہ ''شیر زور آور'' الگ اور ''پیل تن بندر'' الگ۔ غالباً ''اور'' کو کسی نے آور بنا کر نیا اور بڑھا دیا۔ واللہ اعلم۔
غالباً یہ کسی چوڑے چکلے ہاڑ کے انگریز انجنیر کا نقشا ہے۔

(۲) گمزی: گنبد کی تصغیر۔

(۳) یعنی اہل و عیال زیادہ ہیں اور ویسے تنگ دست ہے۔

(۴) یعنی خود میرزا کے مکان پر۔

برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت!

بعد سلام مسنون و دعاے بقاے دولت روز افزوں عرض کیا جاتا ہے کہ عطوفت نامہ کی رو سے فارسی دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ تیسری غزل ''گوہر نتواں گفت،، ''اختر نتواں گفت،، جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے، کیا نہیں پہنچی؟ بے شبہ پہنچی ہوگی۔ تم بھول گئے ہوگے۔ وکیل حاضر باش دربار اسدالہی یعنی علائی مولائی نے اپنے موکل کی خوشنودی کے واسطے فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ اگر پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے۔ جھنجوٹی(۱) کے اونچے سروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر میں بھی سن لوں گا۔ والسلام مع الاکرام۔

چہارشنبہ ۲- ربیع الاول ۱۲۸۲ھ نجات کا طالب، غالب

مطابق ۲۶- جولائی ۱۸۶۵ء

غزل

میں ہوں مشتاق جفا، مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش، اس سے سوا اور سہی
غیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرت ماہ؟
ہیں ہوس پیشہ بہت، وہ نہ ہوا اور سہی
تم ہو بت، پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے؟
تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی

(۱) ایک مشہور راگنی۔

حسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
آپ کا شیوۂ انداز و ادا اور سہی

تیرے کوچے کا ہے مائل دل مضطر میرا
کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خلد بھی باغ ہے ، خیر آب و ہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی، آب بقا اور سہی

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گر رنج فزا اور سہی

(۵)

بھائی صاحب!

آج تک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ (۱) قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں۔ تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں : اظہار غم، تلقین صبر، دعاے مغفرت۔ سو بھائی، اظہار غم تکلف محض ہے۔ جو غم تم کو ہوا ہے ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہو۔ تلقین صبر بے دردی ہے۔ یہ سانحہ عظیم ایسا ہے، جس نے غم رحلت نواب(۲) مغفور کو تازہ کیا۔ بس ایسے موقع پر

---

(۱) بیگم جان، امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں کی والدہ ماجدہ
(۲) فخرالدولہ نواب احمد بخش خاں والد مکتوب الیہ۔

صبر کی تلقین کیا کی جائے؟ رہی دعاے مغفرت، میں کیا اور میری دعا کیا؟ مگر چونکہ وہ میری مربیہ و محسنہ تھیں، دل سے دعا نکلتی ہے۔ معہذا تمہارا یہاں آنا سنا جاتا تھا، اس واسطے خط نہ لکھا۔ اب جو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اور اسی سبب سے آنا نہ ہوا، یہ چند سطریں لکھی گئیں۔ حق تعالیٰ تم کو سلامت اور تندرست اور خوش رکھے۔

۱۵- نومبر ۱۸۶۶ء   تمہاری خوشی کا طالب، غالب

(۶)

اے میری جان،

کس وقت مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے نکیرین کا جواب دینے کا زمانہ قریب آ گیا، (۱) میرا حال اب جسے دریافت کرنا ہو وہ اہل محلہ سے دریافت کر لے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی، بارے نفس ناطقہ نے بری بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچتے ہیں لیکن شاعرانہ، نہ عارفانہ:

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشت غم میں آہوے صیاد دیدہ ہوں

ہوں درد مند جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشک چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بس کہ تلخی غم ہجراں چشیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے واسطہ
میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

---

(۱) یعنی مرنے کا وقت۔

ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانہ افتادہ ہوں، نے دام چیدہ ہوں

جو چاہتے نہیں وہ میری قدر و منزلت
میں یوسف بہ قیمت اول خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں

اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرے میں، میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں(۱)

۳- مارچ ۱۸۶۷ء (ماخوذ از نقوش، خطوط نمبر)

---

(۱) اس زمین میں مرزا کی دو غزلیں "نسخہ حمیدیہ" میں موجود ہیں، لیکن ان میں سے ایک بھی شعر اس غزل میں نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نئی غزل ہے اور بعد میں کہی گئی، مگر کب؟ اس بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ خط کے بعض الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ۱۸۶۷ء میں کہی گئی، لیکن اس کا اسلوب آخری دور کی غزلوں سے مختلف ہے، اغلب ہے زمین کی وجہ سے یہ اسلوب اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا ہو۔ یہ غزل ایک مرتبہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم نے "ہمدرد" میں چھاپ دی تھی۔ مالک رام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ علاؤالدین خان علائی کی بیاض میں تھی۔

جمیل المناقب عمیم الاحسان، سلامت!

بعد سلام مسنون و دعاے بقاے دولت روز افزوں ، عرض کیا جاتا ھے کہ استاد میر جان آئے اور ان کی زبانی تمھاری خیرو عافیت معلوم ھوئی۔ خدا تم کو زندہ و تندرست و شاد و شاداں رکھے۔

یہاں کا حال کیا لکھوں؟ بقول سعدی علیہ الرحمہ :

نہ ماند آب جز چشم در یتیم

شب و روز آگ برستی ھے یا خاک۔ نہ دن کو سورج نظر آتا ھے، نہ رات کو تارے۔ زمین سے اٹھتے ھیں شعلے، آسماں سے گرتے ھیں شرارے۔ چاھا تھا کو کچھ گرمی کا حال لکھوں۔ عقل نے کہا دیکھ نادان ! قلم انگریزی دیا سلائی کی طرح جل اٹھے گی اور کاغذ کو جلا دے گی۔ بھائی، ھوا کی گرمی تو بڑی بلا ھے، گاہ گاہ جو ھوا بند ھو جاتی ھے، وہ اور بھی جاں گزا ھے۔

خیر اب فصل سے قطع نظر، ایک کودک غریب الوطن کے اختلاط کی گرمی کا ذکر کرتا ھوں کہ وہ جانسوز نہیں بلکہ دل افروز ھے۔ پرسوں فرخ میرزا آیا (۱)۔ اوس کا باپ بھی اوس کے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ''کہوں صاحب، میں تمھارا کون ھوں اور تم میرے کون ھو؟''، ھاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ ''حضرت! آپ میرے دادا ھیں اور میں آپ کا پوتا ھوں''۔ میں نے پوچھا کہ ''تمھاری تنخواہ آئی؟''، کہا : ''جناب عالی،

---

(۱) مرزا امیرالدین احمد عرف ''فرخ مرزا''، بن علاءالدین احمد خاں علائی بن مکتوب الیہ۔

آکا جان(۱) کی تنخواہ آ گئی ہے، میری نہیں آئی،،۔ میں نے کہا: ''تو لوھارو جائے تو تنخواہ پائے،،۔ کہا: ''حضرت میں تو آکا جان سے روز کہتا ہوں کہ لوھارو چلو، اپنی حکومت چھوڑ کر دلی کی رعیت میں کیوں مل گئے،،؟

سبحان‌اللہ! بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم درست اور طبع سلیم۔ میں اس خوبی‌خو اور فرخی سیرت پر اس کو ''فرخ سیر،، کہتا ہوں۔ مصاحب بے بدل ہے۔ تم اس کو بلا کیوں نہیں بھیجتے؟ مگر بھائی غلام حسین خاں مرحوم(۲) کے متبع ہو کہ زین‌العابدین و حیدر حسن اور ان کی اولاد کو کبھی منہ نہ لگایا۔ علاؑالدین خاں جیسا ہوشمند و ہمہ دان بیٹا، ''فرخ سیر،، جیسا دانشور، بذلہ سنج اور شیریں سخن پوتا ۔ یہ دو عطیہ عظمیٰ و موہبت کبریٰ ہیں، تمہارے واسطے من جانب اللہ:

اگر دریافتی بردانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس، افسوس

---

(۱) ترکی میں ''آکا،، بڑے بھائی کو کہتے ہیں ۔ بول چال میں یہ لفظ والد کے لیے استعمال ہونے لگا۔ جس طرح ''آپا جان،، والدہ کے لیے، حالانکہ ''آپا،، کے معنی بڑی بہن کے ہیں۔ زیر نظر فقرے میں ''آکا جان،، سے مراد علائی ہیں۔

(۲) غالب کے ہم زلف اور عارف و حیدر حسن کے والد۔ مسرور نے اپنی بیوی آبادی بیگم (بنت الہی بخش خاں معروف) کو چھوڑ کر ایک اور خاتون سے شادی کر لی تھی اور آبادی بیگم نیز بچوں سے بالکل بے تعلق ہو گئے تھے میرزا کا مطلب یہ ہے کہ امین الدین احمد خاں نے بھی مسرور کی پیروی میں بچوں کو چھوڑ دیا۔

آج ۲۲- جون کی ہے، آفتاب سرطان میں آگیا۔ نقطۂ انقلاب صیفی(۱) میں دن گھٹنے لگا۔ چاہیے کہ تمہارا غیظ و غضب ہر روز کم ہوتا جائے(۲)

نجات کا طالب غالب

علاؤالدین احمد خاں علائی

(۱)

میرزا نسیمی(۳) کو دعا پہنچے!

آنکھ کی گہاجنی جب پک کر پھوٹ گئی تھی اور پیپ نکل گئی تھی تو نشتر کیوں کھایا؟ مگر یہ کہ بطریق خوشامد طبیب سے رجوع کی۔ جب

---

(۱) نقطۂ انقلاب صیفی کے معنی ہیں وہ نقطہ جہاں سے موسم گرما میں انقلاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ سب سے بڑا دن ۲۱- جون کو ہوتا ہے۔ پھر دن گھٹنے لگتے ہیں اور راتیں بڑھنی شروع ہوتی ہیں۔ گویا ۲۲- جون کو ''انقلاب،، صیفی کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ جس طرح ۲۲- دسمبر سے ''انقلاب شتائی،، کا آغاز ہوتا ہے۔

(۲) میرا اندازہ ہے کہ یہ خط جون ۱۸۶۷ء کا ہے۔ اس میں امیرالدین احمد عرف ''فرخ مرزا،، سے گفتگو کا مفاد درج ہے۔ ''فرخ مرزا،، کی پیدایش ۱۸۶۱ء کی تھی۔ اس لیے اسے بالشت بھر کا لڑکا کہا۔

معلوم ہوتا ہے امین الدین احمد اپنے فرزند علاؤالدین خاں علائی سے ناراض تھے۔ اس لیے کہا کہ موسم گرما میں انقلاب شروع ہو گیا ہے اور ضروری ہے کہ تمہارے غصے کی تیزی بھی موسم کی طرح روز بہ روز کم ہوتی جائے۔

(۳) علائی کا تخلص پہلے نسیمی تھا۔

اس نے نشتر تجویز کیا، خواهی نخواهی امتثال امر کرنا پڑا اور شاید یوں نہ ہو، کچھ مادہ باقی ہو - بہر حال حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفا بخشے!

قطعہ

بسکہ فعال مایرید (۱) ہے آج ہر سلحشور (۲) انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک (۳) جس کو کہیں وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرۂ ذرۂ خاک تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک آدمی واں نہ جا سکے، یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے با ہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یارب کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

(۱۸۵۸ء) (۴)

---

(۱) جو چاہے کرنے والا۔ مختار کل۔

(۲) ہتھیاروں سے کام لینے والا یعنی سپاہی۔

(۳) چاندنی چوک، جہاں کوتوالی کے سامنے انگریزوں نے بے گناہوں کو پھانسیاں دی تھیں۔

(۴) اس خط کی تاریخ کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے، یعنی ۱۸۵۸ء کا ہونے میں تو شبہ نہیں - لیکن منشی مہیش پرشاد نے اسے (۲) رکھا ہے اور میرے نزدیک یہی علائی کے نام سب سے پہلا خط ہے - معاملہ قیاس کا ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ صحیح قیاس کون سا ہے -

آج بدھ کے دن ۲۷۔ رمضان کو پہر دن چڑھے کہ جس وقت میں کھانا کھا کر باہر آیا تھا، ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط اور شہاب الدین خاں(۱) کا خط معاً لایا۔ مضمون دونوں کا ایک ۔ واہ کیا مضمون! ان دنوں میں کہ سب طرح کے رنج و عذاب فراہم ہیں ، ایک داغ جگر سوز یہ بھی ضرور تھا۔ سبحان اللہ میں نے اس کی صورت بھی نہیں دیکھی، یا ولادت کی تاریخ سنی یا اب رحلت کی تاریخ لکھنی پڑی(۲)۔ پروردگار تم کو جیتا رکھے اور نعم البدل عطا کرے۔

میاں، اس کو سب جانتے ہیں کہ میں مادہ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں۔ لوگوں کے دیے ہوئے مادے نظم کر دیتا ہوں اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر لچر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اپنے بھائی(۳) کی رحلت کا مادہ ''دریغ دیوانہ'' نکالا۔ پھر اس میں سے ''آہے'' کے عدد گھٹائے

تمام دوپہر اسی فکر میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادہ ڈھونڈا، تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اس پر بڑھاؤں۔ بارے ایک قطعہ درست ہوا، مگر تمہاری زبان سے، گویا تم نے کہا ہے

---

(۱) بن ضیاءالدین احمد خاں نیر جو بظاہر اس وقت لوہارو میں تھے۔

(۲) علائی کے بچے کی تاریخ وفات ، جس کا نام یحیی تھا۔

(۳) میرزا یوسف خاں جس نے دوران غدر میں ۲۹ - صفر ۱۲۷۴ھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء) کو دھلی میں بہ حالت دیوانگی وفات پائی۔ غالب نے تاریخ وفات کہی :

ز سال مرگ ستم دیدہ میرزا یوسف — کہ زیستے بہ جہاں در زخویش بیگانہ
یکے در انجمن از من ہمے پژوہش کرد — کشیدم ''آہے'' وگفتم ''دریغ دیوانہ''

''دریغ دیوانہ'' سے ''آہے'' کے اعداد نکالے جائیں تو صحیح تاریخ نکل آتی ہے۔

پانچ شعر ہیں : تین شعر زائد، دو موضح مدعا(۱)، لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ(۲) اچھا ہے یا برا ہے۔ ہاں اغلاق(۳) تو البتہ ہے۔ تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہ ہو۔

قطعہ

در گریہ اگر دعوی ہم چشمی ما کرد — بینی کہ شود ابربہاری خجل از ما
ناچار بگرئیم شب و روز کہ این سیل — باشد کہ برد کالبد آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم — خود گرد بر آورد غم جاں گسل از ما
یحییٰ شد و از شعلہ سوز غم ہجرش — چوں شمع دود دود بسر متصل از ما
غم دیدہ نسیمی پئے تاریخ وفاتش — بنوشت کہ در داغ پسر سوختہ‌دل از ما

''ما،، کے عدد ۴۱ ''دل،، کے عدد ۳۴ ۔ ''ما،، میں سے ''دل،، گیا، گویا ۴۱ میں سے ۳۴ گئے،باقی رہے سات۔ وہ ''داغ پسر،، پر بڑھائے، ۱۲۷۴ ہاتھ آئے۔

چہار شنبہ ۲۷ رمضان (۱۲۷۴) ۔

(۱۰- مئی ۱۸۵۸ء-)

(۲)

خاک نمناکم و تو باد بہار نتوانی مرا از جا بردار

---

(۱) مدعا واضح کرنے والے۔

(۲) اصطلاحاً مادے میں اعداد بڑھانے اور شامل کرنے کو کہتے ہیں، جیسے تخرجہ کا مطلب ہے اعداد نکالنا اور خارج کرنا۔

(۳) پیچیدگی۔

ہاں ''نسیمی،، زمن چه می خواهی   زحمت خویشتن چه می خواهی(۱)

خوشی مجھ میں تجھ میں مشترک ہے۔ تم نے مجھے تہنیت دی تو مبارک اور میں نے تمہیں تہنیت دی تو مناسب۔ للہ الحمد، للہ الشکر۔

بھائی سچ تو یہ ہے کہ ان دنوں میں میرے پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر بیرنگ بھیجوں تو کہار ماندہ، اٹھ نہیں سکتا۔ ڈاک گھر تک جائے کون؟ اپنا مقصود تمہارے والد ماجد(۲) سے اور تمہاری جدۂ ماجدہ(۳) اور تمہارے عم(۴) عالی مقدار سے کہہ چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میری بی بی اور بچوں کو کہ یہ تمہاری قوم کے ہیں، مجھ سے لے لو کہ میں اب اس بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بھی، بہ شرط ان لوگوں کے لوہارو جانے کے، اس خواہش کو قبول کیا۔ میرا قصد سیاحت کا ہے۔ پنسن اگر کھل جائے گا تو وہ اپنے صرف میں لایا کروں گا۔ جہاں جی لگا، وہاں رہ گیا،، جہاں

---

(۱) پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''زجابردار،، کی جگہ ''زجابردن،، ہے۔ منشی مہیش پرشاد نے بھی اسی طرح چھاپا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ قطعہ بنتا ہے اور نہ مثنوی رہتی ہے، میرزا غالب قادرالکلام شاعر تھے، کیوں کر ممکن تھا کہ ایسے دو شعر متصل لکھتے جو نہ قطعہ ہوتے، نہ رباعی اور نہ مثنوی۔ یہ حقیقت ذرا غور کر لینے سے واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں یقیناً ''زجابردار،، ہوگا، جسے خدا جانے کس وجہ سے ''زجابردن،، بنایا گیا۔ صحیح ''زجابردار،، ہی ہو سکتا ہے۔ اس مصرعے کا ایک نسخہ یوں ہے:

کے توانی مرا زجابردار

(۲) امین الدین احمد خاں،   (۳) امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں کی والدہ۔

(۴) ضیاءالدین احمد خاں۔

سے دل اکھڑا، چل دیا۔(۱)

تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست

دو شنبہ ۱۳- محرم ۱۲۷۵ھ غالب

(مطابق ۲۳- اگست ۱۸۵۸ء)

(۴)

سبحان‌اللہ! ہزار برس تک نہ پیام بھیجنا ، نہ خط لکھنا اور پھر لکھنا تو سراسر غلط لکھنا۔ مجھ سے کتاب مستعار مانگتے ہو! یاد کرو کہ تم کو لکھ چکا ہوں کہ ''دساتیر،، اور ''برہان قاطع،، کے سوا کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ ازاں جملہ ''برہان قاطع،، تم کو دے چکا ہوں۔ ''دساتیر،، میرا ایمان و حرز و جان ہے۔

اشعار تازہ مانگتے ہو، کہاں سے لاؤں؟ عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بعد ہے جو ایمان سے کفر کو۔ گورنمنٹ کا بھاٹ تھا۔ بھٹئی کرتا تھا، خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف، بھٹئی متروک۔ نہ غزل، نہ مدح۔ ہزل و ہجو میرا آئین نہیں۔ پھر کہو کیا لکھوں؟ بوڑھے پہلوان کے سے پیچ بتانے کو رہ گیا ہوں۔ اکثر اطراف و جوانب سے اشعار آ جاتے ہیں۔ اصلاح پا جاتے ہیں باور کرنا اور مطابق واقع سمجھنا۔

---

(۱) ظاہر ہے یہ اس زمانے کا مکتوب ہے، جب میرزا کی آمدنی کے تمام وسائل مسدود تھے۔ خاندانی پنشن کی بندش پر پورا ایک سال گزر چکا تھا اور اس کے ملنے کا یقین نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت پریشان اور تنگ دل تھے۔ میرزا نے خود واضح کر دیا ہے، لوہارو والے آمادہ تھے کہ بیگم غالب نیز باقر علی خاں اور حسین علی خاں لوہارو میں رہیں تو ان کی پوری کفالت کی جائے گی۔

تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پر ہے کہ تم یہاں آؤ۔ کاش اپنے والد ماجد کے ساتھ چلے آتے اور مجھ کو دیکھ جاتے۔ اردو کا دیوان رام پور سے لایا ہوں اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں منطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمہارے پاس بھی پہنچ جائے گا:

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مرقومہ روز دو شنبہ ۲- جولائی ۱۸۶۰ء غالب

(۵)

صاحب،

میری داستان سنئیے۔ پنسن بے کم و کاست جاری ہوا۔ زر مجتمعہ سہ سالہ (۱) یکمشت مل گیا۔ بعد ادائے حقوق چار سو روپے(۲) دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔ مئی کا مہینہ بدستور ملا۔ آخر

---

(۱) ابتدائے ۷- مئی ۱۸۵۷ء سے اواخر اپریل ۱۸۶۱ء تک۔

(۲) مئی ۱۸۶۰ کے مکتوب میں مجروح کو تفصیل یوں بتائی ہے۔:

۱ - وصول شدہ رقم	دو ہزار دو سو پچاس
۲ - مدد خرچ جو پہلے لے لیا	ایک سو
۳ - متفرقات	ڈیڑھ سو
۴ - مختار کار کا قرض مع سود	کچھ کم پندرہ سو
۵ - قرض متفرق	کچھ اوپر گیارہ سو

گویا حقیقتاً دو ہزار وصول ہوئے اور دو ہزار چھ سو کے قریب قرض ہوا۔ اب فرماتے ہیں ، قرض ادا ہو گیا۔ صرف چار سو روپے میرے ذمے رہ گئے۔ ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔ اغلب ہے سود میں یا قرض میں کچھ تخفیف ہو گئی ہو۔

جون میں حکم ہو گیا کہ پنسن دارعلی العدوم ششماہی پایا کریں۔ ماہ بہ ماہ پنسن تقسیم نہ ہوا کرے۔

میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اب وہ حویلی غلام اللہ خاں نے مول لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کر دو۔ اب مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب ہمدگر ایسی ملیں کہ ایک محل سرا اور ایک دیوان خانہ ہو۔ نہ ملیں۔ ناچار یہ چاہا کہ بلی ماروں میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جا رہوں۔ نہ ملا۔ تمہاری چھوٹی پھوپھی نے بیکس نوازی کی، کروڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ ہر چند وہ رعایت مرعی نہ رہی کہ محل سرا سے قریب ہو۔ مگر خیر، بہت دور بھی نہیں۔ کل یا پرسوں وہاں جا رہوں گا۔ ایک پانو زمین پر ہے، ایک پانو رکاب میں۔ توشے کا وہ حال، گوشے کی یہ صورت(۱)۔

کل شنبہ ۱۷۔ ذی الحجہ کی اور ۷ جولائی کی(۲)، پہر دن چڑھے تمہارا خط پہنچا۔ دو گھڑی بعد سنا گیا کہ امین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا۔ پہر دن رہے از راہ مہربانی ناگاہ میرے پاس تشریف لائے: میں نے اون کو دبلا اور افسردا پایا۔ دل کڑھا۔ علی حسین خاں(۳) بھی آیا۔ اوس سے بھی ملا۔ میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ بھائی صاحب(۴)

---

(۱) توشہ و گوشہ سے مراد ہے۔ وجہ معاش اور مکان

(۲) یہاں عام نسخوں میں ''۷۔ جون کی،، درج ہے۔ جو غلط ہے۔ اس لیے کہ ۲۰۔ جون ۱۸۶۰ء سے ذی الحجہ کا مہینا شروع ہو گیا تھا۔ صحیح ۷۔ جولائی ہی ہے۔ یا تو خود میرزا سے لکھنے میں سہو ہوا یا بعد میں ناقلوں سے غلطی ہو گئی۔

(۳) علائی کا چھوٹا بھائی پورا نام علی حسین خاں نجم الدین۔

(۴) امین الدین احمد خاں۔

بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے اور اس سے علاوہ وہ (۱) اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اوس کو چاہتے تھے؟ ھنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر اون کو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔

نگاشتہ و رواں داشتہ یک شنبہ بین الظہر و عصر راقم، غالب

۱۸۔ ذی الحجہ (۱۲۷۶ھ)، ۸۔ جولائی (۱۸۶۰ء)

(۹)

مولانا نسیمی!

کیوں خفا ہوتے ہو؟ ہمیشہ سے اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں۔ اگر نیر(۲) خلیفہ اول ہے (تو) تم خلیفہ ثانی ہو۔ اس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے۔ جانشیں دونوں، مگر ایک اول اور ایک ثانی ہے۔

شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریق صید افگنی سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہو گئے۔ حسن طبع خداداد رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو (۳) اسم تاریخ کیوں نہ نکال لو کہ مجھ پیر غمزدہ دل کو تکلیف دو؟ علاءالدین خاں، تیری جان کی قسم، میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا اور وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیرالدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل

---

(۱) یعنی علائی۔

(۲) ضیاءالدین احمد خاں، جنہیں غالب نے خلیفہ اول کی سند دی تھی۔

(۳) یہ امیرالدین احمد خاں عرف فرخ مرزا کی ولادت کا ذکر ہے جو علائی کے بعد مسند نشیں لوھارو ہوئے۔

ہوئے، پھر نہ سنبھل سکے(۱) - جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا - نہ صاحب ، دہائی خدا کی، میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈوں گا حق تعالیٰ تم کو اور تمہاری اولاد کو سلامت رکھے اور عمر و دولت و اقبال عطا کرے -

سنو صاحب، حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے، وہ امرد کو دو چار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں - جانتے ہیں کہ جوان ہے، لیکن بچہ سمجھتے ہیں - یہ حال تمہاری قوم کا ہے - قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اوس کی عزت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے اور صاحب، تم بھی جانتے ہو، مگر جب تک اوس سے قطع نظر نہ کرو اور اس مسخرے کو گمنام و ذلیل نہ سمجھ لو، تم کو چین نہ آئے گا - پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں - ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں - بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں - حکام کے خطوط فارسی و انگریزی، یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے، صرف شہر کا نام اور میرا نام - یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور اون خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا - اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں، نہ سہی، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک

---

(۱) نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کی مدح کا قصیدہ کلیات نظم فارسی میں ایک ہے یعنی قصیدہ (۴۹) - امجد علی شاہ کی مدح کا قصیدہ بھی ایک ہی ہے - یعنی قصیدہ (۵۰) - واجد علی شاہ کی مدح میں تین قصیدے ہیں : (۵۱)، (۵۲) - (۵۳) - "پھر نہ سنبھل سکے" سے مراد ہے کہ معزول ہو گئے اور بادشاہی جاتی رہی -

یہ بھی واضح رہے کہ میرزا نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض معذرت کا ایک طریقہ ہے ورنہ کسی کی تاریخ کہنے یا مدح و ستایش کرنے سے اس کی زندگی یا عروج و اقتدار کو کیا تعلق ہے -

محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتا نہ پائے۔ آپ صرف دھلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجیے، خط پہنچنے کا میں ضامن (۱)۔

پنجشنبہ ۴۔ ماہ اپریل (۱۸۶۱ء)　　　　　　　　غالب

(۷)

میری جان، تخلص تمہارا بہت پاکیزہ اور میرے پسند ہے۔ ''پشمی،، کو بہ تکلف اس کا مصحف(۲) کیوں ٹھہراؤ؟ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی خے کو جیم فارسی سے بدل دو۔ نبی کو بتقدیم موحدہ علی‌النون لکھو (۳)۔ یہ وساوس دل سے دور کرو۔ ''رهرو،، ایک اچھا تخلص ہے، ''رهڑو،، اس کی تجنیس موجود ہے ''شیون،، اچھا تخلص ہے، ''ستون،، اس کی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بمنا اسبت اسم عالی تخلص خوب تھا، مگر اس تخلص کا ایک شاعر بہت بڑا نامی گزر چکا ہے(۴) ہاں ''نامی،، ''سامی،، یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا ''فائق،، کی پیروی کرو، مولانا ''لائق،، کہلاؤ۔ اگر کہوگے کہ اس ترکیب سے لفظ ''نالائق،، پیدا ہوتا ہے، مولانا شائق بن جاؤ۔

(۱) ظاہر ہے کہ علائی نے مکان کا پتا پوچھا ہوگا۔ اس سے میرزا کے احساس عظمت و شہرت کو ٹھیس لگی اور نہایت دل آویز انداز میں اس کا اظہار کر دیا۔

(۲) مصحف یعنی تصحیف شدہ۔ تصحیف کا مطلب ہے، نقطے بدل کر دوسرا لفظ بنا لینا۔ مثلاً ''نسیمی،، سے ''پشمی،،۔

(۳) یعنی ''خدا،، کے نقطے بدل کر ''جدا،، اور ''نبی،، کو ''بنی،، بنایا جا سکتا ہے۔

(۴) نعمت خاں عالی جو عالمگیر اعظم کا خان ساماں تھا۔ بہادر شاہ اول نے اسے دانشمند خاں خطاب دے دیا تھا۔ نظم سے کہیں بڑھ کر نثر نگاری میں اسے کمال خاص حاصل تھا۔ ''وقائع،، ''حسن و عشق،، اور ''جنگ نامہ،، اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ دیوان بھی چھپ چکا ہے۔

ہنسی کی باتیں ہو چکیں۔ اب حقیقت واجبی سنو۔ ''نسیمی،، تخلص، خماسی(۱) بروزن ''ظہوری،، و ''نظیری،، اچھا ہے۔ اگر بدلنا منظور ہے تو ''نامی،، ''سامی،، ''رہرو،، ''شیون،، یہ چار تخلص رباعی(۲) بروزن ''عرفی،، و ''غالب،، اچھے ہیں،، ان میں سے ایک تخلص قرار دو۔ میرے نزدیک سب سے بہتر تمہارے واسطے خاص ''فخری،، تخلص ہے۔ کہوگے کہ آزاد پور باغ کے ایک آم کا نام ''فخری،، ہے۔ حاصل کلام دو دن کی فکر میں جو تخلص میرے خیال میں آئے، وہ آج لکھ بھیجتا ہوں۔ بھائی ''موبد،، تخلص نیا ہے۔ اگر یہ پسند آجائے تو یہ رکھو۔ والدعا۔

صبح یک شنبہ - ۱۲- مئی ۱۸۶۱ء نجات کا طالب، غالب

(۸)

میری جان علائی همه دان!

اس دفع دخل مقدر کا کیا کہنا ہے(۳)۔ ''فرہنگ لغات دساتیر،، تمہارے پاس ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی نقل تم سے منگاؤں۔ تم نے ''دساتیر،، مجھ سے مانگی۔ اسی صحیفہ مقدس کی قسم کہ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ جی میں کہوگے کہ اگر ''دساتیر،، نہیں تو ''فرہنگ،، کی خواہش کیوں ہے؟ حق یوں ہے کہ بعض لغات کے اعراب یاد نہیں، اس واسطے فرہنگ کی خواہش ہے۔ اگر اس ''فرہنگ،، کی نقل بھیج دوگے تو مجھ پر احسان کروگے۔ ''دساتیر،، میرے پاس موجود ہوتی تو آج اس خط کے ساتھ اس کا بھی پارسل بھیج دیتا(۴)۔ ہاں صاحب اگر ''دساتیر،، ہوتی اور میں بھیج دیتا، تو البتہ

---

(۱) پنج حرفی۔ (۲) چار حرفی۔

(۳) دفع دخل مقدر کا مطلب ہے ایسی بات کہنا، جس سے سوال کا دروازہ بند ہو جائے۔

(۴) ۲- جولائی ۱۸۶۰ء کے خط میں ''دساتیر،، کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ گویا وہ میرزا کے پاس موجود تھی۔ ممکن ہے بعد میں واپس کر دی ہو۔

بھائی(۱) صاحب کا مشکور ہوتا۔ دین و دنیا میں کیوں ماجور ہوتا؟ ارسال اہدا(۲) پر حصول اجر کیوں مترتب ہو گیا؟ بھائی وہ مذہب اختیار کیا چاہتے ہیں اور تم اوس مذہب کو حق جانتے ہو کہ میں جو واسطہ اوس کے اعلان و شیوع کا ہوتا تو عنداللہ مجھ کو استحقاق اجر پانے کا پیدا ہوتا۔ اپنے باپ کو سمجھاؤ اور ایک شعر میرا اور ایک شعر حافظ کا اور ایک شعر مولوی روم کا سناؤ۔

غالب :

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیماں شو
کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو

حافظ :

جنگ ہفتاد دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مولانا روم :

مذہب عاشق ز مذہبہا جداست
عاشقاں را مذہب و ملت خداست

رات کو خوب مینہ برسا ہے، صبح کو تھم گیا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے۔ ابر تنک چھا رہا ہے۔ یقین ہے کہ تمہاری جدۂ ماجدہ مع اپنی بہو اور پوتے کے روانۂ لوہارو ہوں۔ کل آج کی روانگی کی خبر تھی یہ لڑکا سعید ازلی ہے۔ ابر کا محیط ہونا اور ہوا کا سرد ہو جانا خاص اس کی آسایش کے

---

(۱) امین الدین احمد خاں۔

(۲) ہدیہ بھیجنا۔

واسطے ہے ۔ میرا منظر سر راہ ہے، وہاں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ محمد علی بیگ اودھر سے نکلا۔

''بھئی محمد علی بیگ ، لوھارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں،، ؟

''حضرت، ابھی نہیں،،!

''کیا آج نہ جائیں گی،،؟

''آج ضرور جائیں گی، تیاری ہو رہی ہے،، !

مرقومہ شنبہ یکم جون ۱۸۶۱ء وقت ۶ بجے ۷ کے عمل میں — غالب

(۹)

جان غالب!

یاد آتا ہے کہ تمہارے عم نامدار(۱) سے سنا تھا کہ لغات ''دساتیر،، کی فرہنگ وہاں ہے ۔ اگر ہوتی تو کیوں نہ بھیج دیتے ؟ خیر :

آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

تم ثمر نورس ہو اوس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے(۲) اور میں ہوا خواہ و سایہ نشیں اوس نہال کا رہا ہوں۔ کیوں کر تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے ؟ رہی دید وادید، اس کی دو صورتیں ہیں : تم دلی میں آؤ یا میں لوھارو آؤں۔ تم مجبور، میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو، جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے۔

سنو، عالم دو ہیں : ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے ، جو خود فرماتا ہے : لمن الملک الیوم؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے : للہ الوحد القہار۔ ہر چند قائدہ عام یہ ہے

---

(۱) ضیاءالدین احمد خاں نیر ورخشاں۔ (۲) امین الدین احمد خاں۔

کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں ، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں ۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا ۔(۱) تیرہ برس حوالات میں رہا ۔ ۷۔ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا(۲) ۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا ۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا ۔ برسوں کے بعد میں جیل خانہ سے بھاگا ۔ تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا(۳) ۔ پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے ۔ پھر اسی محبس میں بٹھا دیا ۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے، دو ہتکڑیاں اور بڑھا دیں ۔ (۴) پانو بیڑی سے فگار، ہاتھ ہتکڑیوں سے زخم دار ۔ مشقت مقرری اور مشکل ہو گئی ۔ طاقت یک قلم زائل ہو گئی ۔ بے حیا ہوں ۔ سال گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زنداں میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا(۵) ۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا ۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا ۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا ۔ بھاگوں کا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی ۔ حکم رہائی (۶) دیکھیے کب صادر ہو ۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہ ذی‌الحجہ ۱۲۷۷ھ میں چھوٹ جاؤں ۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا ۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا :

---

(۱) پیدایش ۔ (۲) شادی ۔ بیڑی سے مراد ہے بیوی ۔

(۳) سفر کلکتہ جس میں میرزا کو کان پور، لکھنئو، باندہ، بنارس، عظیم آباد، مرشدآباد وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا ۔

(۴) باقر علی خاں اور حسین علی خاں فرزندان ۔ عارف اور اس کی بیوی کی وفات کے بعد والدۂ عارف ان بچوں کو سنبھالے بیٹھی تھی ۔ اس کا بھی انتقال ہو گیا تو میرزا اور ان کی بیگم دونوں بچوں کو اپنے پاس لے آئے ۔

(۵) سفر رام پور کی طرف اشارہ ہے ۔

(۶) یعنی دیکھیے کب موت آئے ۔

فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم
سوئے شہر خود ازیں وادی ویراں بروم

گانے میں غزل کے ساتھ شعر کافی ہوتے ہیں ۔ دو فارسی غزلیں، دو اردو غزلیں اپنے حافظہ کی تحویل میں (سے) بھیجتا ہوں، بھائی صاحب کی نذر :

از جسم بجاں نقاب تا کے؟ ایں گنج دریں خراب تا کے؟
ایں گوہر پرفروغ یا رب! آلودۂ خاک و آب تا کے؟
ایں راہرو مسالک قدس وا ماندۂ خورد و خواب تا کے؟
بیتابی برق جز دمے نیست ما ویں ہمہ اضطراب تا کے؟
جاں در طلب نجات تا چند؟ دل در تعب عتاب تا کے؟
پرسش ز تو بے حساب باید غم ہائے مرا حساب تا کے؟

غالب بہ چنیں کشا کش اندر
یا حضرت بو تراب تا کے (۱)

دوش، کز گردش بختم گلہ بر روئے تو بود
چشم سوئے فلک وروئے سخن سوئے تو بود
آنچہ شب شمع گماں کردی و رفتی بہ عتاب
نفسم پردہ کشائے اثر خوئے تو بود
چہ عجب، صانع اگر نقش دہانت گم کرد؟
کاں خود از حیرتیان رخ نیکوئے تو بود
بہ کف باد مباد ایں ہمہ رسوائی دل
کاخر از پردگیان شکن موئے تو بود

---

(۱) یہ غزل غالب کے فارسی کلیات میں شامل نہ ہوئی کیونکہ بعد میں کہی گئی تھی ۔ ”سبد چین“ میں چھپی ۔

مردن و جاں به تمنائے شہادت دادن
هم از اندیشهٔ آزردن بازوے تو بود
دوست دارم گرہے را که بکارم زده اند
کایں همان است که پیوسته در ابروے تو بود
لاله و گل دمد از طرف مزارش پس مرگ
تا چها در دل غالب هوس روے تو بود (۱)

ہے بسکه هر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے هیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
هر روز دکھاتا هوں میں اک داغ نہاں اور
ہے خون جگر جوش میں، دل کھول کے روتا
هوتے جو کئی دیدۂ خونناب فشاں اور
یارب وہ نه سمجھے هیں، نه سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نه دے مجھ کو زباں اور

---

(۱) یه غزل کلیات فارسی میں موجود ہے ۔ لیکن اس کے بارہ شعر هیں ۔ بقیه شعر یه هیں :

چرخ کج باخت به من، در خم دام تو فگند
نعل واژون بلا حلقه گیسوے تو بود
شب چه دانی ز تو در بزم به خوباں چه گزشت
خاصه بر صدر نشینے که به پہلوے تو بود
خلد را از نفس شعله فشاں مے سوزم
تا ندانند حریفاں که سر کوے تو بود
روش باد بہاری به گمانم افگند
کایں گل و غنچه پئے قافلهٔ بوے تو بود
هم ازاں پیش که مشاطه بد آموز شود
نقش هر شیوه در آئینه زانوے تو بود

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم؟ جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ''ہاں اور،،
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور (۱)

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے
ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کیے
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے
کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

---

(۱) اردو دیوان میں اس غزل کے گیارہ شعر ہیں ۔ باقی چار یہ ہیں :

ابرو کو ہے کیا اس نگہ ناز سے پیوند
ہے تیر مقرر، مگر اس کی ہے کماں اور
ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور
لیتا، نہ اگر تمہیں دیتا، کوئی دم چین
کرتا، جو نہ مرتا کوئی دن، آہ و فغاں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے (۱)

ذی‌الحجہ ۱۲۷۷ھ (جون ۱۸۶۱ء)

(۱۰)

علائی مولائی!

اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ اودھر اور پڑھا ادھر جواب لکھا۔ واہ کیا کہنا ہے؟ رام پور کے علاقے کو گاؤشنگ(۲) اور مجھ کو بیل یا اوس پیوند کے طعنے کو تازیانہ اور مجھ کو گھوڑا بنایا۔ وہ علاقہ اور وہ پیوند لوھارو کے سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو؟ رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمہ کمشنری میں معین نہیں ہوں۔ جس طرح امرا واسطے فقرا کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں، اوسی طرح اس سرکار(۳) سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے دعاے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہے۔ چاہوں دلی رہوں، چاہوں اکبر آباد، چاہوں لاہور، چاہوں لوھارو۔ ایک گاڑی کپڑوں(۴) کے واسطے کرایہ کروں۔

---

(۱) اس غزل کے باقی شعر یہ ہیں۔ :

دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے؟
بے صرفہ ہی گزرتی ہے، ہو گرچہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیے!
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے!

(۲) گاؤشنگ، وہ چھوٹی سی سوئی، جسے بیلوں کو ہانکنے کی لکڑی کے سرے پر لگا لیتے ہیں۔ یہ سوئی بیلوں کو چبھوئی جائے تو وہ تیز چلتے ہیں۔ اردو اور ہندی میں اسے ''آر'' کہتے ہیں۔

(۳) سرکار رام پور۔

(۴) مطلب ہے سامان کے لیے، جس میں کپڑے بستر وغیرہ شامل ہیں۔

کپڑوں کے صندوق میں آدھی درجن شراب دھروں۔ آٹھ کہار ٹھیکے کے لوں(۱)۔ چار آدمی (۲) رکھتا ہوں۔ دو یہاں چھوڑوں ، دو ساتھ لوں، چل دوں(۳) رام پور سے جو لفافہ آیا کرے گا، لڑکوں کا حافظ لوہارو بھجوایا کرے گا۔ گاڑی ہو سکتی ہے ۔ شراب مل سکتی ہے۔ کہار بہم پہنچ سکتے ہیں ۔ طاقت کہاں سے لاؤں؟ روٹی کھانے کو باہر کے مکان سے محلسرا میں کہ وہ بہت قریب ہے، جب جاتا ہوں تو ہندوستانی گھڑی بھر میں دم ٹھہرتا ہے اور یہی حال دیوان خانے میں آکر ہوتا ہے۔ والی رام پور نے بھی تو مرشد زادے کی شادی میں بلایا تھا(۴)۔ یہی لکھا گیا کہ میں اب معدوم محض ہوں۔ تمہارا اقبال تمہارے کلام کو اصلاح دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو۔

بھائی(۵) کے اور تمہارے دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے، پر کیا کروں؟ عقرب و قوس کے آفتاب یعنی نومبر دسمبر میں قصد تو کروں گا۔ کاش لوہارو کی جگہ گوڑگانوہ ہوتا یا بادشاہ پور ہوتا(۶)۔ کہو گے کہ رام پور کیا نزدیک ہے؟ وہاں گئے کو دو برس ہو گئے۔ یہاں انحطاط و اضمحلال روز افزوں۔ نہ تم یہاں آسکتے ہو، نہ مجھ میں وہاں آنے کا دم ۔ بس اگر نومبر دسمبر میں میرا اخیر حملہ چل گیا، بہتر ، ورنہ :

---

(۱) پالکی اٹھانے کے لیے ۔(۲) ملازم۔

(۳) لوہارو کی طرف۔

(۴) نواب یوسف علی خاں کے منجھلے صاحبزادے سید حیدر علی خاں کی شادی کا ذکر ہے جو ۲۷- جولائی ۱۸۶۱ء کو قرار پائی تھی ، میرزا کو بھی دعوت پہنچی تھی، مگر انہوں نے معذرت کر دی۔

(۵) امین الدین احمد خاں۔

(۶) دونوں مقام دھلی کے قریب تھے اور وہاں پہنچنا لوہارو کے مقابلے میں سہل تھا۔

اے وائے ز محرومی دیدار و دگر ہیچ

چہار شنبہ ۲۵- ستمبر ۱۸۶۱ء- ہنگام نیمروز(۱) غالب

(۱۱)

صاحب،

آگ برستی ہے، کیوں کر آگ میں گر پڑوں؟ مہینا ڈیڑھ مہینا اور چپکے رہو- دے بہمن بہت دور ہے، آبان و آذر میں به شرط حیات قصد کروں گا-

یہ چند اوراق یوسف مرزا نے از روے ''دھلی اردو اخبار،، کاتب سے لکھوا رکھے تھے اور میرے پاس پڑے تھے- ثاقب کو دیے تا کہ کسی آدمی کے ھاتھ تم کو بھیج دے اور تم میری طرف سے میرے بھائی اور اپنے والد ماجد کو دو- جب اٹھا کر دیکھا کریں گے تو کئی منٹ کی دل لگی کو یہ اشعار مکتفی ھو جائیں گے- یہ سطریں جواب میں اوس خط کے ھیں جو آج اس وقت ڈاک میں، میں نے پایا ہے-

نیم روز دوشنبہ ۲۳- ربیع الاول ۱۲۷۸ھ

مطابق ۳۰- ستمبر ۱۸۶۱ء -

(۱۲)

میری جان!

کیا کہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ ہوا ٹھنڈی ہو گئی- پانی ٹھنڈا ہو گیا- فصل اچھی ہو گئی- اناج بہت پیدا ہو گیا- توقیع(۲) جانشینی مجھ سے

---

(۱) مرزا نے تاریخ آغاز خط میں لکھی تھی- میں نے یکسانی ترتیب کے خیال سے آخر میں درج کر دی اور یہ عمل تمام خطوں میں ہوا، جن میں تاریخ عنوان خط پر لکھی تھی-

(۲) شعر و ادب میں جانشینی کی سند-

تم کو پہنچا - خرقہ پایا۔ سبحہ و سجادہ کا یہاں پتا نہیں، ورنہ وہ بھی عزیز نہ رکھتا - اس سے بڑھ کر یہ کہ بھائی نے شفا پائی - استاد میر جان پہنچ گئے - آخر اکتوبر میں یا آغاز نومبر میں نیر رخشاں کو بھی وھیں لو- پھر عقرب و قوس کے آفتاب کا کیا ذکر؟ آبان ماہ و آذر ماہ سے کیا غرض؟

بسے تیر و دے ماہ و اردی بہشت
بر آید کہ ما خاک باشیم و خشت

استاد میر جان کو، اس راہ سے کہ میری پھوپی ان کی چچی تویں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، دعا اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے، سلام اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں - بندگی اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں، درود اور موافق مضمون اس مصرع کے :

سوے اللہ و اللہ، مافی‌الوجود

سجود -

حضرت وہ ''شرف نامہ،، نہیں ہے، کسی احمق نے شرف نامے میں سے کچھ لغات، اکثر غلط، کمتر صحیح، چن کر جمع کیے ہیں - نہ دیباچہ ہے کہ اوس سے جامع کا حال معلوم ہو، نہ خاتمہ ہے کہ عہد و عصر کا حال کھلے - بہ ایں ہمہ میاں ضیاءٔ الدین کے پاس ہے - اگر وہ آجائیں گے تو اون سے کہہ دوں گا- اگر وہ لائیں گے تو اون کو قیمت دے کر علائی مولائی کو بھیج دوں گا-

خصی بکروں کے گوشت کے قلیے، دو پیازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو، مجھ کو خدا کی قسم، اگر اس کا کچھ خیال بھی آتا ہو- خدا کرے ، بیکا نیر کی مصری کا ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو- کبھی یہ تصور

کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اوس مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہوں گے تو یہاں میں رشک سے اپنا کلیجا چبانے لگتا ہوں۔

سہ شنبہ ۱۵- اکتوبر ۱۸۶۱ء

نجات کا طالب، غالب

(۱۳)

مرزا علائی !

پہلے استاد میر جان صاحب کے قہر و غضب سے مجھ کو بچاؤ، تا کہ میرے حواس جو منتشر ہو گئے ہیں ، جمع ہو جائیں ۔ میں اپنے کو کسی طرح کے قصور کا مورد نہیں جانتا ۔ جھگڑا اون کی طرف سے ہے۔ تم اوس کو یوں چکاؤ یعنی اگر اون کو صرف آشنائی و ملاقات منظور ہے، تو وہ میرے دوست ہیں، شفیق ہیں ، میرا سلام قبول فرمائیں اور اگر قرابت و رشتہ داری ملحوظ ہے تو وہ میرے بھائی ہیں ، مگر عمر میں چھوٹے، میری دعا قبول فرمائیں ۔

صاحبین(۱) کی رائے کا اختلاف مشہور ہے ۔ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، مگر ہر ایک قول جدا جدا لکھوں ۔ آج نہ لکھا، نہ سہی، دو چار دن کے بعد لکھوں گا ۔ تم سمجھ تو گئے ہوگے کہ ''صاحبین،، مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ ہیں۔

---

(۱) ''صاحبین،، : لفظی معنی دو رفیق اور فیض یافتۂ صحبت ، فقہ حنفی میں ''صاحبین،، سے مراد امام ابو یوسف اور امام محمد رح ہیں ۔ جو امام اعظم کے رفیق اور شاگرد تھے ۔ یہاں مراد قربان علی بیگ سالک اور شمشاد علی بیگ رضوان ہیں، جیسا کہ میرزا نے خود تشریح فرما دی ہے ۔ معاملہ ان کی ملازمت کا ہے ، جس کا ذکر آگے آتا ہے ۔

بھائی صاحب کی رضا جوئی مجھ کو منظور اور یہ غزل معروض ہے۔ میری طرف سے سلام کہو(۱) :

از من غزلے گیر و بفرمائے کہ مطرب
در نے دمداز روے نوازش دو سہ دم را

غزل

جز دفع غم ز بادہ نبود است کام ما
گوئی چراغ روز سیاہست جام ما

در خلوتش گزر نبود باد را مگر
صر صر بخاک راہ رساند پیام ما

اے بادہ صبح! عطرے ازاں پیرہن بیار
تسکیں زبوے گل نہ پذیرد مشام ما

ہر بار دانہ بہر ہا افگینم و مور
آید بہ دام و دانہ رباید ز دام ما

گفتی! چو حال دل شنود مہرباں شود
مشکل کہ پیش دوست تواں بردنام ما

از ما بما پیام و ہم از ما بما سلام
رنج دلے مباد بیام و سلام ما

مقصود ما ز دہر ہر آئینہ نیستی ست
یا رب کہ ہیچ دوست مبادا بکام ما

غالب بقول حضرت حافظ زفیض عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(۱۴)

آج جس وقت کہ روٹی کھانے گھر جاتا تھا، شہاب الدین خاں تمہارا خط اور مصری(۲) کی ٹھلیا لے کر آئے۔ میں اس کو لوا کر گھر گیا۔ اپنے سامنے مصری تلوائی۔ آدھ پاؤ اوپر دو سیر نکلی۔ خانۂ دولت آباد، یہی کافی و وافی ہے اور اب حاجت نہیں۔ روٹی کھا کر باہر آیا۔ تمہارے ابن عم

---

(۱) اس خط پر تاریخ درج نہیں لیکن خط ۱۱ میں استاد میر جان کے نام سلام کے مختلف مدارج کا ذکر ہے۔ جس کا جواب میر جان کی طرف سے لکھا آیا چونکہ زیر نظر خط میں اسی معاملے کا اعادہ ہے، لہذا اس کا صحیح محل ۱۱ کے بعد معلوم ہوتا ہے۔

(۲) بیکانیر کی مصری۔

کا آدمی جواب خط کا متقاضی ہوا (۱) کہ شتر سوار جانے والا ہے۔ میں کھانا کھا کر لیٹنے کا عادی ہوں۔ لیٹے لیٹے مصری کی رسید لکھ دی۔ مطالب مندرجۂ خط کا جواب کل دوں گا۔

چاشتگاہ سہ شنبہ دوازدہم نومبر ۱۸۶۱ء غالب

(۱۰)

صاحب!

صبح جمعہ کو میں نے تم کو خط لکھا، اوسی وقت بھیج دیا۔ پہر دن چڑھے سنا کہ شب کو پھر دورہ ہوا(۲)۔ گیا، خود اون سے حال پوچھا۔ محمد علی بیگ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ بہ نسبت دورہ ہاے سابق خفیف تھا اور افاقہ جلد ہو گیا۔ کل مرزا شمشاد علی بیگ ناقل تھے کہ مجھ سے علی حسین کہتے تھے کہ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ لوہارو چلوگے اور ہماری دال روٹی قبول کروگے؟ میں نے کہا میں دال روٹی چاہتا ہوں، مگر پیٹ بھر۔ غالب کہتا ہے کہ اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ سالک سے سلوک منظور نہیں، تنہا ہواے شمشاد و در سراست(۳):

---

(۱) یعنی شہاب الدین احمد خاں ثاقب کا آدمی جو علائی کے ابن عم تھے۔

(۲) یہ امین الدین احمد خاں کی بیماری کے دورے کا ذکر ہے۔

(۳) مطلب یہ کہ سالک کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے ہیں۔ صرف شمشاد کو لے جانے کے خواہاں ہیں۔ تعجب ہے۔ منشی مہیش پرشاد فرماتے ہیں کہ اس فقرے کے کچھ معنی نہیں بنتے (خطوط غالب ص ۳۳۳ حاشیہ) لیکن مطلب تو بالکل واضح ہے یعنی صرف شمشاد کو ساتھ لے جانے کی خواہش ہے۔ لفظ ''ہوا،، شمشاد کی مناسبت سے لائے ہیں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جو خط ''صبح جمعہ،، کو لکھا گیا ہے وہ تلف ہو گیا، ممکن ہے ۱۲ نومبر ۱۸۶۱ء اور یکم فروری ۱۸۶۲ء کے درمیان کے اور خط بھی تلف ہوئے ہوں۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

یکشنبہ یکم فروری ۱۸۶۲ء

(۱۶)

''نیر اصغر،،(۱) سپہر سخن سرائی ، مولانا علائی کے خاطر نشان و دل نشیں ہو کہ آج صبح کوئی پانچ چھ گوڑی دن چڑھے دونوں بھائی صاحب تشریف لائے ۔ میں گیا اور ملا ۔ علی حسین خاں کو بوی دیکھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد بھائی صاحب والدہ صاحبہ کے پاس گئے ۔ میں گھر آیا، کھانا کھایا ۔ دوپہر کو تمہارا خط پایا ۔ دو گھڑی لوٹ پوٹ کر جواب لکھا اور ڈاک میں بھجوایا ۔

یہ مرض جو بھائی کو ہے اس راہ سے کہ ضد صحت ہے، مکروہ طبع ہے، ورنہ ہرگز موجب خوف و خطر نہیں ۔ میں تو بھول گیا تھا ۔ اب بھائی کے بیان سے یاد آ گیا کہ بارہ تیرہ برس پہلے ایک دن ناگاہ یہ حالت طاری ہو گئی تھی ۔ وہ موسم جوانی کا تھا اور حضرت عادی بہ افیون نہ تھے ۔ تنقیہ بہ قے فوراً اور بہ اسہال چند روز بعد عمل میں آیا ۔ اب سن کہولت، استعمال افیون مزید علیہ ۔ دورہ جلد جلد متواتر ہوا ۔ اضطراب از راہ محبت ہے، از روے حکمت اضطراب کی کوئی وجہ نہیں ۔ نظری میں (۲) یکتا حکیم امام‌الدین خاں، وہ ٹونک ۔ عملی(۳) میں چالاک حکیم احسن‌اللہ خاں، وہ کرولی ۔ رہے حکیم محمود خاں(۴)، وہ ہمسایہ دیوار بہ دیوار ۔ حکیم

---

(۱) علائی کو نیر اصغر اس لیے کہا کہ وہ خلیفہ دوم تھے ۔

(۲) یعنی علم طب کے اعتبار سے ۔ حکیم امام الدین دھلی کے مشہور طبیب تھے ۔ ان کی تصانیف میں ''مخزن‌الاکسیر،، بطورۂ من قابل ذکر ہے ۔ وہ ٹونک میں ملازم ہو گئے تھے ۔ (۳) عملی سے مراد علاج معالجہ ہے ۔ وہ ۱۸۵۷ء کے بعد کرولی میں ملازم ہو گئے تھے ۔ پھر بڑودہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی ۔

(۴) حکیم محمود خاں شریف خانی یعنی حکیم عبدالمجید خاں، حکیم واصل خاں اور مسیح‌الملک حکیم اجمل خاں کے والد ماجد ۔

غلام نجف خاں وہ دوست قدیم صادق الولا۔ حکیم ''بقا،، کے خاندان میں(۱) دو صاحب موجود۔ تیسرے حکیم ''منجھلے،،(۲) وہ بھی شریک ہو جائیں گے۔ اب آپ فرمائیے حکیم کون ہے؟ ہاں دو ایک ڈاکٹر باعتبار ہم قومی حکام نامور(۳) یا کوئی ایک آدھ بید، سو منزوی(۴) اور گمنام۔ بہر حال خاطر جمع رکھو۔ خدا کے فضل پر نظر رکھو۔

سبحان اللہ تم مجھ سے سپارش کرو امین الدین خاں کی؟ کیا میرے پہلو میں دل یا میرے دل میں ایمان، جس کو محبت بھی کہتے ہیں، بقدر پر پشہ و سرمور بھی نہیں؟ معالجہ حکماء کی راہ پر رہے گا۔ ندیمی اور غمخواری میں اگر قصور کروں تو گنہ گار۔ میاں، ایسے موقع میں رائے اطبا میں خلاف کم واقع ہوتا ہے۔ مرض مشخص، دوا معین، سوء مزاج سادج نہیں، مادی ہے اور مادہ بارد(۵) ہے۔ کوئی طبیب سوائے تنقیے کے کچھ تدبیر نہ سوچے گا۔ تنقیے میں سوائے مخرجات بلغم (۶) اور کچھ تجویز نہ کرے گا تجویز ہے کہ دو دن کے بعد تنقیۂ خاص ہو اور ایارج (۷) کا مسہل دیا جائے۔ اسماء و آیات شفا بخش(۸) مقرر ہیں۔ رد سحر و دفع بلا ان کے ذریعے سے متصور ہے، مگر ان ملاؤں اور عزائم خوانوں(۹) نے تہ توڑ دی ہے۔ کچھ نہیں جانتے اور باتیں بکھانتے(۱۰) ہیں۔ تمہارے باپ پر کوئی

---

(۱) یہ خاندان اطبا بھی مرجع عوام تھا۔ (۲) منجھلے صاحب کا نام حسام الدین تھا (۳) انگریز (۴) گوشہ نشین۔

(۵) خرابی مزاج سادہ نہیں مادہ جمع ہو گیا ہے اور مادہ بارد ہے۔ یعنی سرد۔

(۶) بلغم خارج کرنے والی دوائیں۔

(۷) مسہل کی ایک دوا جس سے دماغ کا تنقیہ کیا جاتا ہے۔

(۸) وہ آیتیں یا اوراد جو ازالۂ مرض یا رد سحر یا دفع بلا کے لیے مقرر ہیں۔

(۹) عزائم خواں یعنی منتر اور افسوں پڑھنے والے۔

(۱۰) بکھاننے کے تین معنی ہیں: کسی کے پوشیدہ عیب کھولنا، برا بھلا کہنا اور کوئی بات بار بار تفصیل سے بیان کرنا۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں۔

سحر کیوں کرے گا؟ بیچارہ الگ ایک ایسے گوشے میں رهتا هے که جب تک خاص وهاں کا قصد نه کرے، کبھی کوئی وهاں نه جائے۔ یه خیال عبث۔ هاں خیرات اور مساکین سے طلب دعا اور اهل‌الله سے استمداد، شهر میں مساکین شمار سے باهر، اهل‌الله میں ایک حافظ عبدالعزیز۔ ما به خیر، شما به سلامت۔ دن اور تاریخ اوپر لکھ آیا هوں(۱)۔

۱۰- شعبان (۱۲۸۷ھ) ۹- فروری (۱۸۶۲ء) وقت نماز ظهر

نجات کا طالب، غالب

(۱۷)

صاحب!

کل تمهارے خط کا جواب بھیج چکا هوں، پهنچا هوگا۔ آج صبح کو بھائی صاحب کے پاس گیا۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور بھائی شهاب‌الدین خاں بھی وهیں تھے۔ مولوی صدرالدین (۲) میرے سامنے آئے۔ حکیم محمود خاں کے طور پر معالجه قرار پایا هے۔ یعنی انهوں نے نسخه لکھ دیا هے۔ سو اس کے موافق حبوب(۳) بن گئی هیں۔ نقوع(۴) کی دوائیں آج آکر بھیگیں گی۔ کل حبوب کے اوپر وه نقوع پیا جائے گا مگر انداز و ادا سے ایسا معلوم هوتا تھا که ابھی حضرت مریض کی اور ان کے هوا خواهوں کی رائے میں قصد اس استعلاج کا مذبذب(۵) هے۔ نسخے کی حقیقت کو میزان نظر میں تول رهے هیں۔ استاد میر جان بھی تھے۔ نیم نا معقول مرزا اسد بیگ بھی تھے۔ سب طرح خیریت هے۔

---

(۱) اس خط کی تاریخ بھی آغاز میں درج تھی۔ میں نے آخر میں لکھ دی تا که ترتیب یکساں رهے، اور اصل مدعا تاریخ هے، نه که مقام ثبت تاریخ۔

(۲) مفتی صدرالدین آزرده۔ (۳) حب کی جمع : گولیاں۔

(۴) وه دوائیں جو بھگونے کے بعد نتھار کر پلائی جاتی هیں۔

(۵) یعنی بیمار یا ان کے متعلقین و احباب اس علاج پر پکے نهیں هوئے۔

کل تمہارے خط میں دوبار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ اے میری جان! یہ وہ دلی نہیں ہے، جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے علم تحصیل کیا۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے وہ دلی نہیں ہے کہ جس میں میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کمپ (۱) ہے۔ مسلمان، اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ، باقی سراسر ہنود۔ معزول(۲) بادشاہ کے ذکور، جو بقیتہ‌السیف ہیں۔ وہ پانچ پانچ روپے مہینا پاتے ہیں۔ اناث میں سے جو پیر زن ہیں، کٹنیاں اور جو جوان ہیں کسبیاں۔ امرائے اسلام میں سے اموات گنو:

حسن علی خاں(۳) بہت بڑے باپ کا بیٹا، سو روپے روز کا پنسن دار، سو روپے مہینے کا روزینہ خوار بن کر نامرادانہ مر گیا۔ میر نصیرالدین(۴) باپ کی طرف سے پیرزادہ، نانا اور نانی کی طرف سے امیرزادہ، مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان، بخشی محمد علی خاں کا بیٹا(۵)، جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے، بیمار پڑا۔ نہ دوا، نہ غذا، انجام کار مر گیا۔ تمہارے چچا کی سرکار سے تجہیز و تکفین ہوئی۔

---

(۱) چھاؤنی، لشکر گاہ۔ (۲) بہادر شاہ ثانی۔

(۳) نجابت علی خاں رئیس جھجر کا چھوٹا بیٹا، جسے تین ہزار روپے ماہوار ملتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک سو روپے ماہوار مقرر، ہوئے۔ میرزا غالب نے مجروح کے نام خط (۳۸ مرقومہ ۲۲ - ستمبر ۱۸۶۱ء) میں اس کی وفات کی اطلاع دی ہے۔

(۴) شیخ نصیرالدین عرف کالے میاں، جن کی حویلی واقع گلی قاسم جان میں میرزا کئی سال بلا کرایہ رہے، شیخ نظام‌الدین (بن مولانا فخرالدین فخر عالم) کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ غالباً شاہی خاندان میں سے تھی۔ اسی لیے نانا نانی کی طرف سے امیر زادہ کہا۔

(۵) بخشیوں کا خاندان بھی دھلی کا ایک بلند منزلت خاندان تھا۔

احبا کو پوچھو، ناظر ، حسین مرزا(۱) جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا۔(۲) اس کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ ٹکے کی آمد نہیں ۔ مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے، مگر دیکھیے کہ چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔ بڈھے(۳) صاحب ساری املاک بیچ کر، نوش جان کر کے، بیک بینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ ضیاءالدولہ(۴) کی پانسو روپے کرائے کی املاک واگزاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ و خراب لاهور گیا۔ وهاں پڑا هوا ہے۔ دیکھیے کیا هوتا ہے۔

قصہ کوتاہ قلعہ اور جھجر اور بہادرگڑھ اور بلب گڑھ اور فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ روپے کی ریاستیں مٹ گئیں۔ ہنر مند آدمی یہاں کیوں پایا جائے؟ جو حکما کا حال لکھا ہے، وہ بیان واقع ہے۔ صلحا اور زہاد کے

---

(۱) معین‌الدولہ ، عمدۃالامرا، صفدرالملک ، ذوالفقارالدین حیدر نظامت خاں بہادر ذوالفقار جنگ۔

(۲) حسین میرزا ناظر کے بڑے بھائی۔ مظفرالدولہ سیف‌الدین حیدر خاں بہادر ہنگامے کے بعد الور چلے گئے تھے۔ وهاں سے پکڑے آئے۔ گورگانوہ میں انہیں دوسرے اسیروں کے ساتھ بے گناہ گولی سے شہید کر ڈالا گیا۔ حسین مرزا مدت تک پریشان حال و سرگرداں رہے۔

(۳) بڈھے صاحب کا نام غلام محی‌الدین تھا۔ اور نواب تھے دھلی کے سرکردہ رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ ایک ہزار روپے ماہوار پنشن تھی۔ تین سو روپے ریاست بھرت پور سے ملتے تھے اور پانسو روپے ماہانہ کرایہ آتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی اولاد میں سے تھے۔ شجرہ نسب غالباً یہ تھا :سید محی‌الدین عرف بڈھے یا بڈھن صاحب بن نواب محمد میر خاں بن شاہ نظام‌الدین عرف شاہ جی بن امتہ‌الباقی بیگم ، بنت خواجہ رحمت الٰہی بن حضرت عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد بن حضرت خواجہ باقی باللہ۔

(۴) رکن‌الدولہ کے فرزند۔ یہ بھی بڑے رئیس تھے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد پانی پت چلے گئے تھے۔ وهاں سے پکڑے آئے۔

باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے، اس کو بھی سچ جانو۔ اپنے والد ماجد کی طرف سے خاطر جمع رکھو ۔ سحر، آسیب کا گمان ہرگز نہ کرو۔ خدا چاہے تو استعمال ایارجات کے بعد بالکل اچھے ہو جائیں گے اور اب بھی خدا کے فضل سے اچھے ہیں ۔

یک شنبہ ۱٦- فروری ۱۸٦۲ء عافیت کا طالب، غالب

(۱۸)

صاحب !

پرسوں تمہارا خط آیا ۔ کل جمعہ کے دن نواب کا مسہل تھا ۔ گیارہ بجے وہاں سے آیا ۔ چونکہ حبوب میں مکرب(۱) دوائیں تھیں، بہت بے چین رہے ۔ آٹھ دس دست آئے ۔ آخر روز مزاج بحال ہو گیا ۔ تنقیہ اچھا ہوا ۔ اب بفضل الہی اچھے ہیں اور یقین ہے کہ مرض عود نہ کرے ۔ دلی کی اقامت کی مدت اپنے والد کی رائے پر رہنے دو ۔ بقدر مناسب، وقت عزم، خیر خواہانہ کچھ کہوں گا ضرور، نہ بہ ابرام(۲) ۔ میں تم سے زیادہ ان کا مزاج داں ہوں ۔ یہ خود پسند اور معہذا سپارش کا دشمن ہے ۔ مغلچوں(۳) کے مقدمے کو طبیعت امکان پر چھوڑ دو ۔ میں دخل نہ کروں گا ۔ ہاں اگر خود مجھ سے پوچھیں گے یا میرے سامنے ذکر آجائے گا تو میں اچھی طرح کہوں گا :

بریدہ باد زبانے کہ نا سزا گوید

برا نہ ماننا ۔ اگر یہ دونوں بھائی یا ان میں سے ایک رفیق ہو گیا، یوں تمام عمر بخوشی گزر جائے ، لیکن تم کے برس، کے مہینے، کے ہفتے کا اگریمنٹ لکھتے ہو ۔

صبح یک شنبہ یکم مارچ ۱۸٦۲ء غالب

---

(۱) کرب پیدا کرنے والی ۔

(۲) مطلب یہ کہ جب امین الدین احمد خاں لوہارو کے لیے تیار ہوں گے تو جو کچھ مناسب سمجھوں گا خیر خواہی کے انداز میں ضرور کہوں گا، مگر زور اور اصرار سے کام نہ لوں گا

(۳) قربان علی بیگ سالک اور شمشاد علی بیگ رضوان ۔

صاحب !

میرا برادر عالی قدر اور تمہارا والد ماجد اب اچھا ہے۔ از روے عقل اعادۂ مرض کا احتمال باقی نہیں ہے۔ رہا وہم، اس کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں۔ مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا ہے اور آیندہ جو کچھ لکھوگے، میری طرف سے جواب وہی ہوگا، جو آگے لکھ چکا ہوں، یعنی میں تماشائی محض رہوں گا(۱)۔ اگر بھائی صاحب مجھ سے کچھ ذکر کریں گے تو بھلی کہوں گا۔

آپ کے عم عالی مقدار جو فرماتے ہیں کہ غالب کو بیٹھے ہوئے ہزارہا تسویلات(۲) و خیالات دکھلائی دیتے ہیں، یہ حضرت نے اپنی ذات پر میری طبیعت کو طرح کیا ہے اور وہ یہ سمجھے ہیں کہ جس طرح میں مبتلاے وساوس و اوہام ہوں اور لوگ بھی اسی طرح بخارات مراقی میں گرفتار ہوں گے، قیاس مع الفارق(۳) ہے، نہ تخیل صادق۔ یہاں لاموجود الااللہ کے بادۂ ناب کا رطل گراں چڑھائے ہوئے اور کفر و اسلام و نور و نار کو مٹائے ہوئے بیٹھے ہیں :

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر
سواے اللہ واللہ ما فی الوجود

ضمیران(۴) بروزن ''در گراں،، لغت عربی ہے نہ معرب۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کی تحقیقات از روے الفاظ الادویہ ممکن ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو خط ۱۸ -

(۲) خیال تراشیاں۔

(۳) کسی ایک چیز پر دوسری چیز کا قیاس کر لینا، اگر چہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت و اشتراک نہ ہو۔

(۴) ایک پھول ، جسے ریحان اور نازبو بھی کہتے ہیں ، اسی کا ایک فارسی نام ''سپرغم،، ہے ۔ کہتے ہیں کہ اس کی خوشبو سے قلب کو تقویت پہنچتی ہے ، لہذا اسے غم کی ''سپر،، یعنی، ڈھال کہا گیا۔

آج اوس نے جلاب لیا۔ دست آئے مواد خوب اخراج ہوا۔

فارسی غیر فصیح : امروز فلانے مسہل گرفت، دہ دست آمدند، مواد خوب برآمد۔

فارسی فصیح : امروز فلانے پگاہ داروے مسہل آشامید، تا شام دہ بار نشست یا دہ بار بہ مستراح یا دہ بار بہ بیت‌الخلا رفت۔ مادۂ فاسد چنانکہ باید، اخراج یافت۔

معلوم رہے کہ لوطیوں کے منطق میں خصوصاً اور اہل پارس کے روز مرہ میں عموماً ''نشستن'' استعارہ ہے ''ریدن'' کا۔ چنانچہ ایک تذکرے میں مرقوم ہے کہ اصفہان میں ایک امیر نے شعرا کی دعوت اپنے باغ میں کی۔ مرزا صائب اور اس کے ہم عصر کئی شعرا جمع ہوئے۔ ایک شاعر کہ تذکرے میں اس کا نام مندرج ہے اور میں بھول گیا ہوں، اکول(۱) تھا اور معدہ اس کا ضعیف تھا۔ حرص و شرہ (۲) کے سبب سے بہت کھا جاتا تھا، ہضم نہ کر سکتا تھا۔ کھانا کھا کر، شراب پی کر، دروازہ باغ کا مقفل کر کے سب سو رہے۔ اس مرد اکول فضول نے رات بھر میں سارا باغ ہگ بھرا۔ نہ ایک جگہ، بلکہ کبھی اس کیاری میں اور کبھی اوس روش پر، کبھی اس درخت کے تلے، کبھی اوس دیوار کی جڑ میں۔ قصہ مختصر غایت شرم و حیا سے دو چار گھڑی رات رہے دیوار سے کود کر چلا گیا۔ صبح کو جب سب جاگے اس کو ادھر اودھر ڈھونڈا، کہیں نہ پایا، مگر حضرت کا فضلہ کئی جگہ نظر آیا۔ مرزا صائب نے ہنس کر فرمایا ''یاران شما را چہ افتادہ است کہ مے گوئید فلانے در باغ نیست؟ می بینم کہ مخدوم ہم دریں باغ چند جا نشستہ‌ست''۔

صبح جمعہ ۵۔رمضان ۷۔مارچ سال رستاخیز۔

رباعی خط میں لکھنا بھول گیا۔ یہ میں نے بھائی کو تہنیت میں بھیجی تھی :

اے کردہ بہ مہر زر فشانی تعلیم　　پیدا ز کلاہ تو شکوہ دیہیم

---

(۱) بہت کھانے والا۔　(۲) لالچ اور حرص کا غلبہ۔

بادا بتو فرخنده ز یزدان کریم پروانگی جدید اقطاع قدیم(۱)
(۱۲۷۸ھ - ۱۸۶۲ء)

(۲۰)

یار بھتیجے، گویا بھائی، مولانا علائی!

خدا کی دھائی، نہ میں ویسا ہوں گا جیسا نیر سمجھا اور تم مجھ کو لکھ چکے ہو یعنی خفقانی اور خیال تراش، نہ ویسا ہوں گا، جیسا میرزا علی حسین خاں بہادر مجھے سمجھے ہوں گے:

اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم، داند

دوجانہ میں میرا انتظار اور میرے آنے کا تقریب شادی پر مدار، یہ بھی شعبہ ہے انہیں ظنون کا، جن سے تمہارے چچا کو گمان ہے مجھ پر جنون کا۔ جاگیر دار میں نہ تھا کہ ایک جاگیردار مجھ کو بلاتا۔ گویا نہ تھا کہ اپنا ساز و سامان لے کر چلا جاتا۔ دوجانہ جا کر شادی کھاؤں اور پھر اس فصل میں کہ دنیا کرہ نار ہو! لوھارو بھائی کے دیکھنے کو نہ جاؤں اور پھر اس موسم میں کہ جاڑے کی گرمی بازار ہو!

کل استاد میر جان صاحب نے تمہارا خط مجھ کو دکھایا ہے۔ میں نے ان کو جانے نہ جانے میں متردد پایا ہے۔ جائیں، نہ جائیں، میں اپنی طرف سے ترغیب کرتا رہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔

غلام حسن خاں(۲) اگر کسی وقت آ جائیں گے تو ان کو تمہاری

---

(۱) یہ رباعی کلیات نظم فارسی میں موجود ہے۔ (ص ۵۰۱) اسے تاریخ نہ سمجھا جائے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد انگریزوں نے امین الدین احمد خاں کو لوھارو کی ریاست از سر نو عطا کی تو اسے اقطاع قدیم کا جدید پروانہ کہا گیا۔

(۲) غلام حسن خاں محو، غلام حسین خاں مسرور کے بیٹے اور زین العابدین خاں عارف کے علاتی بھائی، یعنی دوسری والدہ سے۔

تحریر کا خلاصہ خاطر نشان کر دوں گا۔ حق سبحانہ تعالیٰ ان دونوں صاحبوں(۱) کو یا ایک کو ان میں سے توفیق دے یا مجھ کو طاقت یا تم کو انصاف کہ میرے نہ آنے کو دلی کی دلبستگی پر محمول نہ کرو۔ مجھ کو رشک ہے جزیرہ نشینوں(۲) کے حال پر اور رئیس فرخ آباد(۳) پر خصوصاً کہ جہاز سے اتار کر سر زمین عرب میں چھوڑ دیا۔ اہا ہا ہا :

پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

کلیات (۴) کے انطباع کا اختتام اپنی زیست میں مجھ کو نظر نہیں آتا۔ قاطع برہان(۵) کا چھاپا تمام ہو گیا۔ حق التصنیف کی ایک جلد میرے پاس آ گئی وہ تمہارے عم نامدار کی نذر ہوئی۔ باقی جلدیں، جن کا میں خریدار ہوا ہوں اور درخواست میری مطبع میں داخل ہے، جب تک قیمت نہ بھیج دوں، کیونکر آئیں؟ روپے کی تدبیر میں ہوں۔ اگر بہم پہنچ جائے تو بھیج دوں۔ تمہارے پاس جو ''قاطع برہان،، پہنچی ہے، اگر چھاپے کی ہے تو صحیح

---

(۱) بظاہر امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں۔

(۲) وہ لوگ جنہیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شرکت کی بناء پر انڈیمان بھیج دیا گیا تھا۔

(۳) نواب تفضل حسین خاں رئیس فرخ آباد ۔ ان پر بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شرکت کا الزام لگا تھا اور ریاست ضبط کر لی گئی تھی۔ نواب کو ان کی خواہش کے مطابق حجاز بھیج دیا گیا۔ ان کی زندگی کے باقی دن مکہ مکرمہ میں بسر ہوئے۔

(۴) کلیات نظم فارسی جو نولکشور کے چھاپے خانے میں چھپ رہی تھی۔

(۵) ''قاطع برہان،، جرح و نقد میں میرزا کی مشہور تصنیف جو ۱۸۶۲ء میں چھپی۔ ۱۸۶۵ میں اسے ''درفش کاویانی،، کے نام سے دوبارہ چھاپا گیا اور کچھ فوائد بڑھا دیے گئے۔

ہے ۔ جہاں تردد ہو، غلط نامہ ملحقہ میں دیکھ لو۔ زیادہ انکشاف منظور ہو، مجھ سے پوچھ لو۔ اگر قلمی ہے تو درجۂ اعتبار سے ساقط ہے ۔ اوس کو میری تالیف نہ سمجھو، بلکہ مجھ کو مول لے لو اور اوس کو پھاڑ ڈالو۔ آج یوم‌الخمیس ۱۹- جون المبارک، بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا ۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھنے بیٹھا ۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب‌الدین سہروردی(۱) آئے ، تمہارا خط ان کو دیا ۔ وہ پڑھ رہے ہیں، ہم لکھ رہے ہیں، ہوا سرد چل رہی ہے ۔

۱۹- جون ۱۸۶۲ء

(۲۱)

جان غالب!

دو خط متواتر تمہارے پہنچے ۔ مغربی(۲) ''عرفا،، میں سے ہے ۔ بیشتر اوس کے کلام میں مضامین حقیقت آگیں ہیں، لیکن ''داماں گلہ دارد،، ''گریباں گلہ دارد،، اس زمین میں، میں نے اوس کی غزل نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی(۳) کی غزل اس زمین میں ہے :

در بزم وصال تو۔ بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد(۴)

---

(۱) یعنی شہاب‌الدین احمد خاں ثاقب ۔

(۲) مغربی کا نام محمد شیریں تھا، وطن تبریز۔ شام جا کر شیخ ابن عربی کے سلسلے میں بیعت کی اور عارفین میں شامل ہو گیا ۔ ۸۸۹ھ/۱۴۸۴ء میں انتقال ہوا ۔

(۳) حاجی محمد جان قدسی مشہدی ۔ حج کے بعد شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آیا اور درباری قصیدہ گویوں میں شامل ہو گیا ۔ لاہور میں بہ عارضۂ اسہال وفات پائی (۱۰۵۰ھ - ۱۶۴۰ء) ۔ کچھ مدت بعد اقربا اسکی میت مشہدلے گئے

(۴) منشی مہیش پرشاد کے مرتبہ مجموعۂ خطوط میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لکھا ہے کہ یہ غزل حیرتی تونی کی ہے ۔ (حاشیہ ص ۳۴۳) اگر یہ درست ہے تو اسے میرزا کا سہو سمجھنا چاہیے ۔

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے، یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ کر سناؤ :

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ ولے بد تر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کی فکر پڑ رہی ہے، وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے۔ زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا؟ مجھ پر سے یہ تکلیف اٹھوا لو اور تم اس زمین میں چند شعر لکھ کر بھیج دو۔ میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا۔ عصاے پیر بجائے پیر۔ واللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ہے۔ آگے جو کچھ حافظے میں موجود تھا، وہ لکھ بھیجا۔ اب جو کچھ یاد آ گیا، وہ لکھتا ہوں(۱) :

بامن کہ عاشقم، سخن از ننگ و نام چیست؟
در امر خاص حجت دستور عام چیست؟
مستم ز خون دل کہ دو چشم ازاں پر است
گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست؟
با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام
داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست؟

---

(۱) کلیات میں اس غزل کے دس شعر ہیں۔ باقی ذیل میں درج ہیں :

ور روز تیرہ از شب تارم نہ ماند بیم
چوں صبح نیست، خود چہ شناسم کہ شام چیست؟
با خیل مور مے رسی از رہ خوش است، فال
قاصد بگو کز آں لب نوشیں پیام چیست؟
گفتی قفس خوش است، تواں بال و پر کشود
بارے علاج خستگی بند دام چیست؟
نیکی ز تست، از تو نخواہیم مزدکار
ور خود بدیم کار تو ایم، انتقام چیست؟

اس خط پر کوئی تاریخ ثبت نہیں، لیکن قرینہ یہی ہے کہ یہ ۱۸۶۲ء کا ہے۔ اس لیے کہ کلیات چھپنے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اور اس سے بعد کے خط میں ''گلہ دارد،، والے شعر کا حوالہ ہے۔ وہ جولائی ۱۸۶۲ء میں لکھا گیا تھا۔

ما خستۂ غمیم و بود بے دوائے ما
با خستگاں حدیث حلال و حرام چیست؟
از کاسۂ کرام نصیب است خاک را
تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست؟
غالب اگر نہ خرقۂ و مصف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل نام چیست؟

(۲۲)

لو صاحب، پرسوں تمہارا خط آیا اور کل دوپہر کو استاد میر جان آئے۔ جب ان سے کہا گیا تو جواب پایا کہ میں مدت سے آمادۂ سفر لوہارو بیٹھا ہوں۔ حکیم صاحب کی گاڑی کی روانگی کے وقت میں نے اپنی گتھڑی بھیجی تھی، وہ پھر آئی، اس مراد سے کہ گاڑی میں جگہ نہ گتھڑی کی، نہ سواری کی۔ ناچار چپ ہو رہا۔ اب وہ گتھڑی ویسی ہی بندھی ہوئی رکھی ہے۔ جب میاں خاں اور وزیر خاں روانہ ہوں گے اور منشی امداد حسین مجھ کو اطلاع دیں گے، تو میں فوراً چل دوں گا۔ پا برکاب ہوں۔

کل ہی آخر روز غلام حسن خاں آئے۔ کل انہوں نے چوتھے دن کھانا کھایا تھا ہیضہ ہو گیا تھا۔ قے متواتر، دست پے بہ پے۔ غرض بچ گئے۔ کہتے تھے کہ آج جولائی کی ۱۷ تاریخ ہے۔ تیرہ دن یہ اور پانچ دن اگست کے اور(۱) نہیں جا سکتا۔ تنخواہ لے کر بانٹ بونٹ کر ایک دن نہ ٹھہروں گا، لوہارو کی راہ لوں گا۔

مرزا شمشاد علی بیگ سے تمہارا پیام کہا گیا۔ بعید ہے جو غلام حسن خاں کے ہم سفر ہو جائیں۔ بھائی کی طرف سے منشی امداد حسین خاں کو لکھوا بھیجو کہ میاں خاں وغیرہ کے ساتھ استاد کو ضرور بھیجنا اور تم اپنی طرف سے اپنے ابن عم غلام حسن کو بحوالہ میری تحریر کے عیادت اور اوائل اگست میں روانگی کی تاکید لکھ بھیجو۔

در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ زمین قدسی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آگئی ہے، میں اس میں کیوں کر تخم ریزی کروں اور اگر بے حیائی سے کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤں تو اس شعر کا جواب کہاں سے لاؤں(۲)؟

---

(۱) یہاں ''اور،، بہ معنی مزید استعمال ہوا ہے۔ (۲) جو اوپر نقل ہوا یعنی:
در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

هر گز نتواں گفت دریں قافیه اشعار
بیجاست برادر اگر از من گله دارد

التوا شرب شراب ۲۲- جون، شروع شراب ۱۰ جولائی
المنةللہ که در میکده باز است

۱۸- جولائی ۱۸۶۲ء غالب

(۲۳)

میری جان!

سن، پنجشنبه پنجشنبه آٹھ (۱) جمعه نو، هفته دس، اتوار گیاره، یک مژه برهمزدن(۲) مینه نہیں تھا- اس وقت بھی شدت سے برس رہا ہے- انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر پاس رکھ لیے ھیں - دو سطریں لکھیں اور کاغذ کو آگ سے سینک لیا- کیا کروں ؟ تمہارے خط کا جواب ضرور- لو سنتے جاؤ: مرزا شمشاد علی بیگ کو تمہارا خط پڑھوا دیا- انہوں نے کہا که غلام حسن خاں کی معیت پر کیا موقوف ہے، مجھے آج سواری مل جائے، کل چل نکلوں- اب میں کہتا ھوں که اونٹ ٹٹو کا موسم نہیں، گاڑی کی تدبیر ھو جائے، بس-

پچاس برس کی بات ہے که الهی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی میں نے حسب الحکم غزل لکھی- بیت الغزل یه:

پلا دے اوک سے ساقی جو هم سے نفرت ہے
پیاله گر نہیں دیتا، نه دے، شراب تو دے

---

(۱) لفظ ''آٹھ ،، تمام نسخوں میں حذف ھو گیا- یہاں تک که منشی مہیش پرشاد کے مجموعے میں بھی غائب ہے-(ص ۳۴۲) اور یہی کیفیت مالک رام صاحب کے مرتبه مجموعے کی ہے (ص ۳۹۰) فروگزاشت اتنی واضح تھی که اوس کے متعلق کسی غور و فکر کی ضرورت نه تھی- میں نے ''آٹھ،، لگا دیا- عبارت پڑھیں تو صاف معلوم ھوتا ہے که میرزا گنتی کر رہے ھیں- پنجشنبه پنجشنبه ''آٹھ،، نه کہیں گے، تو جمعه نو، هفته دس... الخ کیوں کر بنے گا؟

(۲) ''یک مژه برهم زدن،،- ھونا چاهیے ، مگر سب نے ایک مژه بر هم زدن هی لکھا-

مقطع یہ ہے:

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پانو داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اوس بیت‌الغزل کو شامل اون اشعار کے کر کے غزل بنائی ہے اور اوس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی الو کے۔ جب شاعر کی زندگی میں گانے والے، شاعر کے کلام کو مسخ کر دیں تو کیا بعید ہے کہ شاعر متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو۔ مقطع بے شک مولانا مغربی کا ہے اور وہ شعر جو میں نے تم کو لکھا ہے اور یہ شعر جو اب لکھتا ہوں:

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

یہ دونوں شعر قدسی کے ہیں۔ مغربی قدما میں اور عرفا میں ہے جیسا عراقی۔ ان کا کلام دقائق و حقائق تصوف سے لبریز۔ قدسی شاہجہانی شعرا میں صائب و کلیم کا ہم عصر اور ہم چشم۔ ان کا کلام شور انگیز۔ ان بزرگوں کی روش میں زمین و آسمان کا فرق۔

بھائی صاحب کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں، ادھر متھرا داس سے قرض لیا، اودھر درباری مل کو مارا۔ ادھر خوب چند چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی۔ ہر ایک کے پاس تمسک مہری موجود، شہد لگاؤ، چاٹو، نہ مول، نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھوپی کے سر۔ با اینہمہ کبھی خان(۱) نے کچھ دے دیا، کبھی الور سے کچھ دلوا دیا، کبھی ماں نے آگرے سے بھیج دیا۔ اب میں اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری (۲) کے، سو روپے رام پور کے۔ قرض دینے والا ایک میرا مختار

---

(۱) خان سے بظاہر نواب احمد بخش کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) میرزا کی خاندانی پنشن جو کلکٹری کے خزانے سے ملتی تھی۔

کار، وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے۔ مول میں قسط اوس کو دینی پڑے۔ انکم ٹیکس جدا، چوکیدار جدا، سود جدا، مول جدا، بی بی جدا، بچے جدا، شاگرد پیشہ جدا، آمد وہی ایک سو باسٹھ۔ تنگ آ گیا۔ گزارا مشکل ہو گیا۔ روز مرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کروں؟ کہاں سے گنجایش نکالوں؟ قہر درویش بجان درویش۔ صبح کی تبرید متروک، چاشت کا گوشت آدھا رات کی شراب و گلاب موقوف۔ بیس بائیس روپے مہینا بچا، روز مرہ کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا: تبرید و شراب کب تک نہ پیو گے؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے (۱) پوچھا: نہ پیو گے تو کس طرح جیو گے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائیں گے (۲)۔ بارے مہینا پورا نہیں گزرا تھا کہ رام پور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آ گیا۔ قرض مقسط ادا ہو گیا، متفرق رہا۔ خیر رہو۔ صبح کی تبرید، رات کی شراب جاری ہو گئی۔ گوشت پورا آنے لگا۔

چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی کی پوچھی تھی، اون کو یہ عبارت پڑھا دینا اور حمزہ خاں کو بعد سلام کہنا:

اے بے خبر ز لذت شراب دوام ما

دیکھا؟ ہم کو یوں پلاتے ہیں۔ دریبہ کے بنیوں اور لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقت حقہٗ وحدت وجود کو اپنے دل نشیں کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔

---

(۱) یعنی خدا۔

(۲) جلانا (بہ فتح جیم) بہ معنی سوختہ کرنا، آگ لگانا۔ (بہ کسر جیم) بہ معنی زندہ رکھنا، جاں بخشنا، زندہ کرنا۔ میرزا نے یہاں یہ لفظ ایسے انداز میں استعمال کیا ہے کہ دونوں معنی اس سے نکلے جا سکتے ہیں، لیکن واضح معنی زندہ رکھنے کے ہیں۔

مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں ۔ مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں ۔ دوزخ اون لوگوں کے واسطے ہے ۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں ۔ زبان سے لاالہ الااللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجودالااللہ، لا موثر فی الوجودالااللہ سمجھے ہوا ہوں ۔ انبیاؑ سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے ۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی ۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں ۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی، بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے، ثم حسن، ثم حسین، اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام :

بریں زیستم ، ہم بریں بگزرم

ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں ۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا، بلکہ دوذخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تا کہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اوس میں جلیں ۔

سنو، مولوی صاحب ! اگر ہٹ دھرمی نہ کروگے اور کتمان حق کو گناہ جانو گے تو البتہ تم کو یاد ہو گا اور کہو گے کہ ہاں یاد ہے، جن روزوں میں تم علاءالدین خاں کو ''گلستاں،، اور ''بوستاں،، پڑھاتے ہو اور تم نے ایک دن غریب کو دو تین تپانچے مارے ہیں ۔ نواب امین الدین خاں اون دنوں میں لوہارو ہیں ۔ علاءالدین خاں کی والدہ نے تم کو ڈیوڑھی پر سے اٹھا دیا ۔ تم با چشم پر آب میرے پاس آئے ۔ میں نے تم سے کہا کہ بھائی شریف زادوں کو اور سردار زادوں کو چشم نمائی سے پڑھاتے ہیں، مارتے نہیں ۔ تم نے بے جا کیا ۔ آیندہ یہ حرکت نہ کرنا ۔ تم نادم ہوئے

اب وہ مکتب نشیں(۱) طفل سے گزر کر، پیر ہفتاد سالہ(۲) کے واعظ بنے۔ تم نے کئی فاقوں میں ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ہے : چوں پیر شدی حافظ الخ (۳) اور پھر پڑھتے ہو اس کے سامنے کہ اس کی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان سے دو چند، سہ چند ہے۔ مجموعۂ نثر جداگانہ اور یہ لحاظ بھی نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعر اس کے مخالف ہیں :

صوفی بیا کہ آئنہ صاف است جام را
تا بنگری صفاے مئے لعل فام را

شراب ناب خورو روے مہ جبیناں بیں
خلاف مذہب آناں جمال ایناں بیں

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ساقی مگر وظیفۂ حافظ زیادہ داد
کا شفتہ گشت طرۂ دستار مولوی

میاں، میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ محل سرا کی دیواریں گر گئی ہیں۔ پاخانہ ڈھے گیا۔ چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ تمہاری پھوپھی(۴) کہتی ہیں: ہائے دبی، ہائے مری۔ دیوان خانے کا حال محل سرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا، فقدان راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہے۔ ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ مرمت کرے تو کیونکر کرے؟ مینہ کھلے تو سب کچھ ہو اور پھر

(۱) علائی۔ (۲) غالب۔ (۳) ظاہر ہے کہ ہمزہ خاں نے علائی سے لکھوایا ہوگا :-

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں رو
رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولیٰ

یعنی بوڑھے ہو گئے ہو، اب تو شراب چھوڑ دو۔ میرزا کا جواب کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ (۴) بیگم غالب۔

اثنائے مرمت میں، میں بیٹھا کس طرح رہوں؟ اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے مجھ کو وہ حویلی، جس میں میر حسن رہتے تھے، اپنی پھوبی کے رہنے کو اور کوٹھی میں سے وہ بالا خانہ مع دالان زیریں، جو الٰہی بخش خاں مرحوم کا مسکن تھا، میرے رہنے کو دلوا دو۔ برسات گزر جائے گی، مرمت ہو جائے گی، پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ (۱) اپنے قدیم مسکن میں آ رہیں گے۔ تمہارے والد کے ایثار و عطا کے جہاں مجھ پر احسان ہیں، یہ ایک مروت کا احسان میرے پایان عمر میں اور بھی سہی۔

صبح یک شنبہ ۲۷ - جولائی ۱۸۶۲ء غالب

(۲۴)

مولانا علائی!

نہ مجھے خوف مرگ، نہ دعوی صبر ہے۔ میرا مذہب، بخلاف عقیدہ قدریہ، جبر ہے۔ تم نے میانجی گری کی، بھائی نے برادر پروری کی۔ تم جیتے رہو، وہ سلامت رہیں۔ ہم اسی حویلی میں تا قیامت رہیں۔

اس ابہام کی توضیح اور اس کی اجمالی تفصیل یہ ہے کہ مینہ شدت سے برسا۔ چھوٹا لڑکا (۲) ڈرنے لگا۔ اس کی دادی (۳) بھی گھبرائی۔ مجھ کو خلوت خانے کا دروازہ غرب رویہ، اس کے آگے ایک چھوٹا سا سہ درہ یاد تھا۔ جب تمہارے پانوں میں چوٹ لگی ہے تو میں اسی دروازے سے تم کو دیکھنے آیا تھا۔ یہ سمجھ کر خلوت خانے کو محل سرا بنایا چاہتا تھا کہ گاڑی، ڈولی، لونڈی، اصیل، کاچھن، تیلن، تنبولن، کہاری، پنسہاری، ان فرقوں کا ممر (۴) وہ دروازہ رہے گا۔ میری اور میرے بچوں کی آمدو رفت دیوان خانے میں سے رہے گی۔ عیاذاً باللہ! وہ لوگ دیوان خانے میں سے آئیں جائیں،

---

(۱) غالب، بیگم اور بچے۔ (۲) حسین علی خاں۔
(۳) بیگم غالب۔ (۴) گزرگاہ۔

اپنے بیگانے کو ہر وقت پچھلپائیاں(۱) نظر آئیں :

بی وفادار، جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں، اب تمہاری پھوپی نے انہیں ''وفادار بیگ،، بنا دیا ہے۔ باہر نکلتی ہیں، سودا تو کیا لائیں گی، مگر خلیق اور ملنسار ہیں۔ رستہ چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی، ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کریں۔ ممکن نہیں کہ دروازے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں۔ ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ ''یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کئی کے ایں،، شرح تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں، ہے ہے، ایسے عالی شان دیوان خانے کی یہ قسمت اور مجھ سے نازک مزاج دیوانے کی یہ شامت! معہذا اس سہ دری کو اپنے آدمیوں کے اور لڑکوں کے مکتب کے لیے ہرگز کافی نہ جانا۔ مور اور کبوتر اور دنبہ اور بکری باہر گھوڑوں کے پاس رہ سکتے تھے؟ عرفت ربی بفسخ العزائم پڑھا اور چپ ہو رہا۔ مگر تمہاری خاطر عاطر جمع رہے کہ اسباب وحشت و خوف و خطر نہ رہے۔ مینہ کھل گیا ہے۔ مکان کے مالکوں کی طرف سے مدد شروع ہو گئی ہے۔ نہ لڑکا ڈرتا ہے، نہ بی بی گھبراتی ہے، نہ میں بے آرام ہوں۔ کھلا ہوا کوٹھا، چاندنی رات، ہوا سرد، تمام رات فلک پر مریخ پیش نظر۔ دو گھڑی کے تڑکے زهره جلوه گر۔ ادھر چاند مغرب میں ڈوبا، اودھر مشرق سے زہرہ نکلی۔ صبوحی کا وہ لطف، روشنی کا وہ عالم!

۶۔ ماہ اگست ۱۸۶۲ء

(۲۵)

جان غالب، مگر جسم سے نکلی ہو جان،

قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع ہے، خدا کا احسان۔ مرزا قربان علی

---

(۱) پچھلپائیاں یعنی چڑیلیں کیونکہ عام خیال کے مطابق چڑیلوں کے پاؤں پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔

بیگ تمہاری کشش کے مجذوب کیوں بنتے؟ وہ تو خود سالک(۱) ہیں ۔ مگر ہاں یہ صاحبزادہ سعادت مند رضوان(۲)، سو اس کے آپ مالک ہیں ۔ نواب صاحب کا ہم مطبخ اور آپ کا ہم مائدہ ہونا بہتر ہوا، کاش تم یہ لکھتے کہ مشاہرہ کیا مقرر ہوا(۳)؟ اثنا عشری ایک تم ہو، سو تمہیں کیا اختیار ہے؟ البتہ عشرہ مبشرہ کی اولیت پر مدار ہے ۔ باپ تمہارا خلاف قاعدہ اہل سنت و جماعت، عشرہ میں سے ثلثہ کو کم کرتا تھا(۴) ۔ رضوان نے نہ مانا ۔ کیونکر مانتا؟ وہ ثلثہ کا دم بھرتا تھا ۔ تہور خاں صاحب کے باب میں بندہ جویا اس خبر کا ہے کہ اب لوہارو سے اون کا ارادہ کدھر ہے؟

رضوان کو دعا پہنچے ۔ نواب صاحب کی عنایات اور مولانا علائی کی صحبت مبارک ہو ۔ پیر جی سے جب پوچھتا ہوں کہ ''تم خوب شخص ہو،، اور وہ کہتے ہیں ''کیا کہنا ہے،، اور میں پوچھتا ہوں ''کس کا،،؟ تو وہ فرماتے ہیں : ''مرزا شمشاد علی بیگ کا،، ۔ ابے اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے؟ ''دیکھو یوسف علی خاں بیٹھے ہیں، ہیرا سنگھ موجود ہے،، ۔ ''واہ صاحب! میں کیا خوشامدی ہوں، جو منہ دیکھی کہوں ؟ میرا شیوہ حفظ‌الغیب ہے ۔ غیب کی تعریف کرنی کیا عیب ہے،،؟ 'ہاں

---

(۱) قربان علی بیگ کا تخلص سالک تھا ، اس رعایت سے لفظ ''مجذوب،، لائے ، مجذوب کو کشش سے بھی مناسبت ہے ۔ مطلب یہ کہ تمہاری کشش انہیں کھینچ نہ سکی ۔

(۲) شمشاد علی بیگ رضوان ۔

(۳) یعنی کھانا تو تمہارے ہاں سے اور تمہارے ساتھ کھانے لگا ۔ مشاہرہ کیا ٹھہرا؟

(۴) گویا علائی بارہ روپے ماہوار (حسب تعداد ائمہ اثنا عشر) دینا چاہتا تھا، ۔ اور دس سے شروع کرنے کا خواہاں تھا (حسب تعداد عشرۂ مبشرہ) ۔ امین الدین احمد خاں دس میں سے بھی تین گھٹاتے تھے یعنی سات روپے سے ابتدا کرنا چاہتے تھے ۔

صاحب آپ ایسے ہی وضع‌دار ہیں، اس میں کیا ریب ہے (۱)،،؟

صبح سہ شنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۲ء　　　　غالب

(۲۶)

میاں! تم میرے ساتھ وہ معاملے کرتے ہو جو احیاء سے مرسوم و معمول(۲) ہیں ـ خیر تمہارا حکم بجا لایا ـ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر (۳) نے دربار کیا ـ میری تعظیم و توقیر اور میرے حال پر لطف و عنایت میری ارزش و استحقاق سے زیادہ ، بلکہ میری خواہش اور تصور سے سوا مبذول کی ـ اس ہجوم امراض جسمانی اور آلام روحانی کو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے ؟ ہر دم، دم نزع ہے۔ دل غم سے خونپزیر ہو گیا ہے کہ کسی بات سے خوش نہیں ہو سکتا ـ مرگ کو نجات سمجھے ہوئے ہوں اور نجات کا طالب ہوں ـ کئی دن سے کوئی تحریر دل‌پزیر تمہاری نظر نہیں آئی ـ نہ مجھے تم نے یاد کیا، نہ اپنے بھائی (۴) کو کچھ لکھا ـ اب اس کا جواب جلدی لکھو۔ پہلے اپنے بچوں کا حال ، پھر وہاں کے اوضاع، جیسا تمہارا قاعدہ ہے، منقح اور مفصل لکھو ـ فقط

(مارچ ۱۸۶۳ء)　　　　نجات کا طالب، غالب

---

(۱) یہ پیرا گراف مکالمے پر مشتمل ہے اور میں نے اقوال الگ الگ کرنے کے لیے واوین لگا دی ہیں ـ میرزا کے کمال تحریر کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ بے تکلف لکھتے جاتے ہیں اور عبارت مقفیٰ کرنے کے التزام میں کوئی خلل نہیں آتا ـ یہ بھی محسوس نہیں ہوتا کہ قافیہ بندی کے لیے کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا ـ

(۲) جو زندوں سے کیے جاتے ہیں ـ

(۳) سر رابرٹ منٹگمری لفٹنٹ گورنر پنجاب کا دربار جو ۳- مارچ ۱۸۶۳ء کو دہلی میں منعقد ہوا تھا ـ (۴) بظاہر ثاقب بن ضیاالدین احمد خاں نیر ـ

(۲۷)

اقبال نشانا!

بخیر و عافیت و فتح و نصرت لوھارو پہنچنا مبارک ھو۔ مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ھے کہ مطبع ''اکمل المطابع،، (۱)میں چند احباب میرے مسودات اردو کے جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے پر آمادہ ھوئے ھیں۔ مجھ سے مسودات مانگے ھیں اور اطراف و جوانب سے بھی فراھم کیے ھیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ھوا، وھاں بھیج دیا۔ یقین ھے کہ خط میرے تمہارے پاس بہت ھونگے۔ اگر اون کا ایک پارسل بنا کر بسبیل ڈاک بھیج دو گے یا آج کل میں کوئی ادھر آنے والا ھو اور اوس کو دوگے تو موجب میری خوشی کا ھوگا اور میں ایسا جانتا ھوں کہ اوس کے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ھو گے۔ بچوں کو دعا۔

۱۸۶۳ء۔ غالب

(۲۸)

ولیعہدی میں شاھی ھو مبارک

عنایات الہی ھو مبارک

اس امر فرخ و ھمایوں کی شہرت میں کوشش بے حوصلگی ھے اور اس کے اخفا میں مبالغہ خفقانیت۔ تم اپنی زبان پر نہ لاؤ، اگر کوئی اور کہے، مانع نہ آؤ۔ نہ اشتہار، نہ استتار(۲)۔

---

(۱) اکمل المطابع کے مالک حکیم غلام رضا خاں تھے۔ میرزا نے انھی کو اردوے معلیٰ کا حق طباعت دے دیا تھا۔ بہاری لال مشتاق میرزا کے عزیز شاگرد اکمل المطابع میں ''اکمل الاخبار،، کے ایڈیٹر تھے۔

(۲) امین الدین احمد خاں کی علالت کے باعث غالباً به منظوری حکومت علائی کو جو ولی عہد تھا، نیابتہً اختیارات سونپے گئے تھے۔ اسی لیے میرزا نے ''ولی عہدی،، میں ''شاھی،، کی مبارک باد دی۔ بظاھر علائی اس کے اشتہار میں مذبذب تھا، میرزا نے لکھا کہ خود اس واقعے کو شہرت دینا بے حوصلگی یا اوچھا پن ھے، لیکن اخفاء میں بھی مبالغہ خفقانیت کی دلیل ھے۔ نہ خود شہرت دو اور نہ چھپاؤ۔

دورہ ہوا مگر مدت معینہ کے بعد اور پھر جھاگ نہ آنا اور تمہارے پکارنے سے متنبہ ہو جانا مادے کی کمی کی علامتیں ہیں۔ شدت میں جس قدر خفت ہو، غنیمت ہے۔

میرے خطوط اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا، تمہارے حسن طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں سخت بے مزہ ہوا۔ اگر بے مزگی کے وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ کا سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات موجز و مختصر لکھتا ہوں۔ سنو بھائی، اگر ان خطوط کا تم کو اخفا منظور ہے اور شہرت تمہارے منافی طبع ہے تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ تمام ہوا اور اگر ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے تو میرے دستخطی خطوط اپنے پاس رہنے دو اور کسی متصدی سے نقل اتروا کر چاہو کسی کے ہاتھ، چاہو بسبیل پارسل، ارسال کرو، لیکن خدا کے واسطے کہیں غصے میں آ کر، ''عطائے تو بہ لقائے تو،، کہہ کر اصلی خطوط نہ بھیج دینا کہ یہ امر میرے مخالف مقصود ہے۔ بھلا صاحب، ڈرتا ہوں میں تم سے، اودھر خط پڑھا ادھر جواب لکھ کر ڈاک میں بھیجا۔ تمہارا خط رہنے دیا۔ جب آغا شمشاد علی بیگ آئیں گے، پڑھ لیں گے۔

(۱۸۶۳ء) غالب

(۲۹)

لاموجودالااللہ۔ اوس خدا کی قسم جس کو میں نے ایسا مانا ہے اور اس کے سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہے کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھنا از راہ ملال نہ تھا۔ طالب کے ذوق کو سست پا کر میں متوقف ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہے۔ اپنا نفع نقصان سوچے گا۔ لاگت بچت کو جانچے گا۔ میں متوسط کو مہتمم سمجھا تھا اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپوائے گا۔ تیس رقعے ایک جگہ سے لے کر اون کو بھیجے۔ اوس کی رسید میں تقریباً انہوں نے طالب

رقعات به تکلف سوداگر لکھی اور اوس سوداگر کو مفقودالخبر لکھا۔ ظاھرا کتابیں لے کر کہیں گیا ھوگا یا کتابیں اپنے گیا ھوگا۔ بہ تئیس لفافے اور چونتیس خط بدستور میرے بکس میں محفوظ رھیں گے۔ اگر متوسط بہ تقاضا طلب کرے گا، ان خطوط کی نقلیں اوس کو اور اصل تم کو بھیج دوں گا، ورنہ تمہارے بھیجے ھوئے کاغذ تم کو پہنچ جائیں گے۔

میاں ان خطوط کے ارسال میں تم نے مجھ سے وہ کیا، جو میں نے تم سے دوجانہ میں کیا تھا۔ بھلا میں تو پیر خرف ھوں(۱) اور سن خرافت کو نسیان لازم ھے، تم نے کیا سمجھ کے کپڑا لپیٹ کر مختم(۲) کر کے بھیجا؟ خطوں پر ایک قلیل العرض کاغذ لپیٹ کر ارسال کیا ھوتا۔ اگر منشی بہاری لال میرا اور شہاب الدین کا دوست نہ ھوتا تو پچاس روپے کا مجھ کو دھپا لگتا۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

صبح شنبہ ۳۰۔ مئی ۱۸۶۳ء غالب

(۳۰)

بد است مرگ ولے بد تر از گمان تو نیست

مکرر لکھ چکا ھوں کہ قصیدے کا مسودہ میں نے نہیں رکھا۔

مکرر لکھ چکا ھوں کہ مجھے یاد نہیں، کون سی رباعیاں مانگتے ھو۔ پھر لکھتے ھو کہ رباعیاں بھیج، قصیدہ بھیج۔ معنی اس کے یہ کہ تو

---

(۱) حواس باختہ۔

(۲) مہر لگا کر۔ پارسل کپڑے میں لپیٹ کر اور مہریں لگا کر ڈاک میں بھیجنے پر پچاس روپے جرمانہ ھوتا تھا۔ میرزا کا شاگرد بہاری لال ڈاک خانے کا کارکن اور میرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب کا دوست بھی تھا۔ اس کی وجہ سے باز پرس کی نوبت نہ آئی۔ اغلب ھے علائی کو ڈاک خانے کا یہ قاعدہ معلوم ھی نہ ھو اور انہوں نے خطوں کو زیادہ محفوظ طریق پر بھیجنے کی مناسب صورت وھی سمجھی ھو، جس پر عمل کیا۔

جھوٹا ہے۔ اب کے تو مقرر بھیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، توریت کی قسم، زبور کی قسم، ہنود کے چار بید کی قسم، دساتیر کی قسم، ژند کی قسم، پاژند کی قسم، استا کی قسم (۱) گرو کے گرنتھ کی قسم، نہ میرے پاس وہ قصیدہ، نہ مجھے رباعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں :

بر ہما نیم کہ ہستیم و ہماں خواہد بود

جب میں دس پندرہ جلدیں منگا لوں گا، ایک بھائی کو اور ایک تم کو ارمغان بھیجوں گا اور اگر بھائی کو جلدی ہے تو لکھنئو میں ''اودھ اخبار'' کا مطبع، مالک اوس کا منشی نولکشور مشہور۔ جتنی جلدی چاہیں لکھنئو سے منگا لیں۔ میں بہر حال دو جلدیں جس وقت موقع ہوگا، بھیج دوں گا۔

۱۱- جون ۱۸۶۳ء　　　　نجات کا طالب ، غالب

(۳۱)

میری جان !

مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے۔ میں نے خطوط مرسلہ تمہارے یکمشت اون کو دیے۔ اب تمہارے پاس بھیجنے کا اون کو اختیار ہے۔ رسید کا البتہ مجھے انتظار ہے۔ علی حسین خاں سے آنے کی حقیقت اور یہاں اقامت کی مدت پوچھی گئی۔ جواب پایا کہ ایک مہینے اور دس دن کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ بی بی بیمار ہے، اس کا استعلاج منظور ہے۔ میری جان علی حسین کے کام آئے تو دریغ نہ کروں، بھلا یہ مبالغہ سہی بلکہ بے شک تبلیغ و غلو ہے، لیکن قریب قریب اس کے یعنی جو چیز امکان سے باہر نہ ہو اوس میں قصور کیوں کر کیا جائے گا؟ بلکہ شاید تمہاری سپارش

(۱) ژند پارسیوں کی مذہبی کتاب، پاژند اس کی تشریح و تفسیر، ''استا'' بھی انہیں کی مذہبی کتاب ہے۔

کی بھی حاجت نہ ہو۔ مگر سوچو کہ آئین غمخواری و اندوہ گساری کیا ہوگا۔ میرزا بد وضع و بد روش نہیں کہ بند و بند کا محتاج ہو۔ کوئی اس کا مقدمہ کسی محکمے میں دائر نہیں کہ مصلحت و مشورت کی احتیاج ہو۔ رہے امور خانگی، یعنی بی‌بی اور اس کے آبا و اخوان کے معاملے، اون میں نہ تم کو دخل، نہ مجھ کو مداخلت ، تم علی حسین خاں کو اس پیوند پر کیا کیا چھیڑتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ اوس کا دادا کتنا بڑا آدمی تھا اور اوس کے دادا کی اور اوس کی سسرال ایک ہے۔ یہ ذریعۂ فخر ہے اوس کو اور اوس کے طفیل سے تم کو بلکہ تھوڑی سی نازش اگر مجھ ننگ اقربا کے حصے میں بھی آجائے تو کچھ بعید نہیں۔

ہر چند تمہارا ہر کلمہ ایک بذلہ ہے، لیکن اس ''خسر،، و ''خسروانی،، نے مار ڈالا۔ کیا کہوں جو مجھ کو مزا ملا ہے۔ کہاں ''خسر،، و ''خسران،، لغات عربی الاصل اور کہاں روز مرۂ مشہور کہ ''خسر،، سسرے کو کہتے ہیں۔ صنعت اشتقاق و طباق کو کس سینہ زوری سے برتا ہے۔ اچھا میرا میاں، یہ خسر بمعنی پدر زن کیا لفظ ہے؟ حروف بین الفارسی والعربی مشترک ہیں ، لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے، نہ عربی ہے۔ فارسی میں پدر زن بہ فک اضافت کہتے ہیں۔ عربی میں جس طرح بہ معنی نقصان، لغت منصرف ہے، شاید سسرے کا اسم جامد بھی ہو یا فی‌الحقیقت سسرے کی تفریس و تعریب ہو۔ یہ پرسش نہ بہ سبیل استہزأ ہے، بلکہ یوسف علی خاں عزیز مانند اس دہقان کے جو دانہ ڈال کر مینہ کا منتظر ہو اور ابر آئے اور نہ برسے ، مضطر و حیران ہے۔ علی حسین خاں آتے ہیں۔ آئے۔ وہ آئے تو کیا لائے؟

یکشنبہ ۳۔ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۱ جون ۱۸۶۳ء غالب

(۳۲)

صاحب!

میں از کار رفتہ و درماندہ ہوں۔ آج تمہارے خط کا جواب لکھتا ہوں۔

لفظ ''خسر،، کے باب میں اتنی توضیح کیا ضرور تھی۔ میرا علم لغات عربیہ کا محیط نہیں اور یہ بطریق حق الیقین جانتا ہوں کہ ''خسر،، لغت فارسی نہیں۔ ''سسرے،، کی تفریس سے خسر پیدا ہوا ہو تو کیا عجب ہے۔ تم سے اس کی تحقیق چاہی تھی کہ یہ لغت عربی الاصل نہ ہو، وہ معلوم ہوا کہ عربی نہیں، لغت ہندی ہے مفرس، اور یہی تھا میرا عقیدہ۔

علی حسین خاں آئے۔ دو تین بار مجھ سے مل گئے۔ اب نہ وہ آسکتے ہیں، نہ میں جا سکتا ہوں۔ نصیب دشمناں وہ لنگڑے، میں لولا۔ ان کے بانو کا حال مفصل تم کو معلوم ہوگا۔ جونکیں لگیں، کیا ہوا، کہاں تک نوبت پہنچی۔ میری حقیقت سنو، مہینے بھر سے زیادہ کا عرصہ ہوا، بائیں پانوں میں ورم، کف پا سے پشت پا کو گھیرتا ہوا پنڈلی تک آماس(۱)۔ کھڑا ہوتا ہوں تو پنڈلی کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ خیر، اٹھا۔ روٹی کھانے محل سرا نہ گیا، کھانا یہیں منگا لیا۔ پیشاب کو کیوں کر نہ اٹھوں؟ حاجتی رکھ لی، بغیر اوکڑو بیٹھے بات نہیں بنتی۔ پاخانے کو اگرچہ دوسرے تیسرے دن جاؤں، مگر جاؤں تو سہی۔ یہ سب موقعے خیال میں لا کر سوچ لو کہ کیا گزرتی ہوگی۔ آغاز فتق(۲) مزید علیہ یا مستزاد:

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

اپنا یہ مصرع بار بار چپکے چپکے پڑھتا ہوں:

اے مرگ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے؟

مرگ اب ناگہانی کہاں رہی۔ اسباب و آثار سب فراہم ہیں۔ ہائے الہی بخش خاں مغفور کا کیا مصرع ہے:

---

(۱) ورم، سوجن۔

(۲) ایک بیماری ہے جسے ''آنت اترنا،، کہتے ہیں۔ یعنی جو جھلی معدے کو سنبھالے ہوئے ہے، اس میں انشقاق کے باعث آنت فوطوں میں اتر جاتی ہے۔

آہ جی جاؤں نکل جائے اگر جان کہیں

زائدہ بے فائدہ۔

جمعہ ۳- جولائی ۱۸۶۳ء مرگ کا طالب، غالب

(۳۳)

جانا، عالی شانا!

پہلے خط، اور پھر بتوسط برخوردار علی حسین خاں مجلد ''کلیات فارسی،، پہنچے۔ حیرت ہے کہ چار روپے قیمت کتاب اور چار آنے محصول ڈاک، قالب انطباع میں آکر پانچ روپے قیمت اور پانچ آنے محصول قرار پاوے! خیر جہاں سو، وہاں سوا سو۔ میرا حال تمہیں اور تمہارا حال مجھے معلوم ہے۔

ایں ہم اندر عاشقی بالاے غمہاے دگر

اب کے چھٹے میں شاید نہ دے سکوں۔ نومبر سنہ حال میں پچاس تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان شاءاللہ العلی العظیم۔ میں بے حیا تھا نہ مرا، اچھا ہونے لگا۔ عوارض میں تخفیف ہے۔ طاقت آنی چلی ہے۔ مختصر مفید:

در نامہ جز ایں مصرع شاعر چہ نویسم
''اے واے زمحرومی دیدار، دگر، ہیچ،،

صبح یک شنبہ، ۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب، غالب

(۳۴)

اقبال نشان مرزا علاؤالدین خاں بہادر کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔ برخوردار علی حسین خاں آیا، مجھ سے ملا۔ بھائی کا حال اوس کی زبانی معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ الولدسرلابیہ، تم اوس کے مصداق کیوں بنے؟ خفقان و مراق اگرچہ تمہارا خانہ زاد موروثی ہے،

لیکن آج تک تمهاری خدمت میں حاضر نه هوا تها۔ اب کیوں آیا؟ اگر آیا تو هرگز اوس کو ٹهہرنے نه دو، هانک دو۔ خبردار، اوس کو اپنے پاس نه رهنے دینا۔

شفیق مکرم و لطف مجسم منشی نولکشور صاحب به سبیل ڈاک یہاں آئے۔ مجھ سے اور تمهارے چچا اور تمهارے بهائی شهاب‌الدین خاں سے ملے۔ خالق نے اون کو زهرہ کی صورت اور مشتری کی سیرت عطا کی هے، گویا بجاے خود قران‌السعدین هیں۔ تم سے میں نے کچھ نه کہا تها اور کلیات کے دس مجلد کی قیمت پچاس روپے مان لیے تهے۔ اب اون سے جو ذکر آیا تو انہوں نے پہلی قیمت مشتہرۂ اخبار لینی قبول کی، یعنی تین روپے چار آنے فی جلد۔ اس صورت میں دس مجلد کے بتیس روپے آٹھ آنے هیں اور بتیس روپے آٹھ آنے تم دو۔ همگی بیبنسٹھ (روپے) مطبع ''اودھ اخبار،، میں پہنچانے چاهئیں۔ میں دسمبر ماہ حال کی دسویں گیارهویں کو طالب هوں گا۔ کہو بتیس روپے آٹھ آنے علی حسین خاں کو دے دوں، کہو لکھنئو بهیج دوں۔ اس نگارش کا جواب جلدی لکھو۔

بهائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور استاد میر جان کے میری طرف سے قدم لینا۔

نجات کا طالب، غالب

۲۱- جمادی‌الثانی سال غفر (۱۲۸۰ھ) مطابق ۳ دسمبر سال: ''کیا غضب هے هے،، (۱۸۶۳ء)۔ یه گویا تاریخ وفات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ الگن(۱) صاحب بهادر کی هے۔

---

(۱) هندوستان کا وائسرائے، جنوری ۱۸۶۲ء میں کلکته پہنچا - ۲۰- نومبر ۱۸۶۳ کو دهرمساله (ضلع کانگڑھ) میں فوت هو گیا - میرزا نے اسلامی سال وفات لفظ ''غفر،، سے نکالا یعنی ۱۲۸۰ھ اور عیسوی سال ''کیا غضب هے هے،، سے اخذ کیا یعنی ۱۸۶۳ء۔

مولانا علائی !

واللہ، علی حسین خاں کا بیان بمقتضائے محبت تھا۔ ہر بار کہتا تھا اور یہ کہنا تھا کہ حق بجانب ان کے ہے۔ نہ کوئی ہم سخن، نہ کوئی ہم نفس، نہ سیر، نہ شکار، نہ مجلس، نہ دربار۔ تنہائی و بے شغلی اور بس۔ جی کیونکر نہ گھبرائے؟ خفقان کیوں نہ ہو جائے؟

نہ دن یاد، نہ تاریخ، آج چوتھا یا پانچواں شاید بھول گیا ہوں، پانچواں دن ہے کہ منشی نولکشور بہ سواری ڈاک رہگرائے لکھنو ہوئے۔ کل پہنچ گئے ہوں یا آج پہنچ جائیں۔ آج روز یک شنبہ ۱۳- دسمبر کی ہے۔ ایک دن منشی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے اور برخوردار شہاب الدین خاں بھی تھا۔ میں نے ثاقب کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اگر میں دنیادار ہوتا، تو اس کو نوکری کہتا، مگر چونکہ فقیر تکیہ دار ہوں، تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ تین جگہ کا روزینہ دار ہوں۔ ساڑھے باسٹھ روپے ماہوار یعنی سات سو پچاس روپے سال سرکار انگریزی سے پاتا ہوں، بارہ سو روپے رام پور سے، چوبیس روپے سال ان مہاراج سے۔ توضیح یہ کہ دو برس سے ہر مہینے میں چار بار اخبار مجھ کو بھیجتے ہیں، قیمت نہیں لیتے، مگر ہاں، اڑتالیس ٹکٹ میں مطبع پہنچا دیا کرتا ہوں۔

بتیس روپے آٹھ آنے جو میں نے پوچھے تھے کہ علی حسین خاں کے حوالے کروں۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ ارسال بہ سبیل ہنڈوی دشوار ہے۔ خیر، اب جس طرح ہوگا، حصار پر ہنڈوی لکھوا کر تم کو بھیج دوں گا۔ تم حصار پہنچ کر روپے منگوا لیجیو۔ خدا چاہے تو دسمبر میں روپیہ تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔

استاد میر جان صاحب کو قدمبوس کہہ کر مجھ کو فرعون بننا پڑا۔ دہائی خدا کی، اب ایسا نہ کروں گا۔ میرا سلام، بلکہ دعا، ان کو کہہ دینا۔

برسوں مولوی صدرالدین خاں صاحب کو فالج ہو گیا تھا۔ سیدھا ہاتھ رہ گیا ہے، زبان موٹی ہو گئی ہے۔ بات مشکل سے کرتے ہیں اور کم سمجھ میں آتی ہے۔ میں اپاہج ہوں، جا نہیں سکتا۔ جو ان کو دیکھ آتا ہے اس سے ان کا حال پوچھا جاتا ہے۔ دن، تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہے کہ دستخط سے پہچان جاؤ۔(۱)

یک شنبہ ۱۳۔ دسمبر ۱۸۶۳ء

(۳۶)

علائی مولائی کو غالب طالب کی دعا۔ بیچارے مرزا(۲) کا معاملہ علی حسین خاں کی معرفت طے ہو گیا۔ یہاں پندرہ کا سوال، وہاں دس میں سے تین کم کرنے کا خیال۔ متوسط دوسرا، جو علی حسین خاں بہادر کے بعد درمیان آئے، وہ کیا کرے اور کیا کہے؟ مرزا قانع و متوکل ہیں۔ نہ پندرہ مانگتے ہیں نہ دس۔ اللہ بس ما سوا ہوس۔

جناب تروایَن صاحب (۳)، بھائی کے دوست، دلی آئے۔ لارڈ صاحب کہلاتے ہیں۔ سنتا ہوں کہ کل اکبر آباد جاتے ہیں۔

بھائی علی بخش خاں (۴) مدت سے بیمار تھے، رات بارہ پر دو بجے مر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

---

(۱) اس فقرے کی ترتیب میں جو خوبی ہے، وہ کسی تصریح کی محتاج نہیں۔ لفظ ''غالب،، بہ معنی ''گماں قوی،، استعمال ہوا ہے، اور نام بھی بتا دیا۔

(۲) شمشاد علی بیگ رضوان۔

(۳) سرچالس ایڈورڈ ٹریلو یلیں (۱۸۰۷—۱۸۸۶ء) اس نے لارڈ میکالے کی بہن سے شادی کی تھی۔ دھلی میں اسسٹنٹ کمشنر رہا۔ غالباً اسی زمانے میں خاندان لوھارو سے دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے۔ مدراس کا گورنر بن گیا تھا۔ سوپریم کونشل میں فینانشل ممبر بھی رہا۔

(۴) فرزند الٰہی بخش خاں معروف۔

تمہارے عم نامدار آج دن کے بارہ بجے سلطان جی(۱) گئے ہیں، میں نہ جا سکا۔ تجہیز و تکفین ان کی طرف سے عمل میں آئے گی۔ بارہ پر تین بجے یہ خط میں نے تمہیں لکھا ہے۔ کل شنبہ ۲۔ جنوری صبح کو ڈاک گھر بھیج دوں گا۔ مشفقی شفیقی میر جان صاحب کو سلام مع الاکرام۔

یکم جنوری ۱۸۶۳ء   نجات کا طالب، غالب

(۳۷)

میری جان! غالب کثیرالمطالب کی کہانی سن۔ میں اگلے زمانے کا آدمی ہوں۔ جہاں ایک امر کی ابتدا دیکھی، یہ جان لیا کہ اب یہ امر مطابق اس بدایت کے نہایت پزیر (۱) ہوگا۔ یہاں اختلاف طبائع کا وہ حال کہ آغاز مغشوش، انجام مخدوش۔ مبتدا خبر سے بیگانہ، شرط جزا سے محروم۔ سنا اور متواتر سنا کہ قصہ طے ہو گیا۔ اب علاؤالدین خاں مع قبائل(۲) آئیں گے۔ دل خوش ہوا کہ اپنے محبوب کی شکل مع اس کے نتائج کے آدیکھوں گا۔ پرسوں آخر روز بھائی پاس گیا۔ اثنائے اختلاط و انبساط میں میں نے پوچھا کہ کہو بھئی علاؤالدین خاں کب آئیں گے؟ جواب کچھ نہیں۔ ''اجی وہ قصہ تو طے ہو گیا،،؟ ''ہاں وہ تو روپیہ میں نے دے بھی دیا،، میں نے کہا تو اب چاہیے کہ وہ آئیں۔ فرمایا کہ ''شاید ابھی نہ آئے،،۔

---

(۱) جس مقام پر حضرت شیخ نظام الدین رح کا مزار ہے، وہ ''سلطان جی،، کہلاتا تھا۔ وہیں نواب الہی بخش خاں کا خاندانی قبرستان تھا، جہاں نواب مرحوم کے علاوہ میرزا غالب، ان کی بیگم، علی بخش خاں اور دوسرے افراد دفن ہوئے۔ میرزا کی قبر پر سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت مقبرہ بن گیا۔ افسوس کہ بیگم غالب کی قبر جو میرزا کی قبر کے پاس تھی، باہر رہ گئی۔

(۲) یعنی آغاز ہی کے مطابق وہ امر انتہا کو پہنچے گا۔

(۳) اہل و عیال۔

معلوم ہوا کہ خیر، ٹھینگا باجا

ناچار ارادہ کیا کہ جو کچھ کہنا تھا اب میں لکھ کر بھیجوں ۔ پرسوں تو شام ہو گئی تھی۔ کل بغلگیر ہونے والوں نے دم نہ لینے دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ ثاقب نے کہا کہ بھائی تم سے شاکی ہیں ۔ اب ضرور آ پڑا کہ گزارش مدعا سے پہلے تمہارے رفع ملال میں کلام کروں۔

بھائی ، تم میرے فرزند بلکہ بہ از فرزند ہو۔ اگر میرا اصلی بیٹا اس دید و دانست و تحریر و تقریر کا ہوتا تو میں اس کو اپنا یار وفادار اور ذریعۂ افتخار جانتا ۔ میرے خطوط کے نہ پہنچنے کا گلہ غلط ۔ تمہارا کونسا خط آیا کہ اس کا جواب یہاں سے نہ لکھا گیا؟ میرے پاس جو مقاصد ضروری فراہم تھے، وہ میں نے اس نظر سے نہ لکھے کہ اب تم آتے ہو، زبانی گفت و شنید ہو جائے گی۔ ثاقب نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا۔ سب مجھے توطیہ و تمہید میں ایک ورق لکھنا پڑا، ورنہ آغاز نگارش یہاں سے نہ ہوتا۔

اسداللہ‌الغالب

بامن از جہل معارض شدہ نا منفعلے
کہ گرش ہجو کنم این بودش مدح عظیم

یہ رسالہ موسوم بہ ''محرق قاطع برہان،،(۱) جو ثاقب نے تم کو بھیجا ہے، میرے کہنے سے بھیجا ہے اور اس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ اس کے معائنے کے وقت ، اس کتاب کی بے ربطی عبارت پر اور میری اپنی

---

(۱) ''قاطع برہان،، کے سلسلے کی ایک کتاب جو میرزا کے خلاف لکھی گئی۔ یہ مولوی سعادت علی خاں نے مرتب کی تھی۔

قرابت اور نسبت ہائے عدیدہ پر نظر نہ کرو، بیگانہ وار دیکھو اور از روے انصاف حکم بنو، بے حیف و میل،

اس نے جو مجھے گالیاں دی ہیں، اس پر غصہ نہ کرو۔ غلطیاں عبارت کی، شدت اطناب ممل(۱) کی صورت، سوال دیگر، جواب دیگر۔ ان باتوں کو مطمح نظر کرو۔ بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو ان مراتب کو الگ ایک کاغذ پر لکھو اور بعد اتمام میرے پاس بھیج دو۔ میرا ایک دوست روحانی کہ وہ منجملہ رجال‌الغیب ہے، ان ہفوات کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ نیر رخشاں نے اوس کو مدد دی ہے۔ تم بھی بھائی، مدد دو۔

اور وہ امر مبہم کہ جو تمہارے والد کی تقریر سے دل نشیں نہیں ہوا۔ یعنی قصہ ٹچک جانا اور دلی آنا، اس کا ماجرا مفصل و مشرح لکھو۔

دن، تاریخ، اپنا نام، ، آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال جواب کی تاکید کے سوا اور کیا لکھوں۔ فقط۔

چہارشنبہ ۱۸- مئی ۱۸۶۴ء، بقول عوام باسی عید کا دن، صبح کا وقت۔

(۳۸)

اے میری جان!

مثنوی ''ابر گہر بار،،(۲) کون سی فکر تازہ تھی کہ میں تجھ کو

---

(۱) ایسی طوالت جو پڑھنے والے کے لیے دلگیری کا باعث ہو جائے۔ میرزا نے نظم میں بھی یہی ترکیب استعمال کی ہے:

لغو و حشو و ادعاے محض و ''اطناب ممل،،
مور و موش و سوسمار و گربہ یکساں کردہ است

(۲) ''ابر گہر بار،، میرزا کی ایک ناتمام مثنوی تھی، جو کلیات نظم فارسی میں شامل ہے۔ اس میں غزوات نبوی نظم کرنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بھی چھپ گئی تھی (۱۲۸۰/۱۲۸۳)

بھیجتا؟ کلیات میں موجود ہے۔ معہذا شہاب‌الدین خاں نے بھیج دی، میں مکرر کیا بھیجتا۔ ''تپ محرق،،(۱) کے دیکھنے سے انکار کیوں کرتے ہو ؟ اگر منافی طبع تحریر کو بسبب انزجار(۲)، نہ دیکھا کرتے تو فریقین کی کتب مبسوطہ کہاں سے موجود ہوتیں ؟

''افسوس،، کو میں نے عربی جانا، عربی نہیں۔ اب مانا، یہ ایک سہو طبیعت تھا۔ میرا اعتراض تو خلط مبحث پر ہے۔ ''افسوس،، و ''فسوس،، ایک کیوں ہو جائے ؟

یہاں کے اطوار مجھ سے باوجود قرب مخفی اور تم پر باایںہمہ بعد آشکارا۔ دوران باخبر در حضور و نزدیکان بے بصر دور۔ روپیہ آ گیا۔ دل سے نکلا، مخزن سے نکلا، ھات سے نہیں نکلا۔ جب ھات سے نکل جائے گا اور جنس مول لی جائے گی اور یہ گند کٹ جائے گا۔ تب ترساں ترساں پیشگاہ نادری(۳) میں تمہارے یہاں آنے کے باب میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ میں ان دنوں مردود بھی ہوں۔ والسلام :

صبح دم با ابوالبشر گفتم : پارۂ زر بدہ'' کہ زر داری
حیف باشد کہ از چو من پسرے خاک رنگیں عزیز تر داری،،
گفت : ''حیف است از تو خواھش زر کہ تو گنجینۂ گہر داری
گنج دان سخن حوالۂ تست خود بہ بیں تا چہ اے پسر داری

(۱) ''محرق قاطع،،۔

(۲) کوئی چیز دیکھنے سے طبیعت کا گریزاں اور نارضامند ہونا۔

(۳) امین‌الدین احمد خان۔

پیش من زر کجاست، جان پدر — ببری هر چه در نظر داری،،
گفتم: ''اینک به بند پیمانے — زر به من می دهی، اگر داری
سر زنبیل آں عمر عیار — گر ز عیاریش خبر داری
بکشا زود و زر بریز و بگوے — که همیں مدعا مگر داری،،
گفت: ''بابا فسانهٔ بوده است — چه فرو ریزم و چه بر داری؟(۱)

دو شنبه ۲۳ - ذی‌الحجه ۱۲۸۰ھ

(مطابق ۳۰-مئی ۱۸۶۴ء)

(۳۹)

علائی مولائی، غالب کو اپنا دعا گو اور خیر خواہ تصور کریں۔ مادہ ھاے تاریخ کو نہ آپ قالب نظم میں لائیں اور نہ اور کو اس امر منکر کی تکلیف دیں۔ بھائی سمجھو۔ یزید پر لعن من جملهٔ عبادت سہی لیکن تقریباً کہہ دیتے ھیں کہ ''بر یزید لعنت،،۔ کسی مومن نے اس کی ھجو میں قصیدہ نہیں لکھا۔

ابداع مادہ ھاے تاریخ (۲) تمھارے حسنات میں لکھا گیا ھے۔ مثاب (۳) تم ھو چکے، اجر پاؤگے ان شاءاللہ۔ اب اپنے کو بدنام اور کسی کو ملول اور عداوت کو ظاھر اور اگر ظاھر ھو تو محکم نہ کرو۔

علی بخش مرحوم مجھ سے چار برس چھوٹا تھا - میں ۱۲۱۲ھ میں پیدا ھوا ھوں۔ اب کے رجب کے مہینے سے اونہتروان برس شروع ھوتا ھے۔

---

(۱) یہ قطعہ میرزا کا ھے (ملاحظہ فرمائیے ''سیر چین،، مطبوعہ مطبع جامعہ ص ۴۴)۔

(۲) تاریخ کے نئے مادے پیدا کرنا۔ (۳) مستحق ثواب۔

اس نے چھیاسٹھ برس کی عمر پائی - نئی تحریر و تقریر کا آدمی تھا اکبر آباد میں میور صاحب (۱) سے ملے۔ اثنائے مکالمت میں کہنے لگے کہ میں چچا جان(۲) کے ساتھ لارڈ لیک صاحب (۳) کے لشکر میں موجود تھا اور ہولکر (۴) سے جو محاربات ہوئے، اون میں شامل رہا ہوں۔ بے ادبی ہوتی ہے، ورنہ اگر قبا و پیرہن اتار کر دکھلاؤں، تو سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ جا بجا تلوار اور برچھی کے زخم ہیں -

وہ ایک بیدار مغز اور دیدہ ور آدمی اون کو(۵) دیکھ دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب ، ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں چار پانچ برس کے ہوگے۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ درست، بجا ارشاد ہوتا ہے -

خدایش بیامرزاد و بدیں دروغہائے بے نمک مگیراد - غالب

شنبہ ۹- جولائی ۱۸۶۴ء

---

(۱) سر ولیم میور (۱۸۱۷—۱۸۸۵ء) ۱۸۳۷ء میں ہندوستان آیا - صوبۂ غرب و شمال (موجودہ یو پی) میں پہلے سکرٹری رہا - پھر بورڈ آف ریوینیو کا ممبر مقرر ہوا - آخر میں لفٹنٹ گورنر بنا دیا گیا -

(۲) نواب احمد بخش خاں -

(۳) انگریز جرنیل جس نے ۱۸۰۳ء میں دھلی اور آگرہ مرہٹوں سے چھینے -

(۴) جسونت راؤ ھلکر جس نے ۱۸۰۵ء میں انگریزوں سے صلح کر کے ریاست اندور لے لی تھی اور وھی اس ریاست کا بانی تھا -

(۵) یعنی علی بخش خاں کو-

(۳۰)

اجی مولانا علائی!

نواب صاحب دو مہینے تک کی اجازت دے چکے اور یہ میں خبر تراشی نہیں کرتا، مرزا علی محمد بیگ کی زبانی ہے کہ نواب علاؤالدین خاں سے کہہ چکے کہ قصہ مٹ گیا ہے۔ اب تم شوق سے دلی جاؤ۔ دو ہفتے سے لے کر دو مہینے تک کی تم کو رخصت ہے۔ پھر تم کیوں نہ آئے؟ خدا نے دعا، خداوند (۱) نے استدعا قبول کی، تمہاری طرف سے سست قدمی اور دل سردی کی کیا وجہ؟ اگر حاکی (۲) کی حکایت جھوٹ ہے تو تم سچ لکھو کہ ماجرا کیا ہے۔

مرزا یوسف علی خاں عزیز تمہارے بلائے ہوئے اور مہدی حسین (۳) بھائی صاحب کے مطلوب مرزا عبدالقادر بیگ کے قبائل کے ساتھ کل روانۂ لوہارو ہوئے۔

شنبہ ۱۷- ستمبر ۱۸۶۳ء نجات کا طالب، غالب

(۳۱)

مرزا علائی مولائی!

نہ لاہور سے خط لکھا، نہ لوہارو سے۔ بقدر مادۂ حمق محو انتظار، بلکہ امید وار رہا۔ اب جو کسی طرح کی توقع نہ رہی تو شکوہ طرازی کا موقع ہاتھ آیا۔ اگر چہ جانتا ہوں۔ کہ ایک شکوہ کے دفع میں ''طوطی نامہ،، برابر ایک رسالہ لکھو گے اور ہزار وجہیں موجہ بیان کروگے۔ میں اس تصور کا مزہ اٹھا رہا ہوں کہ دیکھوں کیا لکھتے ہو۔

دادی صاحبہ سے لکھوانا، پھوپی صاحبہ سے لکھوانا، غالب سے لکھوانا، بعد حصول اجازت نہ آنا۔ اس کے بھی کچھ معنی ہیں یا نہیں؟ اچھا میرا میاں، کچھ اس باب میں لکھ۔ چپڑی اور دو دو، ایک مندیل اور ایک سیلا یا کوئی اور چیز مبارک۔

---

(۱) امین الدین احمد خاں۔

(۲) حکایت کرنے والا۔

(۳) معلوم نہ ہو سکا کون؟

بچوں کو میری دعا کہنا اور ان کی خیر و عافیت لکھنا۔ استاد میر جان صاحب کو سلام۔ مزا تو جب ملے گا کہ تم دلی آؤ اور اپنی زبان سے لاہور کے ہنگامۂ انجمن کا حال بیان کرو۔

نجات کا طالب، غالب

چہار شنبہ۔ ۲ نومبر ۱۸۶۴ء

(۴۲)

میری جان!

تمہارا خط بھی آیا اور علی حسین خاں نجم‌الدین بھی تشریف لایا۔ اگر سر نوشت آسمانی میں بھی اواخر رجب یا اوائل شعبان میں ہمارا تمہارا مل بیٹھنا مندرج ہے تو زبانی کہہ سن لیں گے۔ قلم کو ان اسرار کی محرمیت نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ملک و مال و جان و تن و ننگ و نام کے امور میں آشفتہ و سر گرداں بلکہ عاجز و حیراں ہو، دوسرے کو اوس سے کیا گلہ؟ ہائے نظیری:

با ما جفا و نا خوشی ، با خود غرور و سر کشی
از ماندہ‌از خودنہ آخر از آں کیستی؟

محل عقل و ہوش دماغ، سو تباہ، افیون کا مخمر ہو جانا علاوہ۔ اللہ جو چاہے سو کرے۔ ایسا پیارا باغ و بہار بھائی، یوں بگڑ جائے۔

جمعہ ۹۔ رجب (۱۲۸۱ھ) ۹۔ دسمبر (۱۸۶۴ء) نجات کا طالب، غالب

(۴۳)

لو صاحب ، وہ مرزا رجب بیگ مرے۔ ان کی تعزیت آپ نے نہ کی۔ شعبان بیگ پیدا ہو گئے۔ کل ان کی چھٹی(۱) ہو گئی۔ آپ شریک نہ ہوئے۔

---

(۱) یعنی رجب ختم ہو گیا۔ شعبان کے مہینے کی چھٹی تاریخ ہے۔

اے واے ز محرومی دیدار، دگر ہیچ

میاں، خدا جانے کس طرح یہ چار سطریں تجھ کو لکھی ہیں۔ شہاب‌الدین خاں کی بیماری نے میری زیست کا مزہ کھو دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے عوض میں مر جاؤں، اللہ اس کو جیتا رکھے۔ اس کا داغ مجھ کو نہ دکھائے۔ یا رب اس کو صحت دے! یا رب اس کی عمر بڑھا دے! تین بچے، ایک اب پیدا ہونے والا ہے۔ یارب اس کو اولاد کے سر پر سلامت رکھ۔

(۷- شعبان ۱۲۸۱ھ/۵- جنوری ۱۸۶۵ء) نجات کا طالب، غالب

(۴۴)

میری جان! ناسازی روزگار و بے ربطی اطوار و بطریق داغ بالاے داغ، آرزوے دیدار۔ وہ دو آتش شرارہ بار اور یہ ایک دریاے ناپیدا کنار۔ وقنا ربنا عذاب‌النار۔

خدا نے بھائی ضیاؑ‌الدین خاں کے بڑھاپے پر اور میری بیکسی پر رحم فرمایا۔ میرا شہاب‌الدین خاں بچ گیا۔ امراض مختلفہ میں گھر گیا تھا۔ بواسیر خونی، زحیر، تپ، صداع، بارے اب مِن کل‌الوجوہ صحت حاصل ہے۔ ضعف جاتے ہی جائے گا۔ آگے کون قوی تھے کہ اب ان کو ضعیف کہا جائے؟ ایک بڈھا کسی گلی میں جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ کہنے لگا: ''ہاے بڑھاپا''۔ ادھر اودھر دیکھا، جب جانا کہ کوئی نہیں ہے، کہتا ہوا بڑھا کہ ''جوانی میں کیا پتھر پڑتے تھے''۔ والسلام

(۵- جنوری ۱۸۶۵ء) غالب مستہام

(۴۵)

میری جان!

نئے مہمان کا قدم تم پر مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھاری اور اس کی اور اس کے

---

(۱) پتھر پڑنا: کوئی بڑا کام ہونا (تحقیراً)

بھائیوں کی عمر و دولت میں برکت دے۔ تمہاری طرز تحریر سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ سعید ہے یا سعیدہ(۱) ہے۔ ثاقب اس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے۔ واضح لکھو تا کہ احتمال رفع ہو۔ خط ثاقب کے نام کا۔ توبہ توبہ خط کاہے کو ایک تختہ کاغذ کا۔ میں نے سراسر پڑھا۔ لطیفہ و بذلہ و شوخیو شوخ چشمی کا بیان جب کرتا کہ فحوائے عبارت سے خون جگر نہ ہو جاتا۔ بھائی کا غم جدا، ایسا سخن گزار، ایسا زبان آور، ایسا عیار طرار! یوں عاجز و درماندہ و از کار رفتہ ہو جائے! تمہارا غم جدا، ساغر اول و 'درد۔ کیا دل لے کر آئے۔ کیا زبان لے کر آئے۔ کیا علم لے کر آئے، کیا عقل لے کر آئے اور پھر کسی روش کو برت نہ سکے۔ کسی شیوہ کی داد نہ پائی۔ گویا نظیری تمہاری زبان سے کہتا ہے:

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند
آنکہ آئینۂ من ساخت نہ پرداخت دریغ

بھائی اس معرض میں، میں بھی تیرا ہم طالع اور ہم درد ہوں۔ اگرچہ یک فنہ ہوں، مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم، میں نے اپنی نظم و نثر کی داد بہ اندازۂ بالیست پائی نہیں۔ آپ ہی کہا، آپ ہی سمجھا۔ قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی(۲) میرے خالق نے مجھ میں بھر دیے ہیں، بقدر ہزار یک، ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسی کے لٹکا لوں اور پیادہ پا چل دوں۔ کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی نجف میں جا پہنچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ عالم کا میزبان بن جاؤں۔ اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے، نہ سہی، جس شہر

---

(۱) یعنی بیٹا ہے یا بیٹی۔

(۲) جمع داعیہ یعنی آرزوئیں، ارادے۔

میں رهوں، اوس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے(۱) ۔

نہ بستان سرائے، نہ میخانہ   نہ دستان سرائے، نہ جانانہ
نہ رقص پری پیکران بر بساط   نہ غوغائے را مشگران در رباط

خدا کا مقہور، خلق کا مردود، بوڑھا، ناتوان، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار۔ تمھارے حال میں غور کی اور چاہا کہ اس کا نظیر بہم پہنچاؤں۔ واقعۂ کربلا سے نسبت نہیں دے سکتا، لیکن واللہ تمھارا حال اس ریگستان میں بعینہ ایسا هے، جیسا مسلم بن عقیل کا حال کوفے میں تھا۔ تمھارا خالق تمھاری اور تمھارے بچوں کی جان و آبرو کا نگہبان۔ میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر کرو، وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے، وہ میں هوں۔

صبح دو شنبہ شانزدهم ازمہ صیام (۱۲۸۱ھ)
(۱۳- فروری ۱۸٦۵ء) ۔

(۳٦)

صاحب!

کل تمھارا خط پہنچا، آج اس کا جواب لکھ کر روانہ کرتا هوں۔ رجب بیگ، شعبان بیگ، رمضان بیگ یہ نامور مہینے هیں، سو خالی گئے۔ شوال بیگ آدمی کا نام نہیں سنا۔ هاں عیدی بیگ هو سکتا هے۔ پس جب عید هے اور روز سعید هے تو کیا بعید هے کہ بخلاف شہور ثلثہ ماضیہ(۲) اس مہینے میں تم آ سکو۔ هے هے، میں تو کہتا هوں نہ آ سکو۔

---

(۱) منشی مہیش پرشاد کے مجموعے میں ''آئے'' کی جگہ ''آؤں'' بنا دیا گیا۔ گویا تصحیح فرما دی، لیکن اس ترمیم کی مناسبت سمجھ میں نہ آئی۔ عالم کا میزبان بن جانے کی آرزو ایثار و کرم کے دواعی کا اظہار تھا۔ پھر بہ درجہ تنزول فرمایا کہ تمام عالم میں نہ هو سکے تو نہ سہی جس شہر میں رهوں، وهاں تو کوئی بھوکا ننگا نظر نہ آئے۔ ''آؤں'' بنانے سے پوری عبارت کی معنویت برباد هو گئی۔
(۲) یعنی رجب، شعبان اور رمضان۔

اس ماہ مبارک میں امضاے حکم سرکار کا وہ ھنگامہ گرم ھو کہ پارسیوں کی عید کوسہ بر نشیں(۱) کا گماں گزرے۔ دور کیوں جاؤ۔ ھولی کی دھلینڈی(۲) کا سماں لوھارو میں بندھ جائے۔ ایک خر سوار کی سواری بڑی دھوم سے نکلے۔ حسن اتفاق یہ کہ وھی موسم ھے۔ ھولی اور ''عید کوسہ بر نشین،، کا زمانہ باھم ھے۔ حوت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار ھوتے ھیں۔ کل آفتاب حوت میں آیا ھے کوسہ بر نشیں اور ھولی کا مژدہ لایا ھے۔ خیر میں چند روز اور ستمکش فراق اور تیرے دیدار کا مشتاق ھوں۔ تو کوسہ بر نشین اور ھولی کی رنگ رلیاں منا لے اور خر سوار، کو بہ ضرب تازیانہ دوڑا لے۔

علاؤالدین خاں، واللہ تو میرا فرزند روحانی معنوی ھے۔ فرق اسی قدر ھے۔ کہ میں جاھل ھوں او، تو مولوی ھے۔ ارے ظالم ! اس ''کوسہ برنشیں،، کی داد دے۔ عقل، کرامت ھے، الہام ھے، لطف طبع ھے، کیا ھے؟ یہ اسم کس قدر مناسب مقام ھے۔

---

(۱) ''کوسہ برنشین،، پارسیوں کا ایک جشن تھا۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ کسی آدمی کو تلاش کرتے ، جس کے داڑھی بڑی عمر تک نہ نکلی ھوتی۔ اس کے بدن پر گرم دوائیں مل کر گدھے پر سوار کرتے۔ ایک ھاتھ میں پنکھا اور دوسرے میں کوڑا دے دیتے۔ وہ ''ھاے گرمی،، ''ھاے گرمی،، کہتا اور تیزی سے پنکھا جھلنے لگتا۔ امیر غریب سب اس کے گرد جمع رھتے۔ کوئی پانی ڈالتا ، کوئی برف پھینکتا۔ جب وہ سردی کے مارے کانپنے لگتا تو کوڑا گھماتا ، لوگ اس کی چوٹیں کھاتے اور ھنستے۔ جس دکان سے جو کچھ چاھتا اٹھا لیتا بلکہ لوگ نذرانے لے کر دروازوں پر کھڑے رھتے۔

(۲) ھولی کا دوسرا دن : ھولی میں الاؤ جلائے جاتے ھیں۔ دوسرے دن راکھ اور دھول اڑائی جاتی ھے۔

صبیہ کا مقدم تم پر مبارک ہو۔ ثاقب مجھ سے لڑتا تھا کہ بھتیجا ہے، میں کہتا تھا کہ پوتی ہے۔ بارے میں جیتا اور ثاقب ہارا۔ عریضہ جداگانہ استاد میر جان صاحب کے نام پہنچتا ہے۔

پنجشنبہ ۲۶۔ رمضان (۱۲۸۱ھ) غالب

(۲۳۔ فروری ۱۸۶۵ء)

(۴۷)

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد ''حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند''

قدسیاں بہر دعاے تو و والا پدرت ''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند''

میاں، تم جانتے ہو کہ میں عازم رام پور تھا۔ اسباب مساعد ہو گئے۔ بہ شرط حیات جمعہ کو روانہ ہوں گا۔ لڑکے بالوں کی خیر و عافیت علی حسین خاں کی تحریر سے معلوم ہوتی رہتی ہے۔ میرا لکھنا زائد ہے۔ ایک بار میں صاحب کمشنر کی عیادت کو گیا تھا۔ فرخ مرزا بھی میرے ساتھ گیا تھا۔ مزاج کی خبر پوچھ آیا۔ بھائی کو میرا سلام کہنا۔

یک شنبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۵ء راقم، غالب علی شاہ

(۴۸)

جانا، عالی شانا!

خط آیا۔ حظ اٹھایا۔ تمھاری آشفتہ حالی میں ہرگز شک نہیں۔ تم کہیں، قبائل کہیں۔ والی شہر ناسازگار، انجام کار نا پدیدار، ایک دل اور سو آزار۔ اللہ تمھارا یاور، علی تمھارا مددگار۔ میں پا در رکاب، بلکہ نعل در آتش۔ کب جاؤں اور فرخ سیر کو دیکھوں۔ ایک خط میں نے علی حسین خاں کو لکھا۔ وہاں سے اس کا جواب آ گیا۔ روھیلا پھوڑے پھنسی میں مبتلا ہے۔ خدا اس کو صحت دے۔ شمشاد علی بیگ کہاں الور پہنچا اور اس طرح گیا کہ شہاب الدین خاں سے مل کر بھی نہ گیا۔ خیر:

رموزِ مصلحت خویش خسرواں دانند

یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جمشید اگر دیکھتا تو حیران وہ جاتا(۱) - شہر سے دو کوس کے فاصلے پر آغاپور نامی ایک بستی ہے - آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھے - پرسوں صاحب کمشنر بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میموں کے آئے اور خیموں میں اترے - کچھ کم سو صاحب اور میم جمع ہوئے - سب سرکار رام پور کے مہماں - کل سہ شنبہ ۵-دسمبر حضور پرنور بڑے تجمل سے آغاپور تشریف لے گئے - بارہ پر دو بجے گئے اور شام خلعت پہن کر آئے - وزیر علی خاں، خانساماں، خواصی میں سے روپیہ پھینکتا ہوا آتا تھا - دو کوس کے عرصے میں دو ہزار سے کم نہ نثار ہوا ہوگا - آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے - ٹِفن، شام کا کھانا یہیں کھائیں گے - روشنی، آتشبازی کی وہ افراط کہ رات، دن کا سامنا کرے گی - طوائف کا وہ ہجوم، حکام کا وہ مجمع کہ اس مجلس کو ''طوائف‌الملوک'' کہا چاہئیے - کوئی کہتا ہے کہ صاحب کمشنر بہادر، مع صاحبان عالی شان کے، کل جائیں گے، کوئی کہتا ہے پرسوں -

رئیس(۲) کی تصویر کھینچتا ہوں - قد، رنگ، شکل، شمائل بعینہ ضیاؤالدین خاں - عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لحیہ(۳) متفاوت - حلیم، خلیق، باذل(۴)، کریم، متواضع، متشرع، متورع(۵)، شعر فہم - سیکڑوں شعر یاد - نظم کی طرف توجہ نہیں - نثر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں - جلا لائے طبا طبائی کی طرز برتتے ہیں - شگفتہ جبیں ایسے کہ ان کو دیکھنے سے غم کوسوں بھاگ جائے - فصیح بیان ایسے کہ ان کی تقریر سن کر ایک اور نئی روح قالب میں آئے - اللھم دام اقبالہ، وزاد اجلالہ - بعد اختتام محافل

---

(۱) یہ خط رام پور سے لکھا گیا، جہاں غالب نواب کلب علی خاں مرحوم کے جشن جانشینی میں شرکت کے لیے گئے تھے - یہ اسباب جشن ہی کا ذکر ہے -
(۲) نواب کلب علی خاں - (۳) داڑھی - (۴) سخی، بخشنے والا -
(۵) پارسا، پرہیزگار -

طالب رخصت ہوں گا۔ بعد حصول رخصت دلی جاؤں گا۔ بھائی صاحب (۱) کی خدمت میں بشرط رسائی و تاب گویائی سلام کہنا اور بچوں کی خیر و عافیت جو تم کو معلوم ہوئی ہے، وہ مجھ کو لکھنا۔ ۶۔ دسمبر ۱۸۶۵ء کی، بدھ کا دن، آٹھ بجا چاہتے ہیں۔ کاتب کا نام غالب ہے کہ تم جانتے ہوگے۔

(۶۔ دسمبر ۱۸۶۵ء)

(۳۹)

مرزا،

روبرو بہ از پہلو، آؤ، میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ آج صبح کے سات بجے باقر علی خاں اور حسین علی خاں مع چودہ مرغ، چھ بڑے اور آٹھ چھوٹے کے، دلی کو روانہ ہوئے۔ دو آدمی میرے ان کے ساتھ گئے۔ کالو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔ نواب صاحب نے بوقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ مرزا نعیم بیگ ابن مرزا کریم بیگ دو ہفتے سے یہاں وارد ہیں اور اپنی بہن کے ہاں ساکن ہیں۔ کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ دلی چلوں گا اور وہاں سے لوہارو جاؤں گا۔ میرے چلنے کا حال یہ ہے کہ ان شاءاللہ تعالیٰ اسی ہفتے میں چلوں گا۔

آپ چال چوکے۔ اردو لکھتے لکھتے جو خط مشتمل ایک مطلب پر تھا، اس کو تم نے فارسی میں لکھا اور فارسی بھی متصدیانہ کہ امیر کو اور اپنے بزرگ کو کبھی بصیغہ مفرد نہ لکھیں۔ یہ وہی چھوٹی "ہے"، بڑی "ے"، کا قصہ ہے۔ خیر خط نہ دکھاؤں گا، ما کتب فیہ کہہ کر کام نکال لوں گا۔ میں نے تو چلتے وقت فرخ سیر کے اتالیق کی زبانی بھائی کو کہلا بھیجا تھا کہ تم اگر کوئی اپنا مدعا کہو تو میں اس کی

---

(۱) امین الدین احمد خاں۔

درستی کرتا لاؤں۔ جواب آیا کہ اور کچھ مدعا نہیں، صرف مکانوں کا مقدمہ ہے۔ سو اس مقدمے میں میرا اور میرے شرکا کا وکیل وہاں موجود ہے۔ اگر وہ اس امر کا ذکر کرتے تو میں اون سے اون کے خالو علی اصغر خاں کے نام عرضی یا خط لکھوا لاتا۔ بہر حال اب بھی قاصر نہ رہوں گا۔ تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہے۔

بھائی سے دو سوال ہیں: ایک تو یہ کہ مجموعۂ نثر کو کیا کروں؟ وہ مبنی تھا اس حقیقت پر کہ نولکشور نواب ضیاءالدین احمد خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا۔ جب یہ واقع نہ ہوا تو اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جو کئی نثریں اور ہیں، وہ لکھ دوں؟ اوراق اشعار مرحومی زین العابدین خاں مستعار ہیں، اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کر لو۔ پھر امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے؟ ترجمہ ابوالفدا کی جلد واپس پہنچتی ہے۔

جواب کا طالب، غالب

جمعہ ۲۲- دسمبر ۱۸۶۵ء دو بجے تین کا عمل

(۵۰)

جانا جانا!

ایک میرا خط تمہارے دو خطوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہوگا۔ آج میں اصغر علی خاں بہادر کے گھر گیا۔ ان سے میں نے تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ ''فرخ سیر،، کی ماں(۱) کو لکھ بھیجو کہ سال بھر کی تنخواہ کی رسید بھیج دیں۔ یہاں سے روپیہ بھیج دیا جائے گا۔ آج منگل ہے۔ ۷۔ شعبان کی، اور ۲۶ دسمبر کی، دونوں بھتیجے تمہارے جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ دہلی ہوئے۔ میں پرسوں یوم الخمیس کو مرحلہ پیما ہوں گا۔

اول ما آخر ہر منتہی (در اکرام و عزت)
آخر ما جیب تمنا تہی (از مال و دولت)

---

(۱) بیگم علائی۔

تو کہاں گروهه(۱) کیا کر، فارسی بگھارا کر، مجھ سے ھندی کی چندی سن۔

ایک غلیل حضور نے دینی کی ھے، ایک اصغر علی خاں سے اینٹھی۔ دونوں کل آئیں گی۔ مرزا نعیم بیگ ابن مرزا کریم بیگ دو تین ھفته سے یہاں وارد اور اپنی بہن کے ھاں ساکن ھیں۔ زاد کی خدا نے چٹھی قبر پر کی، راحله وه جانیں۔

۷۔ شعبان ۱۲۸۲ھ - ۲۶- دسمبر ۱۸۶۵ء غالب

(۵۱)

میاں!

چلتے وقت تمھارے چچا نے غلیل کی فرمایش کی تھی۔ رام پور پہنچ کر وه بے سعی و تلاش ھاتھ آ گئی۔ بنوا رکھی، لڑکوں نے، ملازموں نے، سب نے مجھ سے سن لیا که یه نواب ضیاءالدین خاں کے واسطے ھے۔ اب چلنے سے ایک ھفته پہلے تم نے غلیل مانگی۔ بھائی کیا بتاؤں که کتنی جستجو کی، بہم نه پہنچی۔ دس روپے تک کو مول نه ملی۔ نواب صاحب سے مانگی، توشه خانه میں بھی نه تھی۔ ایک امیر کے ھاں پتا لگا دوڑا ھوا گیا۔ کھپچی(۲) موجود پائی، لیکن کیا کھپچی؟ جیسے نجف خاں کے عہد کے تورانیوں میں ھماری تمھاری ھڈی۔ بنوانے کی فرصت کہاں؟ آج لی، کل چل دیا۔ اس بانس کی قدر کرنا اور اس کو اچھی طرح بنوا لینا۔ بادشاه ''فرخ سیر،، اور اس کے اخوان خوش و خرم ھیں۔ ''فرخ سیر،، کی ماں نے باجرے کا حلوه سوھن کھلایا۔

شنبه ۲۵ شعبان (۱۲۸۲ھ) نجات کا طالب، غالب
مطابق ۱۳ جنوری (۱۸۶۶ء)

---

(۱) ایک کہان جس سے گولے پھینکتے ھیں، عرب اسے قوس‌البنادق کہتے ھیں۔
(۲) کہان بنوانے کا بانس۔

صاحب!

خط تمہارا پہنچا ، مطالب دل نشیں ہوئے ۔ غوغاے خلق سے مجھ کو غرض نہیں، کیا اچھی رباعی ہے کسی کی :

مومن بخیال خویش مستم داند کافر بہ گماں خدا پرستم داند
مُردم ز غلط فہمی مَردم مُردم اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم داند

بھائیوں(۱) سے پھر نہیں ملا ۔ بازار میں نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ جواہر (۲) خبردار، میرا سلام اخوین کو اور ان کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے ۔ اسی کو غنیمت جانتا ہوں۔

تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

یہ مطلع اور مقطع مندرجہ دیوان ہے، مگر اس وقت یہ دونوں شعر حسب حال نظر آئے، اس واسطے لکھ دیے گئے ۔ تم نے اشعار جدید مانگے، خاطر تمہاری عزیز، ایک مطلع، صرف دو مصرعے آگے کے کہے ہوئے یاد آ گئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں (۳) ان پر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر لکھ کر سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی ، کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئیں ہیں اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں :

---

(۱) امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں ۔ (۲) غالباً چوکیدار کا نام ہے ۔
(۳) صحیح یہ ہے کہ مطبوعہ دیوان میں اس غزل کے تین شعر ہیں : مطلع، مطلع ثانی اور مقطع ۔ البتہ مطلع ثانی کے دونوں مصرعوں میں تقدم و تاخر ہے۔

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے؟
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے؟
رقیب پر ہے اگر لطف، تو ستم کیا ہے؟
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں کم کیا ہے؟
کٹے تو شب کہیں، کاٹے تو سانپ کہلائے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے؟
لکھا کرے کوئی احکام طالع مسعود
کسے خبر کہ وہاں جنبش قلم کیا ہے؟
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟
وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے؟
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟

لو صاحب تمہارا فرمان قضا تو امان بجا لایا، مگر اس غزل کا مسودہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر بہ احتیاط رکھو گے اور اردو کے دیوان کے حاشیہ پر چڑھا دو گے تو اچھا کرو گے۔ عمر فراوان و دولت فزوں باد۔ فقط

(۵۳)

سعادت و اقبال نشان مرزا علاءالدین خاں بہادر کو فقیر اسداللہ کی دعا پہنچے۔ کل شام کو مخدوم مکرم جناب آغا محمد حسین صاحب شیرازی، بہ سواری ریل، مانند دولت دلخواہ، ناگاہ، آئے، فقیر کے تکیے میں تشریف لائے۔ شب کو جناب ڈپٹی ولایت حسین خاں کے مکان میں آرام فرمایا۔ اب وہاں(۱) سے آتے ہیں۔ قریب طلوع آفتاب، بہ چشم نیم باز، یہ رقعہ تمہارے نام

(۱) یعنی لوہارو۔

لکھا ہے۔ جو کچھ جی چاہتا ہے وہ مفصل نہیں لکھ سکتا۔ مختصر مفید، آغا صاحب کو دیکھ کر یوں سمجھنا کہ میرا بوڑھا چچا غالب جوان ہو کر میلے کی سیر کو حاضر ہوا ہے۔ پس نور چشمان راحت جان مرزا باقر علی خاں بہادر و مرزا علی حسین خاں بہادر،(۱) جناب آغا صاحب کا قدمبوس بجا لائیں ان کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت اور میری خشنودی سمجھیں۔ بس۔

ہاں، مرزا علائی اگر کرنیل الگزنڈر اسکنر بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔

(۵۴)

میاں،

مدعا اصلی ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ اگر کل کمیٹی میں گئے ہو، تو میرے سوال کے پڑھے جانے کا حال لکھو۔

ضمناً ذکر ایک مدبر کا لکھا جاتا ہے، جو تم نے اس مدبر کے صفات لکھے، سب سچ ہیں۔ احمق، خبیث‌النفس، حاسد، طبیعت بری، - سمجھ بری، قسمت بری، - ایک بار میں نے دکنی کی دشمنی میں گالیاں کھائیں، ایک بار بنارسی کی دوستی میں گلیاں کھاؤں گا۔ میں نے جو تمہیں اس کے باب میں لکھا تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ میں نے سنا تھا کہ تم نے اپنے سائیسوں سے کہہ دیا ہے یا کہا چاہتے ہو کہ اس کو بازار میں بے حرمت کریں۔ یہ خلاف شیوہ مومنین ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قصد نہ کرنا۔ یہ موید اس قول کا ہے، جو میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ تم یوں تصور کرو کہ اس نام کا آدمی اس محلے میں، بلکہ اس شہر میں کوئی نہیں۔

غالب

---

(۱) عارف کے دونوں بچے بظاہر اس وقت لوھارو میں تھے۔

(۵۵)

صاحب!

بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ آپ کا وکیل بڑا چرب زبان ہے۔ مقدمہ اس نے جیت لیا۔ چنانچہ اس کی تحریر سے تم کو معلوم ہوا ہوگا۔ سنتا ہوں۔ کہ حمزہ خاں کو ان دنوں علت مشائخ کا زور ہے اور سعدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں:

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بآوازِ دولاب مستی کنند

خدا مبارک کرے۔ غالب

(۵۶)

میاں، تمہارے باپ کا تابع، تمہارا مطیع، فرخ میرزا کا فرمانبردار، مگر ابھی اٹھا ہوں۔ اپنے کو بھی نہیں سمجھا کہ میں کون ہوں۔ آج فرخ صاحب کے نام رقعہ پہنچ جائے گا(۱) چھ جز تمہارے دیے ہوئے میر مہدی حسین صاحب کو دیے اور باقی دن چڑھے اعیان مطبع جمع ہو لیں تو وہ اوراق بھی منگا دوں۔

غالب

(۵۷)

اقبال نشان والا شان، صدرہ عزیز تر از جان، مرزا علاؤالدین خاں کو دعائے درویشانۂ غالب دیوانہ پہنچے۔ سال نگارش تم کو یاد ہوگا۔ میں نے

---

(۱) نواب امیرالدین احمد خاں مرحوم والی لوہارو نے جنہیں میرزا غالب ''فرخ سیر،، کہتے تھے، خود بیان فرمایا کہ اردوے معلیٰ کی طباعت کا غلغلہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ دادا جان! میرے نام بھی ایک رقعہ لکھ دیجیے۔ یہ اس رقعے کا ذکر ہے۔

دبستان فارسی کا تم کو جانشین اور خلیفہ قرار دے کر ایک سجل لکھ دیا ہے۔ اب جو چار کم اسی برس کی عمر(۱) ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا بلکہ مہینوں کی نہ رہی۔ شاید بارہ مہینے جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جیوں، ورنہ دو چار مہینے پانچ سات ہفتے دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے۔ اپنے ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھ دیتا ہوں کہ فن اردو میں نظماً و نثراً تم میرے جانشین ہو۔ چاہیے کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے، ویسا تم کو جانیں اور جس طرح مجھے مانتے تھے، تم کو مانیں۔ کل شی ھالک الا وجھہ و یبقی وجھہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

یک شنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ھ۔ ۲۱۔ جون ۱۸۶۸ء من مقام دہلی(۲)

---

(۱) ۱۲۸۵ھ میں میرزا کی عمر تہتر برس کی تھی۔ معلوم نہیں اسے کس حساب سے چار کم اسی (۷۶) بنا دیا۔ اغلب ہے چار کی جگہ سات ہو اور غلط پڑھا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود میرزا سے لکھنے میں سہو ہوا ہو۔

(۲) یہ سند وفات سے کم و بیش نو مہینے پیشتر لکھی گئی۔

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینی چاہیے کہ علائی کے نام کے متعدد خطوط یقینی طور پر تلف ہو گئے۔ خط (۵۷) کے بعد بھی مکاتبت جاری رہی ہوگی۔ ایک خط کا ذکر خواجہ حالی مرحوم نے کیا ہے، جو وفات سے ایک روز پیشتر علائی کو لکھوایا تھا۔ اس کا ایک حصہ حسب روایت خواجہ حالی یہ تھا!

''میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدھ روز میں، ہمسایوں سے پوچھنا

نہ کرد هجر مدارا بہ من سر تو سلامت''

اس شعر کا دوسرا مصرع خواجہ حالی کو یاد نہ رہا اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ غالباً شیخ سعدی کا ہے۔ لیکن ''کلیات سعدی'' میں اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

نواب ضیاالدین احمد خاں صاحب بہادر

جناب قبلہ (۱) و کعبہ !

آپ کو دیوان کے دینے میں تامل کیوں ہے؟ روز آپ کے مطالعے میں نہیں رہتا۔ بغیر اس کے دیکھے آپ کو کھانا ہضم نہ ہوتا ہو، یہ بوی نہیں۔ پھر آپ کیوں نہیں دیتے؟ ایک جلد ہزار جلد بن جائے۔ میرا کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں۔ تمہارے بھائی کی تعریف کی نثر سب کی نظر سے گزرے۔ اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں؟ رہا کتاب کے تلف ہونے کا اندیشہ، یہ خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی؟ احیاناً اگر ایسا ہوا اور دلی لکھنئو کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی(۲)، تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤں گا اور نواب فخرالدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔ ۔ اگر یہ کہتے ہو کہ اب وہاں سے لے کر بھیج دو، وہ نہ کہیں گے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے؟ ہاں یہ لکھو کہ نواب ضیاءالدین خاں صاحب نہیں دیتے، تو کیا وہ نہیں کہہ سکتے کہ جب وہ تمہارے بھائی اور تمہارے قریب ہو کر نہیں دیتے تو میں اتنی دور سے کیوں دوں؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تفضل سے لے کر بھیج دو، وہ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں؟ اگر دیں تو میرے کس کام کا؟ پہلے تو نا تمام، پھر ناقص۔ بعض بعض قصائد اس میں سے اور کے نام کر دئیے گئے اور اس میں اسی ممدوح

---

(۱) ضیاءالدین احمد خاں عمر میں غالب سے چھوٹے تھے۔ معلوم نہیں انہیں قبلہ و کعبہ کیوں لکھا؟ یہ فارسی کلیات نظم کا ذکر ہے، کیونکہ اسی میں ضیاالدین احمد خاں نیر کی مدح کا قصیدہ اور ان کے بھائی امین احمد خاں کی مدح کی نثر ہے۔

(۲) ”دلی لکھنئو کی عرض راہ“ سے ظاہر ہے کہ نسخۂ کلیات مطبع اودھ اخبار میں بھیجنا منظور تھا جہاں اسے چھاپنے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ اس بنا پر یہ خط بظاہر ۱۸۶۰ء کا ہے۔

سابق کے نام پر ہیں۔ شہاب‌الدین خاں کا دیوان، جو یوسف مرزا لے گیا ہے، اس میں یہ دونوں قباحتیں موجود، تیسری یہ کہ سراسر غلط۔ ہر شعر غلط، ہر مصرع غلط۔ یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں احتمال نقصان، وہ بھی از روے وسوسہ و وہم۔ اس صورت میں میں تلافی کا کفیل، جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بہر حال راضی ہو جاؤ اور مجھ کو لکھو تو میں طالب کو اطلاع دوں اور طالب اس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیج دوں۔

رحم و کرم کا طالب، غالب

میرزا شہاب‌الدین احمد خاں ثاقب

(۱)

بھائی!

تمہارا خط حکیم محمود خاں صاحب کے آدمی کے ہات پہنچا۔ خیرو عافیت معلوم ہوئی۔ انصاف کرو، کتاب کوئی سی ہو، اس کا پتا کیوں کر لگے؟ لوٹ کا مال چوری چوری کونے کھتروں(۱) میں بک گیا اور اگر سڑک پر بھی بکا تو میں کہاں دیکھوں؟ صبر کرو اور چپ ہو رہو:

بر دل نفس انده گیتی بسر آرید
گیرید که گیتی همه یکسر بسر آمد

آدمی تو آتے جاتے رہتے ہیں، خدا کرے یہاں کا حال سن لیا کرتے ہو۔ اگر جیتے رہے اور ملنا نصیب ہوا تو کہا جائے گا، ورنہ قصہ مختصر، قصہ تمام ہوا۔ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں اور وہ بھی کون سی خوشی کی بات ہے جو لکھوں؟ اپنے گھر میں اور اپنے بچوں کو میری طرف سے دعا کہہ دینا اور تم کو بھی تمہاری استانی دعا کہتی ہیں۔ زیادہ، زیادہ۔

دو شنبہ ۸- فروری ۱۸۵۸ء　　　　از غالب

(۱) کھترا سوراخ کو کہتے ہیں اور یہ لفظ کونے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ چھپ چھپا کر بک گیا۔

بھائی شہاب‌الدین خاں، واسطے خدا کے، تم نے اور حکیم غلام نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں، خدا جانے کس ولدالزنا نے داخل کر دیے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے۔ متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں۔ اگر حاشیے پر ہوں تو میرے نہیں ہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جائیں تو یوں سمجھنا کسی ملعون زن جاب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھ دیے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مفسد کے یہ شعر ہیں اس کے باپ پر اور دادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولدالحرام۔ اس کے سوا اور کیا لکھوں۔

ایک تو لڑکے میاں غلام نجف، دوسرے تم، میری کتنی کم بختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔ بعد ان سطروں کے لکھنے کے تمہارا خط پہنچا۔ یہ دوسرا حادثہ، مجھ کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ قضا و قدر کے امور میں دم مارنے کی گنجایش نہیں ہے۔ کہیں جاگیر پر جانے کی اجازت جلد ہو جائے تاکہ سب یکجا باہم آرام(۱) سے رہو۔ اپنے کاتب سے کہہ دینا کہ یہ خرافات متن میں نہ لکھے۔ اگر لکھ دیے

---

(۱) ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے خاتمے پر اہل دہلی شہر چھوڑ کر نکلے تو امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں نے لوہارو کا قصد کر لیا۔ مہرولی پہنچے تو ان کا سامان لوٹا گیا۔ دہلی میں ان کے مکانوں کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی تھی۔ وہ دوجانہ پہنچے تو وہاں سے پکڑے آئے اور خاصی مدت انگریزوں کی حراست میں لال قلعے کے اندر گزاری۔ آخر بے گناہ ثابت ہوئے اور انہیں جولائی ۱۸۵۸ء کے بعد لوہارو جانے کی اجازت ملی۔ زیر نظر خط نیز اگلے خط میں انہیں اجازت مل جانے کی رسید ظاہر کی گئی ہے۔

ہوں تو دو ورق نکلوا ڈالنا۔ اور ورق اس کے بدلے لکھوا کر لگوا دینا۔ مناسب تو یوں ہے کہ تم کسی آدمی کے ہاتھ وہ دیوان ، جو تمہارے کاتب نے نقل کیا ہے، میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ایک نظر اس کو دیکھ کر پھر تم کو بھیج دوں۔ زیادہ، زیادہ، آج میرے پاس ٹکٹ ہے نہ دام۔ معاف رکھنا۔ والسلام(۱)۔

غالب

(۳)

بھائی !

تمہارا خط پہنچا۔ کوئی مطلب جواب طلب نہیں تھا کہ میں اس کا جواب لکھتا۔ پھر سوچا کہ مبادا تم آزردہ ہو، اس واسطے آج یہ رقعہ تم کو لکھتا ہوں۔ میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ اب جو خط تمہیں لکھوں اس کے آغاز میں یہ لکھوں کہ مبارک ہو۔ تمہارے اب و عم (۲) مع الخیر جاگیر کو روانہ ہو گئے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ اب کے جو خط تم کو لکھوں گا، اس کا مضمون یہی ہو گا۔ خاطر جمع رکھنا۔ اگر میرا خط دو چار دن نہ پہنچے تو مجھ کو اسی مضمون کے ظہور کا منتظر سمجھنا اور گلہ نہ کرنا۔

اور ہاں صاحب تم جو خط لکھتے ہو تو اس میں احمد سعید خاں(۳) کا کچھ ذکر نہیں لکھتے۔ لازم ہے کہ اس کی خیر و عافیت اور اس کی بہن کی خیر و عافیت لکھتے رہا کرو۔ یہاں تمہاری پھوپی اور تمہارے دونوں بھتیجے اچھی طرح ہیں(۴)۔ والدعا۔

یکشنبہ ۱۱- اپریل ۱۸۵۸ء　　　　از غالب

---

(۱) منشی مہیش پرشاد کے مجموعے میں اسے مارچ ۱۸۵۸ء کا خط بتایا گیا ہے۔
(۲) ضیاءالدین احمد خاں اور امین الدین احمد خاں۔
(۳) سعیدالدین احمد خاں طالب۔ ثاقب کا بھائی اور نیر کا چھوٹا بیٹا۔
(۴) پھوپی سے مراد بیگم غالب اور بھتیجوں سے باقر علی خاں اور حسین علی خاں مراد ہیں۔

(۴)

تمھارے بھائی کا خط تمھارے پاس بھیجتا ھوں۔ کلیات اردو (۱) جو تم نے خریدے ھیں۔ ایک اس میں سے چاھو، اپنے چچا کی نذر کرو، چاھو بھائی کو تحفہ بھیجو۔ میں نے اس وقت ان کے نام کا خط لوھارو کو روانہ کیا ھے۔ بعد ارسال خط مولوی سدید الدین خاں صاحب میرے ھاں آئے۔ اثنأ حرف و حکایت میں میں نے شاھین کی حقیت پوچھی۔ جواب دیا کہ ھاں عربی میں ایک باجے کا نام ''شاھین،، (۲) ھے۔ صورت اس کی پوچھی گئی۔ کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ صراح میں میں نے دیکھا ھے۔ فقط۔ تم جو مولانا علائی کو خط لکھو، یہ رقعہ ملفوف کرو۔

غالب

(۵)

میاں ناقب،

کہاں پارسل بناتا پھروں؟ کہاں ڈاک میں بھجواتا پھروں؟ تم اس کتاب کو لوھارو بھیج دو اور جلد بھیج دو۔

نیم روز دو شنبہ ۴- ۲ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ

مطابق ۸- ستمبر ۱۸۶۱ء

(۶)

نور چشم شہاب الدین خاں کو دعا کے بعد معلوم ھو یہ جو رقعہ لے کر پہنچتے ھیں، ان کا نام حسن علی ھے اور یہ سید ھیں۔ دوا سازی

---

(۱) اگر کلیات اردو سے مقصود وہ دیوان اردو ھے جو دھلی کے مطبع احمدی میں چھپا تھا تو اس خط کو ۱۸۶۱ء کے نصف آخر کا سمجھنا چاھیے۔ منشی مھیش پرشاد کے مجموعے میں اسے اگست ۱۸۶۱ء کا بتایا گیا ھے۔

(۲) ممکن ھے عربی میں کسی باجے کا نام ''شاھین،، ھو لیکن صراح میں بھی اس کے دو ھی معنی بیان کیے گئے ھیں۔ اول مشہور پرندہ دوم عمود ترازو یعنی ترازو کی ڈنڈی۔

میں یگانہ، رکاب داری میں یکتا۔ جان محمد ان کا باپ ملازم سرکار شاہی تھا۔ اب ان کا چچا میر فتح علی پندرہ روپے مہینے کا الور میں نوکر ہے۔ بہر حال ان سے کہا گیا کہ پانچ روپیہ مہینا ملے گا اور لوہارو جانا ہوگا۔ انکار کیا کہ پانچ روپیہ میں میں کیا کھاؤں گا؟ یہاں زن و فرزند کو کیا بھجواؤں گا؟ جواب دیا گیا کہ سرکار بڑی ہے اگر کام تمہارا پسند آئے گا۔ تو اضافہ ہو جائے گا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خبر توقع پر یہ قلیل مشاہرہ قبول کرتا ہوں، مگر دونوں وقت روٹی سرکار سے پاؤں، بغیر اس کے کسی طرح نہیں جا سکتا۔

سنو میاں، حق بجانب اس غریب کے ہے۔ روٹی بغیر بات نہیں بنتی۔ یقین ہے تم رپوٹ کرو گے تو اس امر کی منظوری کا حکم آ جائے گا۔ یہ قصہ فیصل ہوا۔ اب یہ کہتا ہے کہ دو ماہ مجھے پیشگی دو تا کہ کپڑا لتا بناؤں اور کچھ گھر میں دے جاؤں۔ راہ میں روٹی اور سواری سرکار سے پاؤں، تو یہاں بھی حق بجانب سائل کے جانتا ہوں، مگر کچھ کہہ نہیں سکتا۔ خیر تم یہی میرا رقعہ اپنے نام کا علائی مولائی کو بھیج دو۔

سہ شنبہ ۲۴- ستمبر ۱۸۶۱ء غالب

(۷)

میاں،

وہ قاضی تو مسخرا ہے، چوتیا ہے۔ ان کا خط دیکھ لیا۔ خیر۔ ہاں علاءالدین کا خط گھنٹا بھر بھانڈ کے طائفے کا تماشا ہے۔ اب تم کہو استاد میر جان کو کیونکر بھیجوگے؟ ان کو کہاں پاؤ گے؟ اور علاءالدین خاں نے حسب‌الحکم تمہارے چچا کے لکھا ہے۔ لوہارو کی سواریاں، آئی ہوئی، شاید کل یا پرسوں جائیں۔ اس کی فکر آج کرو۔ امین‌الدین خاں بیچارہ اکیلا گھبراتا ہوگا۔

''چکیدن دھیم،، ''رمیدن دھیم،، یہ غزل علاءالدین کو بھیج چکا ہوں تم علاءالدین خاں کو لکھو کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ :

''ہر دم آزردگی غیر سبب راچہ علاج،،

اس غزل کو حافظ کی غزل سمجھتے ہو۔ واہ واہ ''غیر سبب،، یہ کہاں کی بولی ہے؟

''از خواندن قران تو قاری چہ فائدہ،،

عیاذاً باللہ! امیر خسرو ''قرآن،، کو، کہ بسکون راے قرشت و الف ممدوہ ہے، ''قران،، بروزن ''پران،، لکھیں گے! یہ دونوں غزلیں دو گدھوں کی ہیں ۔ شاید ایک نے مقطع میں حافظ اور ایک نے مقطع میں 'خسرو،، لکھ دیا ہو۔

(۱۸٦۲ء)

(۸)

رقعے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقب حرکت کی یہ بے جا تم نے
حاجی کلو کو دے کے بے وجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

(۹)

اے روشنی دیدہ شہاب‌الدین خاں کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان؟
ہوتی ہے تراویح سے کب تک فرصت؟ سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن؟(۱)

(۱۰)

مرزا میاں شہاب‌الدین خاں اچھی طرح رہو۔ غازی آباد کا حال شمشاد علی سے سنا ہوگا۔ ہفتے کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا ۔ قصد یہ تھا کہ پلکھوے رہوں ۔ وہاں قافلے کی گنجایش نہ پائی ۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا ۔ دونوں برخوردار (۲) گھوڑوں پر سوار پہلے

---

(۱) ثاقب کے نام یہ چھوٹے چھوٹے رقعے دھلی ھی میں لکھے گئے ۔
(۲) باقر علی خاں اور حسین علی خاں جو دوسرے سفر رام پور میں بھی ساتھ تھے اور یہ خط دوران سفر ھی میں لکھا گیا ۔

چل دیئے - چار گھڑی دن رہے میں ھاپوڑ کی سرائے میں پہنچا - دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا - گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا - میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا - دو شامی کباب اس میں ڈال دیے - رات ہو گئی تھی، شراب پی، کباب کھائے - لڑکوں نے ارھر کی کھچڑی پکوائی - خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی - دن کے واسطے سادد سالن پکوایا، ترکاری نہ ڈالوائی بارے آج تک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے - آپس میں صلح و مشورت سے کام کرتے ھیں - اتنی بات زائد ہے کہ حسین علی منزل پر اتر کر پاپڑ اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتا ہے - دونوں بھائی مل کر کھا لیتے ھیں -

آج میں نے تمھارے والد کی نصیحت پر عمل کیا - چار بجے پانچ کے عمل میں ھاپوڑ سے چل دیا - سورج نکلے بابو گڈھ کی سرائے میں آ پہنچا - چار پائی بچھائی، اس پر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں اور یہ خط لکھ رہا ہوں - دونوں گھوڑے کوتل آگئے - دونوں لڑکے رتھ میں سوار آتے ھیں - اب وہ آئے اور کھانا کھا لیا اور چلے - تم اپنی استانی(۱) کے پاس جا کر یہ رقعہ سراسر پڑھ کر سنا دینا - شمشاد کو کتاب کے مقابلے اور تصحیح کی تاکید کر دینا (۲) - (۸ اکتوبر ۱۸۶۵ء)

امیرالدین احمد خاں

اے مردم چشم جہان بین غالب !

پہلے القاب کے معنے سمجھ لو ، یعنی چشم جہاں بین غالب کی پتلی - چشم جہاں بیں تمہارا باپ علاؑالدین احمد خاں بہادر اور پتلی تم - آج میں نے تمہارا خط دیکھا - مجھ کو بہت پسند آیا - استاد کامل نہ ہونے کے

---

(۱) بیگم غالب ،

(۲) شمشاد علی بیگ رضوان - کتاب سے مراد ''قاطع برہان،، کی دوسری اشاعت ہے جو زیر طبع تھی -

با وصف تم نے یہ کمال حاصل کیا۔ آفرین صد آفرین ! میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے کہ وہ رب‌العالمین ہے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تم کو زیادہ نہیں تو تمہارے باپ کے برابر علم و فضل اور تمہارے پردادا حضرت فخرالدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر جنت آرامگاہ کے برابر جاہ و جلال عنایت کرے۔ میاں تمہارے دادا نواب امین‌الدین خاں بہادر ہیں، میں تمہارا دلدادہ ہوں۔ خبردار ہر جمعہ کو اپنی صورت مجھے دکھا جایا کرو۔ والدعا (۱)

میرزا باقر علی خاں صاحب کامل

(۱)

اقبال نشان باقر علی خاں کو غالب نیم جاں کی دعا پہنچے۔ بہت دن ہوئے کہ تمہارا خط آیا۔ مگر تم نے اپنے مکان کا پتا تو لکھا ہی نہ تھا۔ فقط الور کا نام لکھ کر چھوڑ دیا۔ میں کیوں کر خط بھیجتا؟ بارے اب شہاب‌الدین خاں کی زبانی پتا معلوم ہوا ۔ سو اب میں تم کو خط لکھتا ہوں۔ جنیا بیگم(۱) اچھی طرح ہے ۔ میرے پاس آتی رہتی ہے اور تمہارے گھر میں سب طرح خیرو عافیت ہے۔ اکتوبر کے مہینے کی تمہاری تنخواہ تمہارے گھر بھیج دی۔ مرزا حسین علی خاں بندگی عرض کرتا ہے۔

تحریر ۱۶- نومبر ۱۸۶۷ء　　　　اسداللہ

(۲)

اقبال نشان مرزا باقر علی خاں کو غالب نیم جاں کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط آیا ۔ تمہارے روزگار کی درستی آگے سن چکا تھا۔ اب تمہارے لکھنے سے دیکھ بھی لی۔ دل میرا خوش ہوا اور تم خاطر جمع رکھو۔ جیسا کہ

---

(۱) باقر علی خاں کی بڑی صاحبزادی ، نام محمد سلطان بیگم تھا۔ خاندان والے اسے جندو بیگم پکارتے تھے۔ میرزا غالب نے جیرن بیگ نام رکھ لیا تھا۔ یہ اسی کا ذکر ہے۔

مہاراج (۱) نے تم سے کہا ہے، تمہاری ترقی ان شاءاللہ جلد ہوگی۔ مجھ سے جو تم گلہ کرتے ہو خط کے نہ بھیجنے کا، بھائی، اب میری انگلیاں نکمی ہو گئی ہیں اور بصارت میں بھی ضعف آ گیا ہے۔ دو سطریں نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کے خطوط آئے ہوئے دھرے رہتے ہیں۔ جب کوئی دوست آ جاتا ہے، میں اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ پرسوں کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا۔ اب اس وقت مرزا یوسف علی خاں آ گئے ہیں۔ میں نے ان سے یہ خط لکھوا دیا۔ تمہاری دادی (۲) اچھی طرح ہے۔ بھائی(۳) اچھی طرح ہے۔ تمہارے گھر میں سب خیر و عافیت ہے۔ تمہاری لڑکی اچھی طرح ہے۔ کبھی روز اور کبھی دوسرے تیسرے میرے پاس آ جاتی ہے۔

(۳)

نور چشم و راحت جان، میرزا باقر علی خاں کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط جو میرے خط کے جواب میں تھا، وہ مجھ کو پہنچا۔ اس میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ اس خط میں ایک نئے امر کی اطلاع دیتا ہوں۔ وہ امر یہ ہے کہ میں نے اگلے مہینے میں ''سبدچیں،، کی ایک جلد مع عرضی، اقبال نشان میر تفضل حسین خاں کی معرفت الور کو بھجوائی تھی۔ سو اب کے ہفتے میں حضور پر نور مہاراؤ راجہ بہادر (۴) کا خط انہیں کی معرفت مجھ کو آیا۔ حضور نے از راہ بندہ پروری و قدر افزائی القاب بہت بڑا مجھے لکھا اور خط میں فقرے بہت عنایت اور التفات کے بھرے ہوئے درج کیے۔ تم تو وہیں ہو، تم کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی یا نہیں؟ اور اگر ہو گئی تھی تو تم نے مجھے کیوں نہیں لکھا؟ اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کبھی دربار میں کچھ میرا بھی ذکر آتا

---

(۱) شیو دھیان سنگھ والی الور۔ باقر علی خاں الور ھی میں ملازم تھے۔

(۲) بیگم غالب۔

(۳) حسین علی خاں۔

(۴) شیو دھیان سنگھ والی الور۔

ہے یا نہیں؟ اور اگر آتا ہے تو کس طرح آتا ہے؟ حضور سن کر کیا کیا فرماتے ہیں؟

۷- دسمبر ۱۸۶۸ء غالب

سالک و رضوان

مرزا قربان علی بیگ خاں سالک دبن نواب مرزا عالم بیگ خاں بن نواب عاشور علی بیگ خاں غالب جنگ) سالک دھلی میں پیدا ہوئے۔ پہلے الور میں ملازم رہے۔ پھر حیدرآباد چلے گئے، جہاں ان کے چچا رن مست خاں نے ماڑین کے نواب کی بیٹی سے شادی کر کے ان کی جاگیر سنبھال لی تھی۔ سالک نے سرشتۂ تعلیمات ملازم کی۔ نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی کے زیر نگرانی رسالہ ''مخزن الفوائد،، جاری کیا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ستاون برس کی عمر پا کر حیدرآباد میں انتقال کیا (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۱ء)۔

شمشاد علی بیگ خاں رضوان سالک کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ بھی پہلے لوھارو اور الور میں ملازم رہے۔ پھر حیدرآباد چلے گئے۔ شاعر بھی اچھے تھے، لیکن انہوں نے انتہائی کمال شطرنج میں پیدا کیا، جس کے بڑے ماہر مانے جاتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں وفات پائی۔ صرف چالیس برس کی عمر پائی۔

دونوں کا تعلق میرزا غالب اور خاندان لوھارو سے اتنا گہرا تھا کہ خیال ہوتا ہے، انہیں اس خاندان سے کوئی نسبت ضرور تھی۔ اگرچہ وہ دور ھی کی ہو۔

---

(۱) یہ خط غالباً ۱۸۶۸ء کا ہے۔ دیکھیے علائی کے نام خط (۵۶)۔

(سالک)

(۱)

میری جان، کن اوہام میں گرفتار ہے ؟ جہاں باپ(۱) کو پیٹ چکا، اب چچا کو بھی رو۔ خدا تجھ کو جیتا رکھے اور تیرے خیالات و احتمالات کو صورت وقوعی دے۔ یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں، مخلوق کا کیا ذکر؟ کچھ بن نہیں آتی ۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے ، کہتا ہوں : لو غالب کے ایک اور جوتی لگی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں ۔ لے اب قرضداروں کو جواب دے ۔ سچ تو یوں ہے، غالب کیا مرا، بڑا ملحد مرا، بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تعظیم ، جیسا بادشاہوں کو بعد ان کے ''جنت آرام گاہ،، و ''عرش نشیمن ،، خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا۔ ''سقر مقر،، اور ''ہاویہ زاویہ،،(۲) خطاب تجویز کر رکھا ہے ۔ ''آئیے نجم‌الدولہ بہادر،،!(۳) ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضدار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں: ''اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے، اوغلان صاحب! (۴) آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں ۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے؟ کچھ تو اکسو،

---

(۱) سالک کے والد یعنی مرزا عالم بیگ ۔

(۲) یعنی دوزخ جائے قرار اور ہاویہ اس کا زاویہ ہو۔

(۳) میرزا کو بہادر شاہی دربار سے جو خطاب ملا تھا ، اس کا ایک جز نجم‌الدولہ تھا

(۴) ''اوغلان،، ترکی زبان میں خطاب کے لیے احترام کا ایک لفظ، جیسے ہمارے ہاں ''جناب،،۔

کچھ تو بولو،، ۔ بولے کیا بے حیا، بے غیرت، کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام قرض لیے جاتا تھا ۔ یہ بھی سوچا ہوتا، کہاں سے دوں گا ۔

(۲)

وللرحمن الطاف خفیہ ۔ (۱) خیرو عافیت تمہاری معلوم ہوئی۔ دم غنیمت ہے۔ جان ہے تو جہان ہے ۔ کہتے ہیں کہ خدا سے نا امیدی کفر ہے ۔ میں تو اپنے باب میں خدا سے نا امید ہو کر کافر مطلق ہو گیا ہوں ۔ موافق عقیدہ اہل اسلام جب کافر ہو گیا تو مغفرت کی بھی توقع نہ رہی ۔ چل بھئی نہ دنیا، نہ دین ۔ مگر تم حتی الوسع مسلمان بنے رہو اور خدا سے نا امید نہ ہو۔ ان مع العسر یسرا (۲) کو اپنا نصب العین رکھو :

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست

گھر میں تمہارے سب طرح خیرو عافیت ہے۔ محمد مرزا پنجشنبہ اور جمعہ کو داستان کے وقت آ جاتا ہے ۔ رضوان ہر روز شب کو آتا ہے ۔ یوسف علی خاں عزیز سلام اور باقر اور حسین علی بندگی کہتے ہیں ۔ کالو داروغہ کورنش عرض کرتا ہے ۔ اوروں کو یہ پایہ حاصل نہیں کہ وہ کورنش بھی بجا لائیں ۔ خط بھیجتے رہا کرو۔ والدعا ۔

صبح دو شنبہ ۶۔ صفر سال حال (۱۲۸۱ھ) اپنی مرگ کا طالب، غالب
(۱۱- جولائی ۱۸۶۴ء)

(رضوان)

(۱)

فرزند دلبند شمشاد علی بیگ خاں کو، اگر خفا نہ ہوں تو دعا، اگر

---

(۱) خدا پوشیدہ مہربانیاں کرتا ہے ۔

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا، یعنی تنگی کے ساتھ کشایش بھی ہے۔

آزردہ ہوں تو بندگی۔ غازی آباد سے جا کر طبع اقدس ناساز ہو گئی :

از آمدن کعبہ پشیماں شدہ باشی

قربان علی بیگ خاں (۱) کو دعا کہنا اور ان کا حال لکھنا۔

آج شنبہ ۴۔ نومبر کی ہے۔ پرسوں نواب صاحب دورے کو گئے ۔ فرما گئے ہیں کہ دو ہفتے میں آؤں گا ۔ آکر چار روز یہاں رہیں گے۔ پھر نمایش گاہ بریلی کی سیر کو جائیں گے۔ وہاں سے پھر کر جب آئیں گے تو صاحب کمشنر بریلی کا انتظار فرمائیں گے۔ وہ پنجم دسمبر تک آ جائیں گے۔ تین دن تک جشن رہے گا۔ اس کے دو چار روز بعد غالب رخصت ہوگا۔ خدا کرے تم تک زندہ پہنچ جائے۔

پیر جی بہت یاد آتے ہیں ۔ ان کو دعا کہنا اور یہ کاغذ پہلے تم پڑھنا، پھر سالک کو پڑھانا ۔ پھر میاں خواجہ امان اور حکیم (غلام) رضا خاں کو دکھانا ۔ پھر مرزا تفضل حسین خاں کے پاس لے جانا ۔ اس قصیدے کے ساتھ کی نثر نواب ضیاءالدین خاں یا مرزا ثاقب سے مانگ لینا اور اس کی نقل کر لینا اور ''قاطع برہان،، کا حال لکھنا ۔ میں نے تیس روپے کی ہنڈوی ، سو روپے کی باقی، حکیم جی کو بھیج دی ہے ۔ حضرت نے رسید بھی نہیں لکھی۔ ان سے رسید لکھوا بھیجو اور سب جلدوں کے شیرازے بندھ جائیں اور موٹا کاغذ دونوں طرف لگ جائے۔ خبردار کوئی نسخہ بے جلد نہ رہے۔ تین سو مجلد کے تیار ہونے کی خبر اور بقیہ حساب میرے پاس بھیج دینا، یا روپیہ فوراً بھیج دوں گا یا آ کر دوں گا ۔

گورنر کا حال لکھو، کون کون حاضر ہوا ؟ کس کس کی ملاقات ہوئی؟ فرخ سیر کے دادا صاحب (۲) آئے یا نہیں ؟ اگر آئے ہیں تو رویداد مفصل لکھو۔ ہاں ، بھائی صاحب، ٹونک والے سید سراج احمد کا بھی حال ضرور

---

(۱) سالک۔

(۲) امین الدین احمد خاں ۔

لکھنا۔ علی نقی خاں وزیر شاہ اودھ کی حقیقت بھی ضرور لکھنا اور مجھ کو ان مقاصد کے جواب کا منتظر سمجھنا۔ آج دو شنبہ، ۴۔ نومبر کی ہے۔ آٹھ دن میں خط کی آمد و شد یقینی ہے۔ نو دن راہ دیکھوں گا، دسویں دن اگر تمہارا خط نہ آیا تو میں رافضی بن جاؤں گا(۱) مطالب کے جواب کا طالب

۴۔ نومبر ۱۸۶۵ء غالب

(۲)

مرزا، رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہے تحریر کا تارک نہیں ہوں بلکہ متروک ہوں(۲)۔ اب مجھے ویسا نہ سمجھو، جیسا چھوڑ گئے ہو۔ رام پور کے سفر میں تاب و طاقت، حسن فکر، لطف طبیعت، یہ سب اسباب لٹ گیا۔ اگر تمہارے خط کا جواب نہ لکھوں تو محل ترحم ہے، نہ مقام شکایت۔ سنو، میرے خط نہ پہنچنے سے تم کو تشویش کیوں ہو؟ جب تک زندہ ہوں، غمزدہ و افسردہ، ناتواں و نیم جان ہوں۔ جب مر جاؤں گا تو میرے مرنے کی خبر سن لو گے۔ بس جب تک میرے مرنے کی خبر نہ سنو، جانو کہ غالب جیتا ہے۔ خستہ و نژند، رنجور و دردمند۔ یہ سطریں لکھ کر اس وقت تمہارے بھائی(۳) کے پاس بھیجتا ہوں، مگر ان کو ہمیشہ سفر در وطن ہے۔ بفرض محال اگر گھر میں ہیں تو عنایت(۴) ان کو، ورنہ محمد مرزا کو دے آئے گا۔ ربیع الثانی جمعہ کا دن صبح کا وقت ہے۔

ربیع الثانی (۱۲۸۳ھ)

(اگست ۱۸۶۶ء)

---

(۱) یعنی تم سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا۔

(۲) تحریر نے مجھے چھوڑ دیا۔ مطلب یہ کہ لکھنے کا دماغ ہی نہ رہا۔

(۳) سالک۔

(۴) میرزا غالب کا ملازم۔

مجروح، سرفراز حسین اور میرن

میر مہدی حسین مجروح، میر حسین فگار دہلوی کے فرزند اور میرزا غالب کے نہایت عزیز شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے اس خاندان میں شاعری پشتوں سے چلی آ رہی تھی۔ ''سخن شعرا،، میں ہے کہ فگار میر فقیراللہ فقیر کے پوتے تھے (ص ۳۷۳) اور میر فقیراللہ فقیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ بہ عہد شاہ عالم ثانی شعرائے پائے تخت میں شمار ہوتے تھے۔ کبت اور دوھرے سے بھی واقف تھے۔ کبھی کبھی اردو میں شعر کہتے تھے۔ (سخن شعرا ص ۳۷۰) -

مجروح حسب روایت ''تلامذۂ غالب،، ۱۸۳۳ء کے قریب پیدا ہوئے (ص ۲۵۲) - ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں اہل دہلی شہر سے نکلے تو مجروح اپنے بھائی سرفراز حسین اور میرن کے ساتھ پانی پت چلے گئے۔ جہاں انصاریوں کے محلے میں، جو خواجہ حالی کا محلہ تھا۔ کئی برس تک مقیم رہے۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد دہلی آئے، مگر پہلے دور کی بساط لپیٹی جا چکی تھی۔ معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لیے الور گئے، جہاں مہاراجہ شیو دھیان سنگھ کی مہربانی سے پہلے نائب تحصیلدار، پھر تحصیلدار ہو گئے۔ مہاراجہ کی وفات (۱۸۷۴ء) پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو مجروح نے کچھ مدت جے پور میں گزاری، پھر نواب حامد علی خاں والی رام پور نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ یوں مجروح کا آخری دورۂ حیات اطمینان سے گزرا۔ آخری عمر میں بینائی بالکل زائل ہو گئی تھی۔ ۱۷- صفر ۱۳۲۱ھ-

۱۰-مئی ۱۹۰۳ء کو بروز جمعہ دھلی میں انتقال ہوا۔ درگاہ قدم شریف کے صدر دروازے سے باہر فصیل سے متصل دفن ہوئے۔ نواب سعیدالدین احمد خاں طالب کا قطعہ تاریخ لوح مزار پر کندہ ہوا۔

مجروح کے عزیز دوست اور مخلص رفیق افضل علی عرف میرن کی سعی و کوشش سے کلام فراہم ہوا اور دیوان مجروح ''مظہر معانی،، کے نام سے ۱۸۹۹ء میں چھپا۔ دیوان کے علاوہ نثری رسالے بھی یادگار چھوڑے :

۱۔ ''انوارا لاعجاز،، ، حضرت رسول اکرم صلعم کے معجزات کے بارے میں

۲۔ ''ھدیۃ الائمہ،، حضرات آئمہ کرام کے بیان میں۔

ایک تذکرۂ شعرا بھی ''طلسم راز،، کے نام سے مرتب کیا تھا، جس کا دیباچہ میرزا غالب نے فارسی میں لکھا تھا اور وہ ان کی کلیات نثر فارسی میں موجود ھے (ص ۸۸—۹۰) یہ غالباً ۱۲۶۶ھ-۱۸۵۰ء میں مکمل ہوا تھا جیسا کہ میرزا کی کہی ہوئی تاریخ سے واضح ھے۔

نساخ نے لکھا ھے کہ میں نے مجروح کو دھلی کے مشاعرے میں دیکھا ھے۔ کلام ان کا با مزہ ھوتا ھے۔ (سخن شعرا ص ۴۱۲) بہ ھر حال ان کے کلام میں صفائی، شستگی اور سلاست کے سوا اور کوئی نمایاں جوھر نہیں۔ خواجہ حالی کی طرح مجروح نے بھی میرزا غالب کا پر درد مرثیہ ترجیع بند کی شکل میں لکھا تھا اور مجروح ھی کی کہی ہوئی تاریخ وفات میرزا کے لوح مزار پر کندہ کر دی گئی تھی، جس کا مصرع تاریخ تھا :

ھاتف نے کہا : '' گنج معانی ھے تہ خاک،،

سرفراز حسین، جسے میرزا غالب مجتہدالعصر کہہ کر خطاب کرتے تھے، مجروح کا بھائی تھا۔

میرن کا نام میر افضل علی تھا۔ ان کے متعلق بیشتر معلومات مولانا عبدالحق مرحوم کے ایک مفصل مضمون سے ماہیں۔ مولانا

لکھتے ہیں کہ میرن بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ایک شہزادے نے بیٹوں کی طرح پالا۔ گانے بجانے سے میرن کی طبیعت کو مناسبت تھی۔ اسی میں لگ گئے۔ وقت کے اچھے اچھے استادوں سے فیض حاصل کیا۔ چونکہ مذہب سے لگاؤ تھا، اس لیے سوز خوانی میں بھی کمال بہم پہنچایا۔ ۱۸۵۷ء میں پانی پت چلے گئے تھے۔ پھر الور پہنچ گئے۔ مہاراجا نے قدر فرمائی۔ مہاراجہ سے اختیارات چھن گئے تو الور سے نکلنا پڑا۔ کچھ عرصہ نواب پٹودی کی مصاحبت میں رہے۔ پھر دہلی آ گئے۔ نواب سعیدالدین احمد خاں طالب جب تک زندہ رہے، میرن سے سلوک فرماتے رہے تھے۔

میرن حیدرآباد بھی گئے۔ نواب محسن‌الملک کے چچیرے بھائی سید علی حسن نے میرن کو نواب وقارالامرا بہادر والی پائیگاہ وقارالامرائی سے ملا دیا تھا۔ نواب مرحوم جب تک زندہ رہے ہر سال پانسو روپے میرن کو پہنچا دیتے تھے۔

مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرن صاحب نے مرزا غالب کی یہ غزل گا کر سنائی تھی:

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

میرن کے ایک استاد ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بے پتا ہو گئے تھے۔ اور ان کی دو بیٹیاں بے یار و مددگار رہ گئیں، میرن نے ان کی پرورش ایسی محبت و شفقت سے کی کہ وہ باپ کو بھول گئیں۔ ان کی اپنی بھی ایک بیٹی تھی، جس کی شادی عبدالرؤف بیرسٹر سے ہوئی تھی۔

حلیہ یہ تھا: میانہ قد، سرخ و سفید رنگ، سفید داڑھی، پوری تو نہیں، مگر کسی قدر چڑھی ہوئی، گول چہرہ، ہونٹ نہ موٹے، نہ پتلے، پیشانی چوڑی، جوانی میں ضرور حسین ہوں گے۔

مولانا عبدالحق فرماتے ہیں کہ کسی مرید کو شاید ہی اپنے مرشد سے ویسی عقیدت ہوگی، جیسی میرن کو میرزا غالب سے تھی۔ ایک مرتبہ حیدرآباد میں ایک وکیل کسی سے ذکر کر رہے تھے کہ میرزا شراب پیتے تھے۔ میرن صاحب پاس کے ایک کمرے میں کپڑے بدل رہے تھے۔ ان کے کان میں بھی بھنک جا پڑی، ویسے ہی باہر نکل آئے، وکیل صاحب پر بہت بگڑے۔

ذرا ٹھنڈے ہوئے تو میں نے پوچھا : کیا میرزا کی عرق نوشی کا واقعہ غلط ہے؟ بولے : یہ لوگ کیا جانیں، یونہی جو جی میں آیا بک دیتے ہیں۔ پھر فرمایا :

پاک و صاف آبخورے میں تھوڑی سی ڈالی جاتی ۔ اس میں گلاب ملایا جاتا۔ اس پر صافی لپیٹ کر ادھر ہوا میں لٹکا دیا جاتا، رات کے وقت جب کوئی نہ ہوتا، صرف میں اور مجروح ہوتے تو پیتے۔ اس کے بعد توبہ و استغفار کرتے۔

غرض مے نوشی کا واقعہ ایسے انداز میں بیان کیا، گویا میرزا آب کوثر پیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے میرزا کا کوئی شعر پڑھا۔ اس میں کوئی لفظ بدل گیا تھا۔ سن کر میرن صاحب فرمانے لگے : میرزا صاحب کا شعر غلط نہ پڑھنا چاہیے۔ گناہ ہوتا ہے۔

خطوں میں نصیرالدین اور اشرف علی کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے۔ نصیرالدین کو میرزا صاحب "شیخ نصیرالدین چراغ دھلی" کہتے تھے۔ مولانا فخر عالم کے خلیفہ شاہ محمد عالم کی اولاد میں سے تھے۔ میر اشرف علی بہت اچھے طبیب تھے۔

میاں،

آج یک شنبہ کا دن ، ساتویں فروری (۱) کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی (۲) کی ہے۔ دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی، رہنے والے استاد حامد کے کوچہ کے ، میرے پاس آئے اور انہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا، ۱۵- جمادی الثانی (۳) کا دیا۔ ڈاک کا خط ہر گز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا، وہیں ہوں۔ خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا ؟ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا خط آوے اور میں پھیر دوں؟ تم خود کہتے ہو کہ اس پر یہ لکھا ہوا آیا کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے۔ میں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں؟ آگرے اور الور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں۔

تمہاری والدہ کا مرنا سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ خدا تم کو صبر دے اور اس عفیفہ کو بخشے۔ میرا حقیقی بھائی مرزا یوسف خاں دیوانہ بھی مر گیا۔ کیسا پنسن اور کہاں اوس کا ملنا! یہاں جان کے لالے پڑے ہیں:

ہے موج زن اک قلزم خوں، کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے؟

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائے گی۔ تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے نہ آنا۔ میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو کہ یہاں ہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے۔ میں مخفی نہیں ہوں۔ روپوش نہیں ہوں۔ حکام جانتے ہیں کہ یہاں ہے، مگر نہ باز پرس و گیرو دار میں آیا ہوں، نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کا کیا ہے۔ بااین ہمہ ایمن بھی نہیں ہوں۔ دیکھیے انجام کار کیا ہے؟

---

(۱) ۱۸۵۸ء- (۲) ۱۲۷۴ھ- (۳) ۳۱ جنوری ۱۸۵۸ء-

نثر کیا لکھوں گا اور نظم کیا کہوں گا ۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو، وہی دو چار ورق اور بھی سیاہ کیے گئے ہیں(۱) ۔ بھیجنا ممکن نہیں ۔ جب آؤگے اور مجھ کو جیتا پاؤگے تو دیکھ لوگے ۔ میکش چین مبں ہے۔ باتیں بناتا پھرتا ہے (۲) ۔ سلطان جی (۳) میں تھا، اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا ۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا ۔ کہتا تھا کہ بی بی اور لڑکے کو بہرام پور، میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے ۔ خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے۔ میرن صاحب (۴) کی خبر و عافیت معلوم ہوئی ۔ مگر نہ معلوم ہوا کہ وہاں مع قبائل ہیں یا تنہا ہیں۔ اگر تنہا ہیں تو قبائل کہاں ہیں ؟ ۔

تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں ہیں اور اچھی طرح ہیں۔ بڑے بھائی کا حال کیوں نہ لکھا؟ یقین ہے کہ وہ اور تم یک جا ہو۔ گو ان کو ربط مجھ سے زیادہ نہیں لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہو۔

خط بھیجنے میں تردد نہ کرو اور ڈاک میں بے تامل بھیجا کرو۔ زیادہ ، زیادہ(۵) ۔

یکشنبہ ہفتم فروری ۱۸۵۸ء ۔ وقت رسیدن نامہ غالب

(۲۲- جمادی الاخری ۱۲۷۴ھ)

---

(۱) بظاہر یہ ''دستنبو،، کی طرف اشارہ ہے۔ جو مجروح کے عزم پانی پت سے پیشتر شروع ہو چکی تھی۔

(۲) میر احمد حسین میکش بن میر کرار حسین غالب کے عزیز شاگرد ۔ زیادہ تر فارسی کہتے تھے۔ (ان کے حالات کے لیے دیکھئے تمہید خطوط میکش) ۔

(۳) یعنی خواجہ نظام الدین رح کی بستی میں ۔ (۴) میر افضل علی میرن۔

(۵) مجروح کے نام اردو کا یہ پہلا خط ہے۔ چونکہ وہ دھلی میں رہتے تھے اور روزانہ میرزا سے ملتے تھے، اس لیے خط لکھنے کی ضرورت ھی پیش نہ آئی۔ دھلی سے نکلے تو خط و کتابت شروع ہو گئی۔

صاحب،

دو خط تمہارے بہ سبیل ڈاک آئے ۔ کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی، سانولے سلونے، داڑھی منڈے، بڑی آنکھوں والے، تشریف لائے۔ تمہارا خط دیا ۔ صرف اُن کی ملاقات کی تقریب میں تھا ۔ بارے ان سے اسم شریف پوچھا گیا، فرمایا : ''اشرف علی،،۔ قومیت کا استفسار ہوا، معلوم ہوا ، سید ہیں۔ پیشہ پوچھا۔ حکیم نکلے یعنی حکیم میر اشرف علی ۔ میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ خوب آدمی ہیں اور کام کے آدمی ہیں۔

کتنے اوچھے ہو۔ ''مصطلحات الشعراؑ،، ، ''مصطلحات الشعراؑ،، بھائی وہ کتاب تمہاری ہے ۔ میں نے غصب نہیں کی۔ میرے پاس مستعار ہے ۔ دیکھ چکوں گا، بھیج دوں گا۔ تقاضا کیوں کرو؟ میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جلدی نہ کرو۔ دیر آید درست آید ۔ سرفراز حسین اور میرن صاحب اورمیر نصیر الدین کو دعائیں۔

صبح چہار شنبہ ہفتم رمضان ۱۲۷۴ھ غالب

بیستم اپریل ۱۸۵۸ء (۱)

---

(۱) اس مکتوب کی تاریخ میں دو غلطیاں تھیں، جو تھوڑی تشریح کی متقاضی ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں ہے ''ہفتم،، رمضان ۱۲۷۴ھ ۔ ہشتم مارچ (۱۸۵۸ء) ۔ رمضان کو دن یقیناً بدھ یعنی چہار شنبہ تھا ۔ میرا خیال ہے کہ میرزا نے اس کے ساتھ انگریزی مہینے کی تاریخ ''بیستم،، لکھی ہوگی جو نقل و کتابت کی گردش میں ''ہشتم،، بن گئی۔ مہینا اپریل کی جگہ مارچ کا یا تو خود میرزا سہواً لکھ گئے یا اسے بھی ناقلوں اور کاتبوں ہی کے کمالات کا کرشمہ سمجھنا چاہیے ۔ میں نے دونوں غلطیوں کی تصحیح کر دی ہے ۔

کیوں یار، کیا کہتے ہو؟ ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں؟ تمہارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا :

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

کلو(۱) کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ آپ نہیں جائیے گا ، میں آتا ہوں ۔ بھلا بھائی ، اچھی حکمت کی ۔ کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے کہ میں ان کو بلاتا ۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف نہ کریں ، میں حاضر ہوتا ہوں۔ دو گھڑی کے بعد وہ آئے ۔ ادھر کی بات ، اودھر کی بات ۔ کوئی انگریزی کاغذ دکھایا ، کوئی فارسی خط پڑھوایا۔ ''اجی۔ کیوں حضرت! آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے،، ؟صاحب میں تو اون کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا اون کو پتا لکھا ہے کہ وہاں ٹھہر کر مجھ کو اطلاع کرو، میں شہر میں بلا لوں گا،، ۔ ''صاحب، اب ضرور آئیں گے،،۔ آخر کار اون سے اجازت لے کر اب تم کو لکھتا ہوں کہ اون سے مختصر یہ کہہ دو کہ ''بھائی یہ تو مبالغہ ہے کہ روٹی وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیئو۔ یہ کہنا ہوں کہ عید وہاں کرو، تو باسی عید یہاں کرو،،۔

یہ میرا حال سنو کہ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے ۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینا روزے کھا کھا کر کاٹا، آیندہ خدا رازق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے ۔ بس صاحب جب ایک چیز کھانے کو ہوئی، اگرچہ غم ہی ہو، تو پھر کیا غم ہے ؟

---

(۱) میرزا کا ملازم جسے وہ داروغہ کہتے تھے ۔

میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیرالدین کو دعا اور شفیع احمد صاحب کو اور میر احمد علی صاحب کو سلام کہنا۔ میرن صاحب کو نہ سلام، نہ دعا۔ یہ خط پڑھا دو اور ادھر کو روانہ کرو۔

کیا خوب بات یاد آئی ہے۔ کیوں وہ شہر سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کے بلانے کی راہ دیکھیں؟ شکرم میں، کرانچی میں، چوپہے میں، یعنی ڈاک میں آئیں۔ بلی ماروں کے محلے میں میرے مکان پر اتر پڑیں۔ مرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی مظہر علی رہتے ہیں میرے ان کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی درمیان ہے۔ ڈاک کو زنہار کوئی نہیں روکتا۔ یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اگر اس خط کے پہنچتے ہی چل دیں تو عید بھی یہیں کریں۔

(مئی ۱۸۵۸ء) غالب

(۳)

خوبی دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہم نام کے ہات جا پڑا، صاحب قصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو، جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو؟ مجھ کو دیکھو کہ میں کب سے دھلی میں رہتا ہوں۔نہ کوئی اپنا ہم نام ہونے دیا، نہ کوئی اپنا ہم عرف بننے دیا، نہ ہم تخلص بہم پہنچایا۔ فقط

پنسن کی صورت یہ ہے کہ کوتوال سے کیفیت طلب ہوئی۔ اس نے اچھی لکھی۔ کل ہفتے کا دن ساتویں اگست کی مجھ کو اجرٹن صاحب بہادر نے بلایا۔ کچھ سہل سوال مجھ سے کیے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنخواہ ملے۔ تردد اگر ہے تو اس میں ہے کہ پندرہ مہینے پچھلے بھی ملتے ہیں یا صرف آیندہ کو مقرر ہوتی ہے۔

غلام فخرالدین خان(۱) کی دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں ۔ صورت اچھی ہے۔ خدا چاہے تو رہائی ہو جائے ۔

صاحب ہم نے گھبرا کر اس تحریر فارسی کو (۲) تمام کیا، دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست ۱۸۵۸ء تک میں نے پندرہ مہینے کا حال لکھا اور آیندہ لکھنا موقوف کیا ۔ تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرۂ اخیر لکھ بھیجو۔ اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے کہ جلد لکھو تاکہ میں اوس سے آگے کی عبارت تم کو لکھ کر بھیج دوں ۔ ہاں صاحب میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں ۔ اگر آ جائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا ۔

(۸- اگست ۱۸۵۸ء) غالب

(۵)

میاں،

تم کو پنسن کی کیا جلدی ہے؟ ہر بار پنسن کو کیوں پوچھتے ہو؟ پنسن جاری ہو تو میں تم کو اطلاع نہ دوں؟ ابھی تک کچھ حکم نہیں ۔ دیکھوں، کیا حکم ہو اور کب ہو؟ میرن صاحب جے پور پہنچے، تم شاہ پور ہی بتاتے ہو۔ شاید سچ یہی ہو ۔ ہاں میر محمود علی اور یہ، بیر بر اور ابوالفضل تو تھے ، مگر دیکھا چاہیے، درخت جگہ سے اکھڑ کر بہ دشواری جمتا ہے ۔ خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں ۔ سو وہاں کیا خاک جمع ہوں گے ؟ سنی الگ، شیعہ الگ، نیک جدا، بد جدا ۔ میر سرفراز حسین کو دعا، میر نصیرالدین کو پہلے بندگی ، پھر دعا ۔ کتاب کا نام ''دستنبو،، رکھا گیا ۔ آگرے میں چھاپی جاتی ہے ۔ تم سے تمہارے ہات کے اوراق لکھے لوں گا۔ تب ایک کتاب تم کو دوں گا۔

روز ورودنامہ ۔ پنجشنبہ ۷- ستمبر ۱۸۵۸ء از غالب

---

(۱) میرزا کے برادر نسبتی کے فرزند اور بھتیجی کے شوہر۔ (۲) ''دستنبو،،۔

سید صاحب،

تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو، لیکن زمانہ وہ آیا ہے کہ ہماری قسمت میں خوشی ہے ہی نہیں۔ خط سے معلوم ہوا تو کیا ملعوم ہوا کہ ڈھائی سو (۱) دیے۔ ان دنوں میں ڈھائی روپے بھی بھاری ہیں، ڈھائی سو کیسے؟ سبحان‌اللہ، باوجود اس تہی دستی کے پھر بھی کہنا پڑتا ہے کہ روپے گئے بلا سے، آبرو بچی۔ اب میر سرفراز حسین کو چاہئیے کہ الور چنیں جائیں۔ شاید نئے بندوبست میں کوئی صورت نوکری کی نکل آئے۔ میری دعا کہو اور یہ کہو کہ اپنا حال اور اپنا قصہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو لکھیں۔

پنسن کا حال کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں۔ حاکم، خط کا جواب نہیں لکھتا۔ عملے میں ہر چند تفحص کیجئیے کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا، کوئی کچھ نہیں بتاتا به هر حال اتنا سنا ہے اور دلائل اور قرائن سے معلوم ہوا ہے کہ میں بے گناہ قرار پایا ہوں اور ڈپٹی کمشنر بہادر کی رائے میں پنسن پانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ پس اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم، نہ کسی کو خبر۔

میاں، کیا باتیں کرتے ہو؟ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا ؟ روٹی کھانے کو نہیں، شراب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں، لحاف تو شک کی فکر ہے، کتابیں کیا چھپواؤں گا ؟ منشی امید سنگھ اندور والے، دلی آئے تھے۔ سابقۂ معرفت مجھ سے نہ تھا۔ ایک دوست اون کو میرے گھر لے آیا۔ انہوں نے وہ نسخہ دیکھا۔ چھپوانے کا قصد کیا۔ آگرے میں میرا شاگرد

---

(۱) معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ بظاہر یہ رقم مجروح یا اس کے بھائی سرفراز حسین کو دینی پڑی۔

رشید منشی ہر گوپال تفتہ تھا۔ اوس کو میں نے لکھا۔ اوس نے اس اہتمام کو اپنے ذمے لیا۔ مسودہ بھیجا گیا۔ آٹھ آنے فی جلد قیمت ٹھہری۔ پچاس جلدیں منشی امید سنگھ نے لیں۔ پچیس روپے چھاپے خانے میں بطور ہنڈوی بجھوا دیے۔ صاحب مطبع نے بشمول سعی منشی ہر گوپال تفتہ چھاپنا شروع کیا۔ آگرے کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہی۔ حکام نے بکمال خوشی اجازت دی۔ پانسو جلد چھاپی جاتی ہے اوس پچاس جلد میں میں شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دیں گے۔ میں عزیزوں کو بانٹ دوں گا۔ پرسوں خط تفتہ کا آیا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ ایک فرمہ چھپنا باقی رہا ہے۔ یقین ہے کہ اسی اکتوبر میں قصہ تمام ہو جائے۔

بھائی، میں نے ۱۱- مئی ۱۸۵۷ء سے اکیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک کا حال لکھا ہے اور خاتمے میں اس کی اطلاع دے دی ہے۔ امین الدین خاں کو جاگیر ملنے کا حال اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا؟ اون کو جاگیر اگست میں ملی، بادشاہ اکتوبر میں گئے۔ کیا کرتا اگر تحریر موقوف نہ کرتا؟ منشی امید سنگھ اندور جانے والے تھے۔ اگر ختم کر کے مسودہ اون کے سامنے آگرے نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون؟(۱)

اہل خطہ (۲) کا حال از روے تفصیل مجھ کو کیونکر معلوم ہو؟ سنتا ہوں کہ دعوئِ خون پیش کیا چاہتے ہیں۔ سودا ہو گیا ہے۔ مسودہ ہو رہا ہے۔ بلنک صاحب کے جے میں پور ٹکڑے اڑ گئے۔ گورنر مدعی نہ ہوئے،

---

(۱) گویا ''دستنبو'' میں صرف ۳۱- جولائی ۱۸۵۸ء تک کی کیفیت لکھی تھی اور کتاب کو اس لیے ختم کر دینا پڑا کہ راے امید سنگھ اسے چھپوانے کے ذمہ دار بن چکے تھے اور وہ اندور جانے والے تھے۔ مسودۂ ''دستنبو'' ان کے سامنے مطبع کے حوالے ہو جانا چاہیے تھا۔ بعد کے حالات میں لوہارو کی جاگیر کی بحالی اور بادشاہ کے مقدمے کا فیصلہ نیز دہلی سے جلاوطنی کی کیفیت اس لیے شامل نہ ہو سکی کہ جاگیر کی بحالی اگست میں ہوئی اور بادشاہ اکتوبر میں گئے۔

(۲) غالباً اہل تاج گنج یعنی نبی بخش حقیر اور ان کے اقربا۔

قصاص نہ لیا۔ اب ایک ہندوستانی کے خون کا قصاص کون لے گا(۱) ؟

اے سبزۂ سرہ از جور پا چہ نالی
در کیش روزگاراں گل خوں بہا نہ دارد

خیر جو ہونا ہے ، ہو رہے گا۔ بعد وقوع ہم بھی سن لیں گے۔ تم اتنا کیوں دل جلا رہے ہو؟

(۷)

بھائی،

ایک خط تمہارا پہلے پہنچا اور ایک خط کل آیا۔ پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا، اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی، لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے، اس واسطے ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ ہے کہ آج نصیرالدین

---

(۱) پتا نہ چل سکا کہ اس سے کون سا ہنگامہ مراد ہے۔ جے پور میں ایک ہنگامہ ۱۸۳۵ء کے قریب ہوا تھا۔ مہاراجا رام سنگھ دوم کمسن تھا۔ دربار میں دو فریق بن گئے تھے اور دونوں ایک دوسرے کو شکست دینے کی فکر میں رہتے تھے۔ اسی کشمکش کے باعث ایجنٹ گورنر جنرل پر حملہ ہوا۔ ایک انگریز افسر نے ، جس کا نام ''کارنامہ راجپوتاں،، میں ''بلیک صاحب،، بتایا گیا ہے (ص ۳۲۷) ، مجرموں کو پکڑ کر جیل خانے بھجوایا اور ایجنٹ کو ریزیڈنسی پہنچایا۔ پھر خود بلیک پر یورش ہوئی اور وہ مارا گیا۔ راول نے جو ریاست کے انتظام کا ذمہ دار تھا بلیک کے قاتلوں کو پھانسی کی سزا دلائی۔ یہاں ''بلنک،، صاحب کا ذکر ہے۔ جس کی کوئی کیفیت کہیں سے نہ مل سکی ممکن ہے نقل و کتابت کی غلطی سے ''بلیک،، بلنک بن گیا ہو یا کوئی اور واقعہ ہو جس کا کوئی سراغ جے پور کی تاریخ سے نہیں مل سکا۔

دوپہر کو میرے پاس آئے تھے، اون کو دیکھ کر دل خوش ہوا۔ تم نے بھی خط میں لکھا تھا کہ میر سر فراز حسین الور گئے تھے اور میر نصیرالدین بھی کہتے تھے کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے۔ وہ اودھر گئے، میں ادھر آیا۔ ظاھرا پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ھیں۔ اون کی کتاب رہ گئی۔ اب اون تک کیوں کر پہنچے گی؟ خدا خیر کرے۔

میاں لڑکے، سنو! میر نصیرالدین اولاد میں سے ھیں شاہ محمد اعظم صاحب کے، وہ خلیفہ تھے مولوی فخرالدین (۱) صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا ۔ اس واسطے میر نصیرالدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں اور پھر تمہارے علاقے سے دعا۔ صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ھیں :

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کیوں نہ لکھی ؟ یہ بات اچھی نہیں۔ میں تو ڈر گیا کہ اگر تمہارے خط میں اون کو دعا سلام لکھوں گا تو اون سے تم کاھے کو کہوگے۔ پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیرالدین نے اون کی بندگی مجھ سے کہی ہے۔ خدا کے واسطے میری دعا اون سے کہہ دینا۔

(۸)

واہ واہ ، سید صاحب ، تم بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے، نثر میں خود نمائیاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں

---

(۱) مولانا فخرالدین فخر عالم، دھلی میں آخری دور کے مشہور چشتی بزرگ، جن کے والد اور جد امجد زیادہ تر اورنگ آباد میں رہے۔ مولانا نے ۲۷- جمادی الاخری ۱۱۹۹ھ — ۷- مئی ۱۷۸۵ء کو دھلی میں وفات پائی اور قطب صاحب کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔ شیخ غلام نصیرالدین عرف کالے میاں مولانا کے پوتے تھے۔

ہوں ۔ مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے ۔ آج جو بہ سبب ابر کے وہ سردی نہیں تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے، مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی کروں جو سخن ، پردازی کروں؟ ۔ بھائی تم اردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رود نیل بن گئے ہو۔ کیا قتیل، کیا رود نیل، یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں ۔ لو سنو، اب تمہاری دلی کی باتیں ہیں ۔

چوک (۱) میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے ، حوض کے پاس جو کنواں تھا، اس میں سنگ و خشت و خاک ڈال کر بند کر دیا ۔

---

(۱) چوک سے مراد چاندنی چوک ہے بیگم کا باغ جہاں آرا بیگم کے حکم سے بنا تھا ۔ سر سید مرحوم نے ''آثارالصنادید،، میں لکھا، ہے :
(چاندنی) چوک کی جانب شمال (یعنی سٹیشن کی جانب) مکانات دلکشا اور دلچسپ بنے ہوئے تھے اور ایک باغ تھا نو سو ستر گز لمبا ، دو سو چالیس گز چوڑا ۔ باغ میں عجیب عجیب بارہ دریاں اور مکانات تھے اور نہر جاری تھی اور ہر جاے حوض اور فوارے تھے، اگرچہ اب وہ صورت نہیں رہی .... اس پر بھی باغ موجود ہے اور نہر جاری ہے اور اگلے زمانے کی کیفیت یاد دلاتی ہے (تیسرا باب ص ۲۶)۔

۱۸۵۷ء میں انگریز دھلی پر قابض ہوئے تو باغ کا نشان موجود تھا ، مگر پہلی صورت بالکل بدل گئی تھی۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ، شہر دھلی کے لیے گردش روزگار کا ایک اور چکر ساتھ لائی اور وہ کیفیت بھی یکسر بدل گئی جو انگریزوں کے قبضے کے بعد ۱۹۴۷ء تک نظر آتی تھی۔ اب دھلی شہر باھر کے لوگوں کے لیے متعارف نہیں رہا، کہیں کہیں کچھ پرانے نام سننے میں آتے ھیں مگر ان کا منظر اور ماحول سراسر غیر متعارف شکل اختیار کر گیا ہے۔

بلی ماروں کے دروازے کے پاس کئی دکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا (۱)۔ شہر کی آبادی کا حکم، خاص و عام، کچھ نہیں، پنسن داروں سے حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل،(۲) مرزا قیصر، (۳) مرزا جواں بخت کے سالے مرزا ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ، ان سب کی الہ‌آباد سے رہائی ہو گئی(۴) ھے۔ بادشاہ، میرزا جواں بخت، میرزا عباس شاہ،(۵) زینت محل کلکتہ پہنچے اور وھاں سے جہاز پر چڑھائی ہوگی۔ دیکھیے کیپ (۶) میں رہیں یا لندن جائیں۔

---

(۱) بلی ماراں کے مدخل کی چوڑائی اسی کا نتیجہ ھے۔

(۲) بہادر شاہ کی ایک بیگم۔

(۳) میرزا قیصر شکوہ: غلام قنبر نام، شاہ عالم ثانی کے چھوٹے بھائی میرزا سلیمان شکوہ کے فرزند تھے۔ انہیں بہادر شاہ ثانی سے بڑی عقیدت تھی۔ منت سماجت کر کے اپنے آپ کو ''پرستار شاہ،، لکھوایا تا کہ جلاوطنی میں ساتھ رھنے کی اجازت مل جائے۔ چنانچہ وہ برابر ساتھ رہے۔

(۴) مطلب یہ کہ انہیں اجازت مل گئی۔ چاھیں، ہندوستان میں رھیں، چاھیں، بادشاہ کے ساتھ جائیں۔

(۵) بہادر شاہ کے ایک فرزند، جو جواں بخت سے بھی چھوٹے تھے۔ یہاں، یہ بھی عرض کر دینا چاھیے کہ منشی مہیش پرشاد کے مجموعے میں کمپوزیٹر نے غلطی سے ''عباس،، کے بعد کاما لگا کر لفظ شاہ کو زینت محل سے ملا دیا۔ حالانکہ عباس شاہ شہزادے کا نام تھا اور زینت محل کے ساتھ شاہ کا پیوند لگ ھی نہیں سکتا۔

(۶) کیپ سے بہ ظاھر مراد (کیپ آوگڈ ھوپ) یعنی ''راس اُمید،، ھے جو بر اعظم افریقہ کے انتہائی جنوبی گوشے میں واقع ھے۔ اس زمانے میں ولایت جانے والے جہاز عموماً راس امید کا چکر لگا کر اوقیانوس میں داخل ھوتے تھے اس فقرے سے معلوم ھوتا ھے کہ ابتدا میں افواہ گرم تھی، بادشاہ کو یا تو راس اُمید میں رکھیں گے یا ولایت لے جائیں گے، لیکن اس مظلوم کو رنگون میں رکھا گیا۔

خلق نے از روے قیاس، جیسا کہ دلی کے خبر تراشوں کا دستور ہے، یہ بات اڑادی ، سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری ۱۸۰۹ء میں لوگ عموماً شہر میں آباد کیے جائیں گے اور پنسن داروں کو جھولیاں بھر بھر کر روپے دے جائیں گے۔ خیر آج بدھ کا دن ۲۲- دسمبر کی ہے اب کے شنبہ کو "بڑا دن"، اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے، اگر جیتے ہیں تو دیکھ لیں گے کہ کیا ہوا ۔ تم اس کا جواب لکھو اور شتاب لکھو۔

میری جان سرفراز حسین تم کیا کر رہے ہو اور کس خیال میں ہو؟ اب کیا صورت ہے اور آیندہ عزیمت کیا ہے ؟ اشرف علی صاحب، آپ تو دائر سائر تھے (۱) پانی پت میں مقیم کیوں کر ہو گئے؟ کچھ لکھیے تو میں جانوں ۔ میر نصیرالدین کو صرف دعا اور اشتیاق دیدار۔

میرن صاحب کہاں ہیں؟ کوئی جائے اور بلا لائے۔ حضرت، آئے۔ سلام علیکم، مزاج مبارک، کہیے مولوی مظہرعلی نے آپ کے خط کا جواب بھیجا یا نہیں؟ اگر بھیجا تو کیا لکھا؟ میں جانتا ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور یہ سنم پیشہ میر مہدی بہت آپ کی جناب میں گستاخیاں کرتے ہیں ۔ کیا کروں؟ میں کہیں، تم کہیں۔ وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ کیوں کر تم سے بے ادبیاں کر سکتے ہیں ۔ ان شاءاللہ تعالیٰ جب اک جا ہوں گے تو انتقام لیا جائے گا۔ ہے ہے کیوں کر اک جا ہوں گے۔ دیکھیے زمانہ اور کیا دکھائے گا ۔ اللہ، اللہ، اللہ !

بدھ ۲۲- دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

---

(۱) یعنی ادھر ادھر پھرتے اور دور و سیر کرتے رہتے تھے۔

سید صاحب،

نہ تم مجرم ، نہ میں گنہ گار۔ تم مجبور، میں ناچار ۔ لو اب کہانی سنو، میری سرگزشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفٰی خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے، سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی ۔ صرف رہائی کا حکم آیا ہے ۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنسن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا ۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں ۔ بہ مجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا ۔ اون کو دیکھا ۔ چار دن وہاں رہا، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا ۔ تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں ، مگر ہفتہ کو گیا، منگل کو آیا ۔ آج بدھ دوم فروی ہے ۔ مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے (۱) ۔ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے آج صبح کو تمہارا خط آیا ۔ دوپہر کو میں جواب لکھتا ہوں :

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آ کر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے ۔ لاہوری دروازے کا تھانے دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے ۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے، اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے ۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے ۔ آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے ۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے ۔ یہاں کا جماعہ دار میرے پاس بھی آیا ۔ میں نے کہا : بھائی، تو مجھے نقشے میں نہ رکھ ، میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ ۔ عبارت یہ کہ

---

(۱) گویا ۲۲۔ جنوری کو میرٹھ گئے اور ۲۵ جنوری کو لوٹے۔

اسداللہ خاں پنسن دار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا، نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نہ نکالا گیا۔ کرنل بروں(۱) صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ پرسوں یہ عبارت جماعہ دار نے محلے کے نقشے کے ساتھ کوتوالی بھیج دی۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان وکان(۲) کیوں بناتے ہیں؟ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھا دو اور آیندہ کی ممانعت کا حکم سنا دو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے، بقدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے۔ گھر برباد ہو جائے، آپ شہر میں آباد ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے، دیکھیے شہر کے بسنے کی کون مہورت ہے؟ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کیے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں، وہ شہر میں آتے ہیں؟ الملک للہ والحکم للہ۔

نور چشم میر سر فراز حسین اور برخوردار میر نصیرالدین کو دعا اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی۔ اس میں سے جو وہ چاہیں قبول کریں۔

بدھ ۲- فروری (۱۸۵۹ء) غالب

---

(۱) اس کا نام بروں نہیں برن (Burn) تھا۔ وہ فتح دھلی کے بعد شہر کا فوجی گورنر مقرر ہوا تھا۔ ''یادگار غالب،، میں اسی کے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے، جس کی صحیح کیفیت خود میرزا نے ''انتخاب غالب،، میں تحریر کی تھی وہ تحریر اسی مجموعے میں دوسری جگہ ملاحظہ کرائیے :

(۲) یہ مکان ''وکان،، ہے (واؤ سے) جسے مکان کا تابع مہمل سمجھنا چاہیے۔ دکان نہیں (دال سے) جیسا کہ سب نے سمجھا۔ یہاں دکان کا کیا سوال تھا؟ لوگوں نے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے عارضی مکان بنا لیے تھے۔ دکانیں کہاں بنی تھیں؟ اگلا فقرہ ہے کہ حکم نکلا :

جو مکان بن چکے ہیں ڈھا دو اور آیندہ کے لیے ممانعت کا حکم سنا دو۔

کیوں تعجب کرتے ہو یوسف مرزا کے خطوط نہ آنے سے؟ وہ وہاں اچھی طرح ہے۔ حاکموں کے ہاں آنا جانا، نوکری کی تلاش۔ حسین مرزا صاحب بھی وہیں ہیں۔ وہاں کے حکام سے ملتے ہیں۔ وہاں پنسن کی درخواست کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتے میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں، جواب بھیجتا ہوں۔

بھائی، لکھنئو میں وہ امن و امان ہے کہ نہ ہندوستانی عملداری میں ایسا امن و امان ہوگا، نہ اس فتنہ و فساد سے پہلے انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امرا اور شرفا کی حکام سے ملاقاتیں، بقدر رتبہ تعظیم و توقیر، پنسن کی تقسیم علی‌العموم، آبادی کا حکم عام۔ لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں

اور ایک نقل سنو۔ وہاں کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ عملے میں ہنود بھرے ہوئے ہیں، اہل اسلام نہیں، ہنود کو اور علاقوں پر بھیج دیا اور اون کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا۔ یہ آفت تو دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔ لکھنئو کے سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے، جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے۔ فارسی عبارت یہ ہے:

"ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ"

مقدار روپیہ کی حاکم کی رائے پر ہے۔ آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل اتوار یوم‌التعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھیے یہ کاغذ کیوں کر تقسیم ہوں۔

یہ کیفیت عموماً شہر کی ہے۔ خصوصاً میرا حال سنو: بائیس مہینے کے بعد پرسوں کوتوال کا حکم آیا ہے کہ اسداللہ خاں پنسن دار کی کیفیت لکھو کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں۔ کوتوال نے موافق

ضابطے کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے۔ تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت مفلسی چڑھا ہوا روپیہ مل جائے گا اور آیندہ کو پنسن جاری ہو جائے گا۔ نہ صاحب، یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھہروں گا چھ مہینے یا برس دن کا روپیہ علی‌الحساب پانے کا۔

میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں، اوس طلب کے جواب میں یہی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کا حاصل کر کے بھیج دو تو میں آؤں۔ دیکھو اب دس پانچ دن میں سب حال کھلا جاتا ہے۔ میر سرفراز حسین کو دعا اور میری طرف سے گلے لگانا۔ اور پیار کرنا۔ میر نصیرالدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔

(فروری ۱۸۵۹ء) (۱)   غالب

(۱۱)

میری جان،

خدا تم کو ایک سو بیس برس کی عمر دے۔ بوڑھا ہونے کو آیا۔ داڑھی میں بال سفید آ گئے، مگر بات سمجھنی نہ آئی۔ پنسن کے باب میں الجھے ہو اور کیا بے جا الجھے ہو۔ یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنسن داروں کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنسن نہیں ملا۔ یہ فروری ۱۸۵۹ء

---

(۱) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہ تھی، منشی مہیش پرشاد نے فروری ۱۸۵۹ء کے دو خطوں میں سے اسے موخر اور دوسرے کومقدم رکھا۔ میرے نزدیک صحیح ترتیب یہ ہے کہ اسے مقدم اور دوسرے کو موخر رکھا جائے۔ کیونکہ اس خط میں علی‌الحساب کچھ رقم پانے کے لیے مفلسی کے ثبوت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر ہے اور دوسرے خط میں ایک سو روپے علی‌الحساب پانے کا حکم درج ہے اور یہ حکم مفلسی کا ثبوت مل جانے کے بعد ہی صادر ہو سکتا تھا۔

بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرج مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپے کے باب میں اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعے سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں؟ یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انملی ہے:

چیل بسولا لے گئی تو کاہے سے پھٹکوں راب؟

علی بخش خاں(۱) پچاس روپے مہینا پاتے تھے۔ بائیس مہینے کے گیارہ سو روپے ہوتے ہیں۔ ان کو چھ سو روپیہ مل گیا، باقی روپیہ چڑھا رہا۔ آیندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں(۲)، سو روپیہ مہینے کا پنسن دار۔ بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں۔ اس کو بارہ سو روپے ملے۔ دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپے مہینا، بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں، اس کو اٹھارہ سو روپے ملے۔ منا جماعہ دار دس روپیہ مہینے کا سکہ لمبر۔ سال بھر کے ایک سو بیس لے آیا۔ اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے۔ آیندہ کے واسطے کچھ حکم نہیں۔ مجھ کو مدد خرح نہیں ملا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو اخیر خط پر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپے مل جائیں۔ میں نے وہ سو روپے نہ لیے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپے آٹھ آنے مہینا پانے والا ہوں۔ سال بھر کے ساڑھے سات سو روپے ہوتے ہیں۔ سب پنسن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ ملا، مجھ کو سو روپے کیسے ملتے ہیں؟ مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جائے۔ ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔

---

(۱) علی بخش خاں بن الہی بخش خاں معروف، مرزا غالب کے برادر نسبتی۔
(۲) غلام حسن خاں محو بن غلام حسین خاں مسرور جو غالب کے ہم زلف تھے۔

آبادی کا یہ رنگ ہے کہ ڈھنڈورا پٹوا کر، ٹکٹ چھپوا کر اجرٹن صاحب(۱) بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلی کے حمقا، جو باہر پڑے ہوئے ہیں، منہ کھول کر رہ گئے۔ اب جب وہ معاودت کریں گے، تب شاید آبادی ہوگی یا کوئی اور نئی صورت نکل آئے۔

میر سر فراز حسین اور میرنصیرالدین اور میرن صاحب کو دعائیں پہنچیں۔

فروری ۱۸۵۹ء غالب

(۱۲)

میری جان،

سنو داستان: صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب سانڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا۔ پنجشنبہ ۳۔۲۔ فروری کو میں گیا۔ صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے۔ میں الٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۰۔ فروری کو گیا۔ ملاقات ہوئی۔ کرسی دی۔ بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے میکلوڈ صاحب، حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا۔ تمہارے باب میں لکھتے ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو۔ سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو؟ حقیقت کہی گئی۔ ایک کاغذ آمدہ ولایت لے گیا تھا، وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے؟ اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا: ایک میکلوڈ صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک ہم کو دو۔ میں نے عرض کیا: ''کل حاضر کروں گا،،۔ پھر پنسن کا حال پوچھا، وہ گزارش کیا۔ اپنے گھر آیا اور خوش آیا۔

دیکھو، میر مہدی، حاکم پنجاب کو مقدمۂ ولایت کی کیا خبر؟ کتابوں سے کیا اطلاع؟ پنسن کی پرسش سے کیا مدعا؟ یہ استفسار بحکم

---

(۱) مجسٹریٹ دہلی۔

نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے۔ یہ صورت مقدمہ' فتح و فیروزی ہے۔ غرضکہ دوسرے دن یک شنبہ یوم تعطیل تھا۔ میں اپنے گھر رہا۔ دوشنبہ ۲۸- فروری کو گیا۔ باہر کے کمرے میں بیٹھ کر اطلاع کروائی۔ کہا: اچھا توقف کرو۔ بعد تھوڑی دیر کے گڑھ کپتان کی چٹھی آئی۔ سواری مانگی۔ جب سواری آ گئی، باہر نکلے۔ میں نے کہا: وہ کتابیں حاضر ہیں۔ کہا: منشی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ اودھر سوار ہو گئے۔ میں ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا۔ سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا۔ بہت التفات اور اختلاط سے باتیں کرتے رہے۔ کچھ سرٹیفکیٹ گورنروں کے ساتھ لے گیا تھا، وہ دکھائے۔ ایک خط میکلوڈ صاحب بہادر کے نام کا لے گیا تھا۔ وہ دے کر یہ استدعا کی کہ کتاب کے ساتھ یہ بھی بھیجا جائے۔ ''بہت اچھا،، کہہ کر رکھ لیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنسن کے باب میں اجرٹن صاحب بہادر کو کچھ لکھا ہے۔ تم ان سے ملو۔ عرض کیا بہتر۔ اجرٹن صاحب بہادر جیسا کہ تم کو معلوم تھا، گئے ہوئے تھے۔ کل وہ آئے۔ آج میں نے اون کو خط لکھا ہے۔ جیسا وہ حکم دیں گے، اس کے موافق کروں گا۔ جب بلائیں، تب جاؤں گا۔

دیکھو سید، اسداللہ‌الغالب علیہ‌السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا۔ بائیس مہینے تک بھوکا پیاسا بھی نہ رہنے دیا۔ پھر کس محکمے سے کہ وہ آج سلطنت کا دھندہ ہے، میرے تفقد کا حکم بھجوایا۔ حکام سے مجھ کو عزت دلوائی۔ میرے صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اوسی کا بخشا ہوا تھا، میں کیا اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا؟

میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھوا دینا اور اون کو اور نصیرالدین چراغ دہلوی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا۔

میر مہدی!

جیتے رہو! آفرین، صد هزار آفرین۔ اردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ھے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو، دلی کے تمام مال و متاع و زر و گوھر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ھے۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی، سو ایک ظالم پانی پتی، انصاریوں کے محلے کا رھنے والا لوٹ لے گیا(۱)۔ مگر میں نے اس کو بحل کیا۔ اللہ برکت دے۔

میرے پنسن اور ولایت کے انعام کا حال کیا ھو حقہ سمجھ لو۔ وللرحمٰن الطاف خفیہ۔ ایک خاص طرز(۲) پر تحریک ھوئی۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دھلی سے فلاں شخص کے پنسن کے چڑھے ھوئے روپے یک مشت پانے کی اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کی رپورٹ منگوا کر، اپنی منظوری لکھ کر، ھمارے پاس بھیج دو تا کہ ھم منظوری دے کر تمہارے پاس بھیج دیں۔ سو یہاں اوس کی تعمیل بطرز مناسب ھوگی۔ کم و بیش دو مہینے میں سب روپیہ مل جائے گا اور وھاں، صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو روپے کی ضرورت ھو تو سو روپے خزانے سے منگوا لو۔ میں نے کہا: صاحب، یہ کیسی بات ھے کہ اوروں کو برس دن کا روپیہ ملا اور مجھے سو روپے دلواتے ھو؟ فرمایا

---

(۱) اس سے مراد خود مجروح ھیں، جیسا کہ خواجہ حالی نے ''یادگار غالب،، (ص ۲۵۲ مطبوعہ مجلس ترقی ادب) میں تصریح فرما دی ھے، کیونکہ لوگ خواجہ مرحوم ھی کو اس فقرے کا مصداق سمجھتے تھے حالانکہ مجروح بھی کئی سال محلہ انصاریاں پانی پت میں مقیم رہے تھے۔

(۲) تحریک کرنے والے ایک نواب یوسف علی خاں مرحوم والی رام پور تھے اور دوسرے سر سید احمد خاں مرحوم۔

کہ اب چند روز میں سب روپیہ اور اجرا کا حکم مل جائے گا۔ اوروں کو یہ بات برسوں میں میسر آئے گی۔ میں چپ ہو رہا۔ آج دو شنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے دوپہر ہو جائے تو اپنا آدمی مع رسید بھیج کر سو روپے منگا لوں، پر، یار، ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے۔ حکم تو اسی حکم کے ساتھ اوس کی رپورٹ کرنے کا بھی آیا ہے، مگر یہ بھی حکم ہے کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھیے یہ دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں۔ پنجاب کے گورنر بہادر کا یہ بھی حکم ہے کہ ''دستنبو،، منگا کر اور تم دیکھ کر ہم کو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اوس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے کتاب یہی کہہ کر مجھ سے مانگی اور میں نے دی۔ اب دیکھو حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے۔

اس وقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا۔ مجھے باتیں کرنے کا مزا ملا تو دونوں کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا۔ اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں۔ میر سرفراز حسین، میرن صاحب، میر نصیرالدین کو دعا۔

۷۔ مارچ (۱۸۵۹ء) از غالب

یکم شعبان (۱۲۷۵ھ)

(۱۴)

سید،

خدا کی پناہ! عبارت لکھنے کا ڈھنگ ہات کیا آیا ہے کہ تم نے سارے جہاں کو سر پر اٹھایا ہے۔ ایک غریب سید مظلوم(۱) کے چہرۂ نورانی پر مہاسا نکلا ہے، تم کو سرمایۂ آرایش گفتار بہم پہنچا ہے۔ میری اون کو دعا پہنچاؤ اور اون کی خیر و عافیت جلد لکھو۔

---

(۱) مراد ہے میرن۔

بھائی، یہاں کا نقشا ہی کچھ اور ہے۔ سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں روک ٹوک کی شدت ہوتی تھی۔ آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس مہینے میں برابر وہی صورت رہی ہے۔ آج ۲۷ مارچ کی ہے۔ پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں۔ آنچ ویسی ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے۔

مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے۔ تم کو یاد ہوگا کہ ایک "دستنبو" نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نذر بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام اله آباد سے به سبیل ڈاک آیا۔ وہی کاغذ افشانی، وہی القاب قدیم، کتاب کی تعریف، عبارت کی تحسین، مہربانی کے کلمات۔ کبھی تم کو خدا یہاں لائے گا تو اس کی زیارت کرنا۔ پنسن کے ملنے کا بھی حکم آج کل آیا چاہتا ہے اور یہ بھی توقع پڑی ہے کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آ جائے۔ میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیرالدین کو دعا کہہ دینا اور خط دکھا دینا۔

۲۷ مارچ (۱۸۵۹ء)

(۱۵)

مار ڈالا یار، تیری جواب طلبی نے۔ اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ ملک و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر ہنس بول لیتے تھے:

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد رہے۔ یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔

''کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے(۱)''۔ سو۔صاحب، اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں؟ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو، اور تو کچھ بن نہیں آتی، مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی، یہ تحریر تلافی اس تقریر کی نہیں کر سکتی۔ بہ ہر حال کچھ لکھتا ہوں۔ دیکھو، کیا لکھتا ہوں۔

سنو، پنسن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال معلوم نہیں۔ دیر آید، درست آید۔

بھئی، میں تم سے آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت، نہ مجھ کو تہنیت۔ بلکہ اس طرح سے لکھا گیا ہے گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے، جیسے آگے تھے۔ اچھلتے کودتے پھرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی کہ ہے ہے، کیا غضب ہوا، یہ کیوں اچھے ہو گئے۔ یہ باتیں تمھاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع سنا ہوگا، بہ تغیر الفاظ لکھتا ہوں:

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں؟ دلی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یہ ہے:

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں؟ اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

''میر'' کی جگہ ''میرن'' اور ''رہا'' کی جگہ ''بچا'' کیا اچھا تصرف ہے!

ارے میاں، تم نے کچھ اور بھی سنا؟ کل یوسف مرزا کا خط لکھنؤ سے آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان، والد اون کا دائم‌الحبس

---

(۱) میں نے اس فقرے پر واوین بدیں وجہ لگائیں کہ سیاق عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے، یہ فقرہ میر مہدی مجروح نے اپنے خط میں لکھا تھا۔ میرزا اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اب تم ہی بتاؤ، میں تم کو کیا لکھوں؟''

ہو گیا۔ حیران ہوں کہ یہ کیسی آفت آئی۔ یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھے گا۔ خدا کرے اوس نے جھوٹ سنا ہو۔

لو بھئی، اب تم چاہو، بیٹھے رہو، چاہے جاؤ اپنے گھر، میں تو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہاں تک کہ بڑا لڑکا باقر علی خاں بھی۔ صرف ایک میں اور ایک میرا بیٹا حسین علی خاں، یہ ہم روزہ خوار ہیں۔ وہی حسین علی خاں، جس کا روز مرہ ہے ''کھلونے منگا دو میں بھی بجار(۱) جاؤں گا''۔ میر سر فراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط ان کو ضرور سنا دینا۔ برخوردار میر نصیرالدین کو دعا پہنچے۔

(اپریل ۱۸۵۹ء) غالب

(۱۶)

برخوردار کامگار میر مہدی،

قطعہ تم نے دیکھا؟ سچ مچ میرا حلیہ ہے۔ واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے۔ جس وقت میں نے یہ قطعہ وہاں کے بھیجنے کے واسطے لکھا، ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں۔ لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے، ہمیں بھوک لگی ہے۔ تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے۔ میں نے کہا کہ اب کیوں لکھوں۔ اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر، ٹکٹ لگا کر سرنامہ لکھ، کلیان کے حوالے کر، میں گھر چلا گیا اور ہاں! ایک چھیڑ بھی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کر کیا باتیں بناتا ہے۔ سو وہی ہوا۔ تم نے جلے پھپھولے پھوڑے۔ لو، اب بتاؤ خط لکھنے بیٹھا ہوں، کیا لکھوں؟ یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے سن لیا ہوگا۔ مگر وہ جو تم نے سنا ہوگا، بے اصل باتیں ہیں۔ پنسن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر، یہاں کے حاکم نے ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑی، میرا اوس میں کیا ضرر۔

---

(۱) بازار۔

یہاں تک لکھ چکا کہ دو آدمی آ گئے۔ دن بھی تھوڑا رہ گیا۔ میں نے بکس بند کیا، باہر تختوں پر آبیٹھا۔ شام ہوئی۔ چراغ روشن ہوا۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیرالدین آیا۔ ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ، اس کے سر پر ٹوکرا، اس پر گھاس ہری بچھی ہوئی۔ میں نے کہا اہاہاہا! سلطان‌العلما مولانا سرفراز حسین دھلوی نے دوبارہ رسد بھیجی ہے۔ بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے۔ یہ کچھ اور ہے۔ فیض خاص نہیں، لطف عام ہے۔ شراب نہیں، آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے، بلکہ نعم‌البدل ہے(۱)۔ ایک ایک آم کو ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا، بادۂ انگوری سے بھرا ہوا۔ مگر واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ پینسٹھ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے۔ میاں کہتا تھا کہ یہ اسی(۸۰) تھے، بندرہ بگڑ گئے، بلکہ سڑ گئے۔ تا ان کی برائی اوروں میں سرایت نہ کرے، ٹوکرے میں سے پھینک دیے۔ میں نے کہا، بھائی، یہ کیا کم ہے؟ اگرچہ میں تمہاری تکلیف اور تکلف سے خوش نہیں ہوا۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں ہے جو تم نے آم خریدے؟ خانہ آباد، دولت زیادہ۔

لیکور ایک انگریزی شراب ہوتی ہے، قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی، جیسا قند کا قوام پتلا۔ دیکھو، اس لغت کے معنی کسی فرہنگ میں نہ پاؤگے۔ ہاں فرہنگ سروری میں ہو تو ہو۔

”مجتہدالعصر،، اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ ان کے علم کی کنجی ہیں اور ٹکے ٹکے کی کتابیں چالیس پچاس روپے کو لے گئے ہیں، میری دعا کہہ دینا۔

(۱۸۵۹ء) غالب

(۱) مطلب یہ کہ پہلے شراب بھیجی تھی، اب آم آئے، جنہیں نعم‌البدل کہا۔

بھائی،

تم تو لڑکوں کی سی باتیں کرتے ہو ۔ جو ماجرا سنا تھا، وہ البتہ موجب تشویش تھا۔ تمہاری تحریر سے وہ تشویش رفع ہو گئی ۔ پھر تم کیوں ہائے ، واویلا کرتے ہو؟ اوپر کا حاکم موافق ہے ۔ ماتحت کا حاکم جو مخالف تھا، سو گیا۔ پھر کیا قصہ ہے ؟

''قاطع برہان،، کے سب مسودے میں نے پھاڑ ڈالے، اس واسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی ۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی ۔ ہاں، اوس کی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں، نواب صاحب(۱) نے کر لی ہیں ۔ ایک میرے واسطے، ایک عالی جاہ ضیاءالدین خاں کے واسطے ۔ میری ملک کی جو کتاب ہے ۔ اوس کی جلد بندھ جائے تو بطریق مستعار بھیج دوں گا ۔ تم اوس کی نقل لے کر میری کتاب مجھ کو پھیر دینا اور یہ امر بعد محرم واقع ہوگا ۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اوس کو دیکھیں گے ، وہ ہرگز نہ سمجھیں گے ۔ صرف ''برہان قاطع،، کے نام پر جان دیں گے ۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی، وہ اوس کو مانے گا ۔ پہلے تو عالم ہو ۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو ۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اوس کو لگاؤ ہو ۔ اساتذۂ سلف کا کلام بھی بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو ۔ چوتھے منصف ہو، ہٹ دھرم نہ ہو ۔ پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو، معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو ۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا ۱۲

''فہمیش،، کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جا اور لالہ گنیش داس ولد لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے ۔ میری زبان سے کبھی تم نے سنا ہے؟ اب تفصیل سنو : امر کے صیغے کے آگے شین آتا ہے، تو وہ امر معنی مصدری دیتا

---

(۱) معلوم نہیں اس سے کون مراد ہے ۔

ہے اور اس کو ''حاصل بالمصدر'' کہتے ہیں۔ ''سوختن'' مصدر، ''سوزد'' مضارع، ''سوز'' امر، ''سوزش'' حاصل مصدر، اسی طرح : ''خواہش'' و ''کاهش'' و ''گزارش'' و ''گدازش'' و ''آرایش'' و ''پیرایش'' و ''فرمایش''۔ ''فہمیدن'' فارسی الاصل نہیں ہے، مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے۔ طلب لفظ عربی الاصل ہے کہ ان کو موافق قاعدہ تفریس ''فہمیدن'' و ''طلبیدن'' کر لیا ہے اور اس قاعدہ میں یہ کایہ ہے کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ ''فہم'' یعنی ''بفہم''۔ ''سمجھ'' ''طلب'' یعنی ''بطلب'' ''مانگ''۔ ''فہمد'' مضارع بنا، ''طلبد'' مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالمصدر کیوں نہ بنائیں؟ سنو حاصل بالمصدر ''فہمش'' اور ''طلبش'' ہونا چاہیے۔ ''فہم'' تھا صیغہ امر ''فہمد'' سے نکلا تھا۔ ''الف'' اور ''ے'' کہاں سے لایا؟ ''فہمای'' تو نہیں ہے، جو ''فہمایش'' درست ہو۔ کہیں ''فرمایش'' کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا۔ وہ مصدر اصلی فارسی ''فرمودن'' ہے۔ ''فرماید'' مضارع، ''فرمائے'' امر، حاصل مصدر ''فرمایش''۔ زیادہ، زیادہ۱۲

پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا ہونے کی مبارکباد۔ میاں میں نے رات عالم سر خوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر کاظم الدین کے بارہ سو پچھتر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ ''فہمایش'' ٹکسال سے باہر ہے۔

(جولائی ۱۸۵۹ء) غالب

(۱۸)

میری جان،

تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے۔ قلم دوات لے بیٹھے، اگر خط پہنچا ہے، تو جواب، ورنہ شکوہ و شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے۔

کل حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈوا ڈالا ہے ''محلقین رؤسکم،،(۱) پر عمل کیا ہے۔ میں نے کہا کہ سر منڈوایا ہے تو ڈاڑھی رکھو۔ کہنے لگے: ''دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم،،۔ واللہ ان کی صورت قابل دیکھنے کے ہے۔ کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آ گئے اور بحال و برقرار رہے۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ کبھی تو ایسا بھی ہو کہ کسی عزیز کی اچھی خبر سنی جائے۔ میرا سلام کہنا اور مبارکباد دینا۔ خبردار بھول نہ جائیو۔

تمہاری شکایت ہائے بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی۔ میں نے یہ تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئے گا تو میں جواب لکھوں گا۔ آج شنبہ ۱۰ اکتوبر، صبح کا وقت، ابھی کھانا پکا بھی نہیں۔ بیرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ کلیان بیہر ہے۔ ایاز کو خط دے کر ڈاک گھر روانہ کیا۔ بولو، تمہارا گلہ بے جا یا بجا؟ بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی؟ اور ہاں یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیرالدین کا نام تمہارے قلم سے نہیں نکلتا؟ اون کی بندگی نہ لکھتے تو خیرو عافیت تو لکھتے۔ یہ باتیں اچھی نہیں۔

میرن صاحب کے باب میں حیران ہوں۔ تنہا تمہارے ساتھ گئے ہیں۔ والدہ ان کی پانی پت میں ہیں۔ وہاں کوئی مکان لے کر والدہ کو وہیں بلائیں گے یا خود بعد چند روز کے یہاں آ جائیں گے؟ یہ دو باتیں جواب طلب ہیں۔ میر نصرالدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو۔

رہا میرا پنسن، اوس کا ذکر نہ کرو۔ اگر ملے گا تو تم کو اطلاع

---

(۱) حلق راس کا مطلب ہے سر منڈانا ''محلقین رؤسکم،، قرآن مجید کی آیت کا ٹکڑا ہے۔

دے دی جائے گی۔ شہر کی آبادی کا چرچا ہوا۔ کرائے کو مکان ملنے لگے۔ چار پانسو گھر آباد ہوئے تھے کہ پھر وہ قاعدہ مٹ گیا۔ خدا جانے کیا دستور جاری ہوا ہے۔ آیندہ کیا ہوگا؟

سلطان‌العلما ؑ مجتہدالعصر مولوی سید سرفراز حسین کو، اگرچہ نظران کے مدارج علم و عمل بر، بندگی چاہیے، مگر خبر میں عزیز داری و یگانگی کی راہ سے دعا لکھتا ہوں۔ میرن صاحب کو دعا اور بعد دعا کے بہت سا پیار۔ میر نصیرالدین کو دعا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۱۰- اکتوبر (۱۸۵۹ء)

(۱۹)

بھائی!

نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ ہے۔ اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔ غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ اور ٹکٹ منگا لوں گا(۱)۔ شنبہ ۸- نومبر صبح کا وقت ہے، جس کو عوام بڑی فجر کہتے ہیں۔ پرسوں تمہارا خط آیا تھا، آج جی چاہا کہ ابھی تم کو خط لکھوں، اس واسطے یہ چند سطریں لکھیں۔

برخوردار سر نصیرالدین بر ان کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ جائے گا، ہاں عظیم‌النساء بیگم، اچھا ہے کہ اس میں ایک رعایت ہے شاہ محمد عظیم صاحب رحمۃ‌اللہ علیہ کے نام کی۔ مجتہد العصر(۲) کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ ان کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر

---

(۱) دیکھیے مزاج میں کس درجہ راستبازی اور واشگاف گوئی ہے کہ کوئی بھی بات چھپانے کی عادت نہیں۔ (۲) میر سرفراز حسین۔

''مجتہدالعصر،، نہیں لکھا کرتے ؟ یہ بے ادبی اچھی نہیں ۔ میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا ۔

شہر کا حال کیا جانوں کیا ہے؟ ''پون ٹوٹی،،(۱) کوئی چیز ہے ، وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں ، جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد بحیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا (۲) فنا ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑ تک ڈہے گا۔ دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے ۔ باقی خیرو عافیت ہے ۔ حاکم اکبر (۳) کی آمد آمد سن رہے ہیں ۔ دیکھیے دلی آئیں یا نہیں ؟ آئیں تو دربار کریں یا نہیں ؟ دربار کریں تو میں

---

(۱) اس کی اصل ٹاؤن ڈیوٹی سمجھی جاتی ہے، یعنی چنگی کا محصول ۔ سید وزیرالحسن صاحب عابدی کی رائے ہے کہ ''پون،، کا مطلب ہے ایک چوتھائی ۔ ''پون ٹوٹی،، سے مراد ہے ، مال کا ایک چوتھائی یا اس سے کم حصہ بطور چنگی ادا کرنا ۔

(۲) دارالبقا ایک درسگاہ کا نام تھا ۔ جو شاہی مسجد کی جنوبی جانب شاہ جہاں‌آباد کے ساتھ ہی قائم ہو گئی تھی۔ دور زوال میں اس کا نظم و نسق درہم برہم ہو گیا ۔ مفتی صدرالدین آزادہ مرحوم نے اصل درسگاہ کی مرمت کرائی اور اسے اپنے خرچ پر از سر نو جاری کر دیا ۔ طلبہ کے لیے لباس، کھانا ، کتابیں اور دوسری ضروری چیزیں درسگاہ سے ملتی نہیں۔ علوم دین اور ادب و حکمت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے قلعے اور مسجد کے درمیان کی پوری آبادی منہدم کرا دی ۔ مسجد کے ارد گرد کی حویلیاں ڈھا کر ہر طرف وسیع حلقہ پیدا کر لیا ۔ اس وجہ سے دارالبقا کو نقصان پہنچا ، تا ہم اس کا نشان اب تک موجود ہے ۔ شاہی مسجد کے بڑے دروازے کے سامنے (یعنی قلعے کی جانب بہت سے لوگ شام کے وقت کتابیں فروخت کی غرض سے لے آتے تھے، جن میں نوادر بھی آ جاتے تھے۔ کتابوں کے شوقین اکثر شام کو اس حصے میں پھرا کرتے تھے ۔

(۳) گورنر جنرل ۔

گنه گار بلایا جاؤں یا نہیں؟ بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں؟ پنسن کا نہ کہیں ذکر ہے، نہ کسی کو خبر ہے۔

سہ شنبہ ۸- نومبر ۱۸۵۹ء		غالب

(۲۰)

میری جان!

تو کیا کہہ رہا ہے؟ "بنیے سے سیانا سو دیوانا"۔ صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہے۔ مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو؟(۱) کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں؟ استغفراللہ، لامؤثر فی الوجود الااللہ۔ یا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں شیخ چلی کی طرح سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول لوں گا اور اس کے انڈے بچے بیچ کر بکری خرید کروں گا اور پھر کیا کروں گا اور آخر کیا ہوگا؟ بھائی یہ تو میں نے اپنا راز دل تم سے کہا تھا کہ آرزو یوں ہی تھی اور اب وہ نقش باطل ہو گیا۔ ایک حسرت کا بیان تھا، نہ خواہش کا۔

دیکھا، اس پنسن قدیم کا حال؟ میں تو اس سے ہات دھوئے بیٹھا ہوں۔ لیکن جب تک جواب نہ پاؤں، کہیں اور کیوں کر چلا جاؤں؟ حاکم اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے، دیکھیے کب آئے؟ آئے تو مجھے بھی دربار میں بلائے یا نہ بلائے؟ خلعت ملے یا نہ ملے؟ اس پیچ میں ایک اور بیچ آ پڑا ہے۔ اس کو دیکھ لوں اور پھر اسی کی انتظار نہیں، اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد پنسن کے ملنے نہ ملنے کا تردد بدستور رہے گا۔ سبک سیر کیوں کر بن جاؤں کہ یہ سب امور ملتوی چھوڑ کر نکل جاؤں؟ پنسن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رام پور کے ٹھکانا نہیں ہے۔ وہاں تو جاؤں اور ضرور جاؤں۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا، اب انجام کار میں اضطراب کی کیا وجہ؟

---

(۱) معلوم ہوتا ہے مجروح نے میرزا کو صبر و تسلیم کی تلقین کی تھی۔

چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین اور مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے، ویسا عمل میں آتا ہے۔

صاحب، میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں۔ واللہ میں کچھ نہیں سمجھا کہ یہ کس مقدمے کا ذکر ہے۔ غالب

(۲۱)

بھائی،

کیا پوچھتے ہو؟ کیا لکھوں؟ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع جامع مسجد کا، ہر ہفتے سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلا پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا(۱)

نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵- دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھیے کہاں اترتے ہیں اور کیوں کر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار (۲) تھے کہ اون کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوھارو۔ چار معدوم محض ہیں(۳)۔ جو باقی رہے اس میں سے دوجانہ و لوھارو تحت حکومت

---

(۱) یہ دھلی کے خاص ہنگامے تھے، جنہیں دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے پہنچ جاتے تھے۔

(۲) دھلی کے آس پاس سے سات چھوٹی چھوٹی ریاستیں۔ نام میرزا نے خود بتا دیے ہیں۔

(۳) جھجر، بہادر گڑھ، بلب گڑھ اور فرخ نگر۔ جھجر کے نواب عبدالرحمان خاں، بلب گڑھ کے راجہ ناھر سنگھ۔ اور فرخ نگر کے رئیس احمد علی خاں کو بے گناہ پھانسی دے دی گئی اور ان کی ریاستیں ضبطی میں آئیں۔ بہادر گڑھ کے رئیس بہادر جنگ کی ریاست ضبط ہو گئی اور اسے پنشن دے کر لاھور بھیج دیا گیا۔

ہانسی حصار، پاٹودی حاضر۔ اگر حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں(۱) کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ، ورنہ ایک رئیس۔

دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں صرف تین آدمی باقی ہیں : میرٹھ میں مصطفیٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں، بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد۔ تینوں مردود و مطرود، محروم و مغموم :

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو ، پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گو برسا کرے

تم آتے ہو ، چلے آؤ۔ نثار خاں کے چھتے کی سڑک، خان چند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ ۔ بلاقی بیگم کے کوچے کا ڈہنا، جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ، چلے جاؤ۔

''مجتہدالعصر،، میر سرفراز حسین کو دعا، ''حکیم الملک،، میر اشرف علی کو دعا، ''قطب الملک،، میر نصیرالدین کو دعا۔ ''یوسف ہند،، میر افضل علی (۲) کو دعا۔

۶۔ جمادی الاولیٰ، صبح جمعہ (۱۲۷۶ھ)
۲۔ دسمبر، سال حال (۱۸۵۹ء)

(۲۲)

بے مے نہ کند در کف من خامہ روائی
سرد است ہوا، آتش بے دود! کجائی

میر مہدی صاحب، صبح کا وقت ہے، جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں، آگ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی، مگر ہائے وہ آتش سیال(۳) کہاں کہ جب دو جرعے پی لیے، فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی، دل توانا ہو گیا، دماغ روشن ہو گیا،

(۱) دوجانہ و لوہارو۔ (۲) میرن صاحب۔ (۳) یعنی شراب۔

نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا۔ ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب! ہائے غضب! ہائے غضب!

میاں تم پنسن پنسن کیا کر رہے ہو؟ گورنر جنرل کہاں اور پنسن کہاں؟ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر، صاحب کمشنر بہادر، نواب لفٹنٹ گورنر بہادر، جب ان تینوں نے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں۔ مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں، تم کو پنسن کی فکر ہے۔ یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے:

دیکھیے کیا جواب آتا ہے

بہ ہر حال جو کچھ ہوگا، تم کو لکھا جائے گا۔

اجی وہ ''یوسف ہند،، نہ سہی، ''یوسف دہر،، سہی، ''یوسف عصر،، سہی، ''یوسف ہفت کشور،،(۱) سہی، ان کی زلیخا(۲) نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں، کہیں حضرت کہہ گئے کہ میں ساڑھے سات روپے مہینا بھیجے جاؤں گا۔ اب اس کا تقاضا ہے۔ رحیم بخش(۳) روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ پھوپھا جان کو لکھو کہ پھوپی جان بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ جلد بھیجو، ورنہ نالش کی جائے گی اور تم کو گواہ قرار دیا جائے گا۔ بہ ہر حال میرن صاحب کو یہ پڑھوا دینا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف ہفت کشور کو دعا۔

سہ شنبہ ۱۳۔ دسمبر ۱۸۵۹ء از غالب

(۲۳)

میاں لڑکے!

کہاں پھر رہے ہو؟ ادھر آؤ، خبریں سنو۔ دربار لارڈ صاحب کا میرٹھ میں ہوا۔ دلی کے علاقے کے جاگیردار، بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ

---

(۱) میرن صاحب۔ (۲) اہلیہ میرن۔ (۳) اہلیہ میرن کا بھتیجا۔

گئے۔ موافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضکہ پنجشنبہ ۲۹۔ دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے۔ کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے۔ اوسی وقت توپوں کی آواز سنتے ھی میں سوار ہو کر گیا۔ میر منشی سے ملا۔ اون کے خیمے میں بیٹھ کر صاحب سکرتر کو خبر کروائی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ یہ جواب سن کر نو میدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا۔ ھر چند پنسن کے باب میں ھنوز لا و نعم نہیں، مگر کچھ فکر کر رھا ھوں۔ دیکھوں کیا ھوتا ھے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانے والے ھیں۔ یہاں کچھ کلام و پیام نہیں ممکن۔ تحریر ڈاک میں بھیجی جائے گی۔ دیکھیے کیا صورت پیش آئے گی۔

مسلمانوں کی املاک کی واگزاشت کا حکم عام ھو گیا ھے۔ جن کو کرایے پر ملی ھے، ان کو کرایہ معاف ھو گیا ھے۔ آج یک شنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ھے، پہر دن چڑھا ھے کہ یہ خط تم کو لکھا ھے اگر مناسب جانو تو آؤ، اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاھو یہیں رھو، چاھو پھر چلے جاؤ۔

میر سرفراز حسین، میر نصیرالدین، میرن کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعا کے یہ کہہ دینا کہ وہ حبوب جو تم نے مجھ کو دی تھیں، ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیج دو۔ اللہ موجود، ما سوا معدوم۔

یکم جنوری ۱۸۶۰ء　　　　اپنی مرگ کا طالب، غالب

(۲۴)

اھا ھا ھا! میرا پیارا میر مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ھے؟ بیٹھو، یہ رام پور(۱) ھے، دارالسرور ھے۔ جو لطف یہاں ھے، وہ اور کہاں ھے؟ پانی، سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ھے اور کوسی اس کا

(۱) ظاھر ھے کہ یہ خط اس زمانے میں لکھا گیا، جب میرزا غالب پہلی مرتبہ رام پور گئے تھے۔

نام ہے، بے شبہ چشمۂ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر، اگر یوں بھی ہے تو بھائی، آب حیات عمر بڑھاتا ہے، لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا؟(۱)

تمہارا خط پہنچا ۔ تردد عبث ۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست ۔ نہ عرف لکھنے کی حاجت، نہ محلے کی حاجت ۔ بے وسواس خط بھیج دیا کیجیے اور جواب لیا کیجیے ۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے ۔ اس وقت تک مہمان ہوں، دیکھوں کیا ہوتا ہے تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا ۔

فروری ۱۸۶۰ء　　　　از غالب

(۲۵)

میر مہدی،

تم میری عادات کو بھول گئے ؟ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینے میں رام پور کیوں رہتا ؟ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے ۔ مگر بھائی، میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آ پہنچا ۔ یک شنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا ۔ اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں ۔ شب کو مسجد جامع جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں ۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ (۲) میں جا کر روزہ کھولتا

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کوسی ندی کا پانی میرزا کو بے حد خوشگوار معلوم ہوا ۔ حکیم غلام نجف خاں کو بھی لکھا :

پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں۔ ایک دریا ہے کوسی ۔ سبحان اللہ ایسا میٹھا کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ہے ۔ صاف، سبک، گوار، سریع النفوذ ۔

(۲) مہتاب باغ، لال قلعے کے اندر شہالی جانب حیات بخش باغ اور سلیم گڑھ کے درمیان تھا ۔ اس کا نشان اب بھی موجود ہے لیکن پہلی صورت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے!(۱)

اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو(۲) ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں انہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیج دینے میں وہم آیا کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر رہے۔ اس سبب سے جلد چلا آیا ورنہ گرمی برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ(۳) بعد برسات جاؤں گا اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤں گا۔

قرار داد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینا ہے۔ سو روپے مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب جو میں وہاں گیا تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اور دیا۔ یعنی رام پور رہوں تو دو سو روپے مہینا پاؤں اور دلی رہوں تو سو روپیہ۔ بھائی سو دو سو میں کلام نہیں، کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں، مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معانقہ و تعظیم، جس طرح احباب میں رسم ہے، وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی تھی، بس۔ بہر حال غنیمت ہے۔ رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیے، کمی کا شکوہ کیا؟ انگریز کی سرکار سے دس ہزار روپے سالانہ ٹھہرے۔ ایک صاحب(۴) نے نہ دیے مگر تین ہزار روپے سال، اس میں سے مجھ کو ملے ساڑھے سات سو روپے سال۔

عزت میں وہ پایا جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے، بنا رہا۔ خان صاحب بسیار مہربان دوستان،، القاب۔ خلعت سات پارچے، اور جیغہ وسرپیچ و مالائے مروارید۔ بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پیار کرتے

---

(۱) یہ محض سخن گستری ہے، جیسا کہ میرزا نے آگے چل کر واضح کر دیا ہے۔

(۲) فرزندان عارف۔ (۳) تنہا۔

(۴) نواب احمد بخش خاں والی فیرز پور جھرکہ، جاگیردار لوہارو۔

تھے۔ بخشی، ناظر، حکیم(۱) کسی سے توقیر کم نہیں، مگر فائدہ وہی قلیل۔ سو میری جان، یہاں بھی وہی نقشا ہے۔ کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہے۔ حقہ پی رہا ہوں، یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا، یہ باتیں کر لیں۔

میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیرالدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینااور میری دعا کہہ دینا۔

جمعہ ۶۔ اپریل (۱۸۶۰ء)۔ از غالب

(۲۶)

میاں،

کیوں ناسپاسی و نا حق شناسی کرتے ہو؟ چشم بیمار ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی شکایت کرے؟ تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں! چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں۔ جس کو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں۔ تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو؟ خیر ہنسی ہو چکی۔ اب حقیقت حال مفصل لکھو(۲)۔

تم زحیر (۳) کی عادت رکھتے ہو، عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ؟ میرے نور چشم کی آنکھ کیوں دکھی؟ میں نے خط تمہیں جان کر نہیں لکھا، تم نے لکھا تھا کہ بعد عید میں وہاں آؤں گا۔ مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا۔ لکھتے کچھ ہو، کرتے کچھ ہو۔

تنخواہ کی سنو۔ دو برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے۔ سو(۱۰۰) مدد

---

(۱) اکبر شاہ اور بہادر شاہ کے عہد میں یہی ممتاز عہدے تھے۔
(۲) مجروح نے آشوب چشم کی اطلاع دی اور اس پر نکتہ نوازیاں شروع ہو گئیں۔
(۳) پیچش، مروڑ۔

خرچ کے جو پائے تھے، وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو متفرقات(۱) میں اٹھ گئے۔
مختار کار دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اس کا قرضدار ہوں، روپے اس نے اپنے گھر
میں رکھے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجیے۔ حساب کیا۔ سود مول
سات کم پندرہ سو روپے ہوئے۔ میں نے کہا، میرے قرض متفرق کا حساب کر۔
کچھ اوپر گیارہ سو روپے نکلے ہیں۔ میں کہتا ہوں، یہ گیارہ سو روپے
بانٹ دے۔ نو سو بچے، آدھے تو لے، آدھے مجھے دے۔ وہ کہتا ہے
پندرہ سو مجھ کو دو، پان سو سات تم لو۔ یہ جھگڑا مٹ جائے گا، تب
کچھ ہاتھ آئے گا۔ خزانے سے روپیہ آ گیا ہے۔ میں نے آنکھ سے دیکھا ہو
تو آنکھیں پھوٹیں۔ بات رہ گئی، پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آ گئی۔
دوست شاد ہو گئے۔ میں جیسا ننگا بھوکا ہوں، جب تک جیؤں گا۔
ایسا ہی رہوں گا۔ میرا دارو گیر سے بچنا کرامت اسداللہی ہے۔ ان پیسوں
کا ہاتھ آنا عطیہ یداللہی ہے۔ حاکم شہر لکھ دے کہ یہ شخص ہر گز
پنسن پانے کا مستحق نہیں، حاکم صدر مجھ کو پنسن دلوائے اور پورا دلوائے!

میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں اور مزاج کی خبر پوچھتا ہوں۔ جواب
ترکی، ترکی، جواب عربی،عربی(۲)۔ جو انہوں نے لکھا، وہ میں نے بھی لکھا۔
''مجتہدالعصر،، کو بندگی لکھوں، دعا لکھوں، کیا لکھوں؟ نہیں بھئی، وہ
مجتہد ہوں، ہوا کریں، میرے تو فرزند ہیں۔ میں دعا ہی لکھوں گا اور
اسی طرح میر نصیرالدین کو دعا۔

مئی ۱۸۶۰ء

---

(۱) متفرقات سے مراد ہے خزانے کے محرروں اور چپراسیوں کی تواضع۔ میرزا کا
دائرہ استطاعت بہت محدود تھا، تاہم وہ داد و دھش اور تواضع میں بڑے
فراخ حوصلہ تھے۔ دو ہزار دو سو پچاس روپے چھتیس مہینے کے تھے۔
(ابتداً مئی ۱۸۵۷ء—اواخر اپریل ۱۸۶۱ء)۔
(۲) مطلب یہ کہ میرن نے مزاج پوچھا۔ میں بھی جواب میں مزاج ہی
پوچھتا ہوں۔

(۲۷)

جان غالب،

اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی۔ اب اچھا ہوں، تندرست ہوں۔ ذی‌الحجہ ۱۲۷۶ھ تک کچھ کھٹکا نہیں ہے۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے(۱)۔ میر نصیرالدین آئے کئی بار، مگر میں نے ان کو دیکھا نہیں اب کے بار دورے میں مجھ کو غفلت بہت رہی۔ احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی جب سے اچھا ہوا ہوں، سید صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی، اس کو آپ نے از راہ محبت آنکھوں میں جگہ دی۔ بہ ہر حال اچھے ہو جاؤ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف سے اس کا جواب نہیں لکھا یہ رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا تا کہ میر سرفراز حسین صاحب اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں۔

چہار شنبہ ۶- جون ۱۸۶۰ء

(۲۸)

میاں!

تمہارے خط کا جواب منحصر تین باتوں پر ہے۔ دو باتوں کا جواب لکھتا ہوں، تیسری بات کا جواب تم بتاؤ کہ تمہیں کیا لکھوں؟ پہلی بات، میاں محمد افضل تصویر لے گئے۔ اب وہ تصویر کھینچا کریں اور تم انتظار۔

(۱) میرزا نے اپنے مرنے کی تاریخ خود کہہ لی تھی۔ مادہ تاریخ تھا : غالب مرد - اس سے ۱۲۷۷ھ نکلتے تھے۔ اس لیے لکھا کہ آخر ذی حجہ تک کچھ کھٹکا نہیں۔ اگلے سال جو ہونا ہے ، ہو رہے گا۔

دوسری بات میر نصیرالدین آئے اور تینوں صاحبوں کا جیند(۱) کے جانے کا حال مفصل معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔

تیسری بات میرن صاحب کو، جب تک تم کہو ، میں دلی نہ بلاؤں گویا ان کے عاشق تمہیں ہو ، میں نہیں۔ بھائی ، ہوش میں آؤ ، غور کرو یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ نہ ہو تو تیس روپے مہینا مقرر کروں کہ بھائی یہ لو اور دریبہ اور چاوڑی اور اجمیری دروازے کا بازار اور بلاق بیگم کا کوچہ اور خان دوران خاں کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ (۲)

اے میر مہدی ، تو درماندہ و عاجز پانی پت میں پڑا رہے، میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترسا کریں۔ سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے۔ اور میں ان غمہائے جانگداز کی تاب لاؤں ؟ مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا :

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ اللہ۔ اللہ۔

سہ شنبہ ۴۔ جمادی الثانی (۱۲۷۷ھ) ۱۸۔ دسمبر (۱۸۶۰ء)

غالب

(۲۹)

میاں !

تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے کہ وہ تصویر جو میں نے میاں محمد افضل کو دی تھی وہ انہوں نے واپس دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے، جب وہ تیار ہو جائے گی، ان کو روپیہ دے کر لے لوں گا۔ خاطر جمع رکھو۔

---

(۱) ریاست جیند کا صدر مقام جو ریاست ہائے پھلکیاں (پٹیالہ ، نابھہ اور جیند) میں سے ایک تھی۔ تینوں صاحبوں سے مقصود بظاہر سرفراز حسین میرن اور مجروح ہیں۔ جو وجہ معاش کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔ شہر دہلی کے مختلف کوچے اور بازار۔

پنسن سب کو سراسر ششماھی ملنے کا حکم ہو گیا۔ ہر مہینے میں سودی لو اور کھاؤ۔ کشمیری کٹرا بگڑ گیا ھے۔ ھائے! وہ اونچے اونچے در اور وہ بڑی بڑی کوٹھریاں دو رویہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ھوئیں۔ آھنی سڑک (۱) کا آنا اور اس کے رھگزر کا صاف ھونا ھنوز ملتوی ھے۔ چار دن سے پروا ھوا چلتی ھے۔ ابر آتے ھیں، مگر صرف چھڑکاؤ ھوتا ھے۔ مینہ نہیں برستا۔ گیھوں، چنا، باجرہ تینوں اناج ایک بھاؤ ھیں۔ نو سیر ساڑھے نو سیر۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا کہ جیند میں ھیں یا یہاں ھیں۔ میر نصیرالدین دو بار میرے پاس آئے۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ھیں۔ قاسم علی خاں ''قطب الاقطاب'' ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ھوئے ھیں آخر وہ شادی، بھئی(۲) کب ھونے والی ھے اور کہاں ھونے والی ھے؟ اس خط کا جو جواب لکھو تو سب حال مفصل لکھو۔

صبح چہارشنبہ، نہم جنوری ۱۸۶۱ء غالب

(۳۰)

لو صاحب!

یہ تماشا دیکھو۔ میں تو تم سے پوچھتا ھوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیرالدین کہاں ھیں، حالانکہ میر نصیرالدین شہر میں ھیں اور مجھ سے نہیں ملتے۔ میر سر فراز حسین آئے ھیں اور میرے ھاں نہیں اترے۔ لا حول ولا قوۃ۔ اترنا کیسا، ملنے کو بھی نہیں آئے۔ افسوس ھے، جن کو میں اپنا سمجھتا ھوں، وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ھیں۔ اب تم یہ پوچھو کہ نصیرالدین کا دلی میں ھونا اور مجتھدالعصر کا یہاں آنا تو نے کیونکر جانا؟

بھائی آج جمعہ کا دن ۲۸۔جمادی الثانی کی اور ۱۱۔ جنوری کی، صبح کے وقت

---

(۱) ریل کی لائن۔

(۲) ھر نسخے میں یہاں لفظ ''بھی'' ھے، جس کا کوئی مطلب ذھن میں نہیں آتا۔ قرینہ یہ ھے کہ یہ لفظ ''بھئی'' تھا، جسے سہواً ''بھی'' پڑھا گیا۔

منہ اندھیرے اسی وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ لحاف میں لپٹا ہوا پڑا تھا کہ ناگاہ میر نصیرالدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں اور میر حسن صاحب بھی جاتے ہیں۔ میں سمجھا سرفراز حسین۔ جب بعد تکرار معلوم ہوا، تو میر حسن (۱) جے پور سے آئے اور خدا جانے کہاں اترے اور اب کہاں جاتے ہیں۔ ہے ہے! مجھے غیر سمجھا یا مرا ہوا سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے اور مجھ سے نہ ملے۔ اپنی سسرال میں رہے اور میکے کو چھوڑا۔ واللہ میرا جی ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا۔ اب اٹھا ہوں۔ سردی رفع ہو لے۔ دھوپ نکل لے۔ آغا جان کے ہاں آدمی بھیجتا ہوں۔ میں کم بخت یہ بھی تو نہیں جانتا کہ آغا جان کہاں رہتے ہیں۔ اب میر احمد علی کی بی بی پاس، حبش خاں کے پھاٹک، آدمی بھیجوں گا۔ جب آغا جان کے گھر کا پتا معلوم ہو جائے گا اور آدمی دیکھ آئے گا اور یہ بھی معلوم کر آئے گا کہ میر حسن صاحب ہیں تو میں سوار ہو کر جاؤں گا اور اون سے ملوں گا۔ تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے چچا کے یہاں آنے کا منشا اور اوس کا حال لکھو۔ تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں۔ خاطر جمع رکھو اور مجتہدالعصر اور میرن صاحب کا حال لکھو۔

صبح جمعہ۔ ۱۱۔ جنوری ۱۸۶۱ء   نجات کا طالب، غالب

(۳۱)

جان غالب،

تمہارا خط پہنچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے:

ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے (۲)

---

(۱) مجروح کے چچا جیسا کہ میرزا نے آگے خود واضح فرما دیا ہے۔

(۲) معلوم نہیں اصل مصرع کیا تھا۔ مطبوعہ دیوان مجروح میں شعر یوں ہے:

نہیں لیتا ہوں فرط رشک سے نام
ہر اک سے پوچھتا ہوں: "وہ کہاں ہے"؟

یہ مضمون خود غالب سے ماخوذ ہے۔ جنہاں یہ کمال حسن سے بندھ چکا تھا:

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

مصرع بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہو گیا۔

اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی :

میاں یہ اہل دلی کی زبان ہے(۱)

ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی(۲) ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے؟ لکھنئو کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی، باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی، پروا ہوا اب کہاں؟ وہ لطف تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ جہت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہ ہر حال مے گزرد۔ مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی(۳) کے کنوئیں یک قلم کھاری ہو گئے۔ خیر کھاری ہی پانی پیتے، گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ جامع مسجد ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازے(۴) کو چلا۔ مسجد جامع سے

---

(۱) دیوان مجروح میں اب یہ مصرع موجود نہیں۔ مقطع یوں ہے :

سخن گو یوں تو اک عالم ہے مجروح
مرے استاد کی پر کیا زباں ہے

(۲) خاکی سے مراد دیسی فوجی ہیں، جن کی وردی خاکی تھی۔

(۳) لال ڈگی : لال قلعے کے لاہوری دروازے سے جنوبی جانب فصیل کے پاس ایک تالاب تھا، جو لارڈ ایلن برآ گورنر جنرل نے ۱۸۴۰ء میں بنوایا تھا۔ پورا تالاب سنگ سرخ کا تھا۔ طول میں پانسو فٹ، عرض میں ڈیڑھ سو فٹ۔ چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے برج تھے۔ اس میں وہ نہر پانی پہنچاتی تھی جو چاندنی چوک میں سے گزرتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نہر بند ہو گئی تو تالاب بھی خشک ہو گیا پھر عمارتیں ڈھینی شروع ہوئیں اور تالاب کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے پاس کنویں کہاں تھے جن کی طرف میرزا نے اشارہ کیا ہے۔

(۴) راج گھاٹ کا دروازہ لال قلعے اور دریا گنج کے درمیان تھا۔ اسی دروازے سے ہندو صبح کے وقت دریاے جمنا پر اشنان کے لیے جایا کرتے تھے اور قلعے کے اسی حصے میں "جھروکہ درشن" تھا۔ جہاں بادشاہ صبح کے وقت بیٹھ جاتے تھے۔ تاکہ ہندو "درشن" کر لیں۔

راج گھاٹ دروازہ تک ، بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں، وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے(۱)۔

یاد کرو، مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا، وہ اب باغیچے کے صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں، باقی سب اٹ گیا۔

کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابلی دروازے تک میدان ہو گیا۔(۲) پنجابی کٹرا، دھوبی واڑا رام جی گنج ، سعادت خاں کا کٹرا ، جرنیل کی بی‌بی کی حویلی، رام جی داس گودام والے کے مکانات، صاحب رام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتا نہیں ملتا۔ قصہ مختصر، شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔

اللہ اللہ۔ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد۔ ارے بندۂ خدا ، اردو بازار نہ رہا ، اردو کہاں ؟ دلی، واللہ اب شہر نہیں ہے ، کمپ ہے، چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ، نہ شہر، نہ بازار، نہ نہر۔

---

(۱) یہ ان عمارتوں کے انہدام کی کیفیت ہے جو لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان تھیں پھر مشرقی جانب راج گھاٹ دروازے تک چلی گئی تھیں۔ اس حصے میں صرف شیخ کلیم‌اللہ جہان آبادی کا مزار باقی رہ گیا۔ شمس‌العلماء ذکاءاللہ کا جدی مکان بھی اسی آبادی میں تھا۔

(۲) کلکتہ دروازہ سلیم گڑھ کے شمالی گوشے کے پاس تھا۔ جہاں اب ریل کی لائن ہے۔ اس کے شمال میں نگمبودہ دروازہ اور آگے کیلا گھاٹ دروازہ تھا پھر دھلی گزٹ کا پریس اور دیوانی عدالتیں تھیں۔ آگے فصیل مڑ جاتی تھی۔ اس میں پہلے کشمیری دروازہ تھا جہاں سے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں شہر پر حملہ کیا تھا۔ پھر موری دروازہ ، پھر ایک برج تھا اور فصیل مڑ کر شہر کی مغربی و جنوبی سمت کو ڈھانپتی ہوئی دھلی دروازے کے آگے دریا پر پہنچ جاتی تھی۔ کابلی دروازہ ، لاھوری دروازہ ، ترکمان دروازہ اسی حصے میں تھے۔

الور کا حال کچھ اور ہے۔ مجھے اور انقلاب سے کیا کام؟ الگزنڈر ہدرلے(۱)
کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہرا اون کی مصاحبت نہیں، ورنہ مجھ کو ضرور خط
لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور نصیرالدین کو دعا۔

(۳۲)

او میاں سید زادۂ آزادہ، دلی کے عاشق دلدادہ، ڈہے ہوئے اردو بازار کے
رہنے والے، حسد سے لکھنئو کو برا کہنے والے، نہ دل میں مہر و آزرم،
نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنون کہاں! ذوق کہاں! مومن خاں
کہاں! ایک آزردہ سو خاموش، دوسرا غالب، وہ بیخود و مدھوش۔ نہ
سخنوری رہی، نہ سخندانی، کس برتے پر تتا پانی؟ ہائے دلی! وائے دلی!
بھاڑ میں جائے دلی۔

سنو صاحب، پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں احمد حسین خاں
ولد سردار خاں ولد دلاور خاں اور نانا اس احمد حسین خاں کے غلام حسین
خاں ولد صاحب خاں۔ اس شخص کا حال از روے تحقیق مشرح و مفصل
لکھو۔ قوم کیا ہے؟ معاش کیا ہے؟ طریق کیا ہے؟ احمد حسین خاں کی
عمر کیا ہے؟ لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے؟ طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے؟
بھائی خوب چھان کر لکھ اور جلد لکھ۔

پنجشنبہ ۲۳- مئی ۱۸۶۱ء

(۳۳)

اے جناب میرن صاحب،(۲) السلام علیکم!
"حضرت آداب"!
"کہو صاحب، آج اجازت ہے، میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟"

---

(۱) ایلگزانڈر ہدرلے کا باپ فرانسیسی اور والدہ ہندوستانی تھی۔ یہ دو بھائی تھے
ایلگزانڈر اور ٹامس۔ ایلگزانڈر کا تخلص آزاد تھا۔ کبھی کبھی الک بھی
تخلص کرتا تھا۔ "سخن شعرا" میں ہے، جیمس ہدرلے کا بیٹا اور عارف کا شاگرد۔
الور میں کپتانی کے عہدے پر مامور تھا، ۱۸۶۱ء میں وفات پائی۔ اس کا
دیوان ٹامس ہدرلے نے اکبرآباد میں چھاپا تھا۔ (۱۸۶۳ء)۔
(۲) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خط میرن کے نام ہے، لیکن آگے چل کر
خود معلوم ہو جائے گا کہ مجروح ہی کے نام ہے۔

''حضرت ، میں کیا منع کرتا ہوں؟ میں نے عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے، صرف پیچش باقی ہے۔ وہ بھی رفع ہو جائے گی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں؟،،

''نہیں، میرن صاحب! اس کے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے،،

''حضرت، وہ آپ کے فرزند ہیں، آپ سے خفا کیوں ہوں گے؟،،

''بھائی، آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟،،

''سبحان‌اللہ، اے لو حضرت، آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔،،

''اچھا، تم باز نہیں رکھتے، مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟

''کیا عرض کروں، سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جاوے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھیے گا۔،،

''میاں، بیٹھو، ہوش کی خبر لو۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ؟ میں بوڑھا آدمی ، بھولا آدمی، تمہاری باتوں میں آ گیا اور آج تک اسے خط نہیں لکھا۔ لا حول ولا قوۃ۔،،

سنو، میر مہدی صاحب، میرا کچھ گناہ نہیں۔ میرے خط کا جواب لکھو۔ تپ تو رفع ہو گئی، پیچش رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بری بات ہے کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو ''عصمت بی‌بی از بے چادری،، ہوگا۔

حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہوں گے۔ دیکھو، بیٹھے ہیں - کیا جانوں۔ حکیم میر اشرف علی میں اور اون میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے۔ پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھہرا تو ہے۔ اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں تو ان سے یہ پوچھو کہ جناب ملکۂ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمھاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر لیجیو کہ جو فارسی مثل مشہور ہے کہ ''دفتر را گاؤ خورد''، اس کے معنی کیا ہیں؟ پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔

اس وقت پہلے تو آندھی چلی، پھر مینہ آیا۔ اب مینہ برس رہا ہے میں خط لکھ چکا ہوں۔ سرنامہ لکھ کر رکھ چھوڑوں گا۔ جب ترشح موقوف ہو جائے گا تو کلیان ڈاک کو لے جائے گا۔

میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ اللہ اللہ! تم پانی پت کے سلطان العلماؑ اور مجتہدالعصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمھیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں؟ میر نصیرالدین کو دعا کہنا۔

(مئی ۱۸۶۱ء)

غالب

(۳۴)

برخوردار،

تمھارا خط آیا، حال معلوم ہوا۔ میں اس خیال میں تھا کہ الور کا کچھ حال معلوم کر لوں اور کپتان الگزنڈر کا خط آئے اور میں اوس کو میر سرفراز حسین کے مقدمے میں لکھوں، تو اوس وقت تمھارے خط کا جواب لکھوں۔ چونکہ آج تک اون کا خط نہ آیا۔ میں سوچا، اگر اسی انتظار میں رہوں گا اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا مہدی خفا ہوگا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سنا ہے، وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔

ہر چند میں نے دریافت کرنا چاہا، مگر حکیم محمود علی کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا، کچھ معلوم نہیں ہوا ۔ صرف خبر واحد ہے کہ اون کو راؤ راجا نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لے کر بلا لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجہ کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اون کا راج اون کو مل جائے۔

مولانا غالب علیہ‌الرحمۃ ان دنوں میں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آ گئی ہے ۔ سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں، رات بھر شراب پیا کرتے ہیں:

کسے کیں مرادش میسر بود
اگر جم نہ باشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیرالدین کو دعائیں اور دیدار کی آرزوئیں(۱)۔

(۳۵)

میاں،

کس حال میں ہو؟ کس خیال میں ہو؟ کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے۔ یہاں اون کی سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوئے۔ ساس اور سالیوں نے اور بی‌بی نے آنسوؤں کے دریا بہا دیے۔ خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتی ہیں ۔

---

(۱) منشی مہیش پرشاد نے اس خط کو دسمبر ۱۸۶۲ء کا بتاتے ہوئے، مجروح کے نام چوالیسواں خط قرار دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے صحیح نہیں کہ آغاز میں ایلگزانڈر ہدرلے کے خط کے انتظار کا ذکر ہے اور ایلگزانڈر کا انتقال ۷- جولائی ۱۸۶۱ء کو ہوا۔ جیسا کہ اس مجموعے کے خط ۳۶ سے واضح ہے۔ لہذا زیر غور خط جولائی ۱۸۶۱ء سے پیشتر کا ہے۔

سالیاں کھڑی ہوئی دعائیں دیتی ہیں ۔ بی‌بی مانند صورت دیوار چپ، جی چاہتا ہے چیخنے کو، مگر ناچار چپ۔ وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران، نہ کوئی جان نہ پہچان، ورنہ ہمسایے میں قیامت برپا ہو جاتی ۔ ہر ایک نیک بخت اپنے گھر سے دوڑی آتی ۔ امام ضامن علیہ‌السلام کا روپیہ بازو پر باندھا ۔ گیارہ روپے خرچ راہ دیے، مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب اپنے جد کی نیاز کا روپیہ راہ ہی میں اپنے بازو پر سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپے ظاہر کریں گے ۔ اب سچ جھوٹ تم پر کھل جائے گا۔ دیکھنا، یہی ہوگا کہ میرن صاحب تم سے بات چھپائیں گے ۔ اس سے بڑھ کر ایک بات اور ہے اور وہ محل غور ہے، ساس غریب نے بہت سی جلیبیاں اور تودۂ قلاقند ساتھ کر دیا ہے اور میرن صاحب نے اپنے جی میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جلیبیاں راہ میں چٹ کریں گے اور قلا قند تمہاری نذر کر کر تم پر احسان دھریں گے۔ ''بھائی میں دلی سے آیا ہوں اور قلا قند تمہارے واسطے لایا ہوں،،۔ زنہار نہ باور کیجیو۔ مال مفت سمجھ کر لے لیجیو ۔ کون گیا ہے ؟ کون لایا ہے؟ کلو، ایاز کے سر پر قرآن رکھو، کلیان کے ہاتھ میں گنگا جلی دو ، بلکہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ ان تینوں میں سے کوئی نہیں لایا ۔ واللہ میرن صاحب نے کسی سے نہیں منگایا اور سنو، مولوی مظہر علی صاحب لاہوری دروازہ کے باہر صدر بازار تک ان کے پہنچانے کو گئے۔ رسم مشایعت عمل میں آئی ۔ اب کہو بھائی کون برا اور کون اچھا ہے؟ میرن صاحب کی نازک مزاجیوں نے کھیل بگاڑ رکھا ہے ۔ یہ لوگ تو اون پر اپنی جان نثار کرتے ہیں، عورتیں صدقہ جاتی ہیں۔ مرد پیار کرتے ہیں ۔

''مجتہدالعصر،، ''سلطان‌العلما'' مولوی سرفراز حسین کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ حضرت ہم تم کو دعا کہیں اور تم ہم کو دعا دو۔ میاں، کس قصے میں پھنسا ہے؟ فقہ پڑھ کر کیا کرے گا؟ طب و نجوم و ہیئت و منطق و فلسفہ پڑھ، جو آدمی بنا چاہے خدا کے بعد نبی اور نبی

کے بعد امام یہی ہے مذہب حق والسلام والا کرام علی علی کیا کرو اور فارغ البال رہا کرو۔

مئی ۱۸۶۱ء غالب

(۳۶)

سید صاحب،

کل پہر دن رہے تمہارا خط پہنچا ۔ یقین ہے کہ اوسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے، اون کی زبانی سن لو گے۔ میں کیا لکھوں؟ میں نے بھی جو کچھ سنا ہے، انہیں سے سنا ہے۔ اون کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے، لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے ۔ میں جانتا تھا کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپے کی زیر باری ناحق ہوئی۔ چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی (۱) ۔ میں نے اس چھیاسٹھ برس کی عمر میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں ۔ جہاں ہزار داغ ہیں، ایک ہزار ایک سہی ۔ میر سر فراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔

وبا کو کیا پوچھتے ہو؟ قدر انداز قضا کے ترکش میں یہ بھی ایک تیر باقی تھا ۔ قتل ایسا عام ، لوٹ ایسی سخت، کال ایسا بڑا ، وبا کیوں نہ

---

(۱) واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے سرفراز حسین اور میرن کو ایک تعارفی خط خان سامان علی بخش کے نام دے کر رام پور بھیجا کہ سرفراز حسین کو ملازمت مل جائے اور میرن صاحب سے مرثیے پڑھوائے جائیں ۔ دونوں ناکام لوٹے نواب یوسف علی خاں کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میرزا سے حقیقت پوچھی۔ میرزا نے جواب میں لکھ دیا کہ سرفراز حسین نوکری پیشہ ہیں ۔ میرن مرثیہ خواں ہیں ۔ ان دونوں کے لیے یا ایک کے لیے کچھ انتظام ہو جاتا تو بہتر ہوتا۔ میں نے سفارش نہیں کی تھی ۔ سفارش کرتا تو آپ کو لکھتا۔

ہو؟ ''لسان الغیب(۱)،، نے دس برس پہلے فرمایا :

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام

ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی۔ میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا سمجھ لیا جائے گا(۲)۔

کلیات اردو(۳) کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب ہے کہ اسی ہفتے میں غایت اسی مہینے میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائے گا۔

کلیات نظم فارسی کے چھاپنے کی بھی تدبیر ہو رہی ہے۔ اگر ڈول بندھ گیا، تو وہ بھی چھاپا جائے گا۔ ''قاطع برہان،، کے خاتمے میں کچھ فوائد بڑھائے گئے ہیں، اگر مقدور مساعدت کرے گا تو میں بے شرکت غیر اوس کو چھپواؤں گا، مگر یہ خیال محال ہے۔ میرے مقدور کی تیاری کا حال ''مجتہدالعصر،،(۴) کو معلوم ہے۔ واللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ خدا کا بندہ ہوں، علی رضؑ کا غلام۔ میرا خدا کریم، میرا خداوند سخی :

---

(۱)''لسان الغیب،، در اصل خواجہ حافظ کا لقب ہے، اس لیے کہ لوگ ان کے دیوان سے فال نکالتے تھے اور عام خوش اعتقادی کے مطابق جواب صحیح ہوتا تھا۔ یہاں میرزا غالب نے ''لسان الغیب،، لغوی معنی میں استعمال کیا، ہے یعنی غیب کی زبان۔ قبل از وقت سچی بات کہہ دینے والا۔ یہ اس لیے کہ دس برس پیشتر جو ایک شعر کہا تھا، وہ دہلی کی وبا پر صادق آیا۔

(۲) وہی ۱۲۷۷ھ میں موت کی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں پیشگوئی غلط نہ تھی۔ وبا پھیل گئی اور میں نے مرگ عام میں مرنا باعث کسر شان سمجھا۔

(۳) دیوان اردو۔

(۴) سرفراز حسین۔

علی دارم، چه غم دارم؟
وبا کی آنچ مدھم ہو گئی ہے۔ پان سات دن بڑا زور شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان (۱) مع اپنی بی‌بی بچوں کے دلی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا لڑکا ہیضہ کر کے مر گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الور میں بھی وبا ہے۔ الگزنڈر ھدرلے مشتہر بہ الک صاحب مر گیا۔ واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور راج میں اور مجھ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا۔ خیر، یہ عالم اسباب ہے، اس کے حالات سے ہم کو کیا؟

(جولائی ۱۸۶۱ء بمحرم ۱۲۷۸ھ)۔

(۳۷)

بھائی تم سچ کہتے ہو:

بر سر فرزند آدم ہر چہ آید، بگزرد

لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح یہ آئے ہیں اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے، لیکن واللہ میرے عقیدے اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں یہی سمجھا تھا کہ

---

(۱) خواجہ قمرالدین معروف بہ خواجہ امان بن خواجہ حاجی، جس خاندان میں میرزا کی بہن بیاہی گئی تھی، خواجہ حاجی کے تعلقات قرابت اسی خاندان سے پیدا ہو گئے تھے۔ خواجہ امان نے ''بوستان خیال،، کا ترجمہ کیا تھا جس کی ایک جلد (سفر نامہ) کا دیباچہ میرزا نے لکھا تھا۔ خواجہ امان اور اس کے بھائی کو جےپور سے بھی وظیفہ ملتا تھا اور وہ وھیں رہتے تھے۔ وھیں مارچ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ خواجہ میراز سے مراد غالباً خواجہ امان کے اکلوتے فرزند امیرالدین خاں ہیں، وہ بھی شاعر تھے ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔

البتہ یوں ہی ہوگا۔(۱)

''دیوان اردو، چھپ چکا ہے۔ ہائے لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلی پر اور اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا، متوسط جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا، وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجھ کو ملا۔ غور کرتا ہوں تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں، یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا، وہ چھپا۔ بہ ہر حال خوش و ناخوش کئی جلدیں مول لوں گا۔ اگر خدا چاہے تو اسی ہفتے میں تین مجلد اصحاب ثلثہ(۲) کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہوا ہوں، نہ تم خوش ہو گے۔

اور یہ جو لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں، قیمت لکھ بھیجو۔ میں دلال نہیں، سوداگر نہیں، مہتمم مطبع نہیں۔ مطبع احمدی کے مالک محمد حسین خاں، مہتمم مرزا امو جان، مطبع شاہدرہ میں، محمد حسین خاں دلی شہر، رائے مان کے کوچے میں، مصوروں کی حویلی کے پاس۔ قیمت چھ آنے۔ محصول ڈاک خریدار کے ذمے۔ طالبان کتاب کو اطلاع دو، دو، چار، دس، پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں، محمد حسین خاں کے نام پر، دلی رائے مان کے کوچے، مصوروں کی حویلی کا پتا لکھ کر ڈاک میں بھجوا دو۔ کتاب ڈاک میں پہنچ جائے گی۔ قیمت چاہو نقد، چاہو ٹکٹ ارسال کرو۔ مجھ کو اور تم کو کیا؟ جو کہے اس کا جواب یہ دے دو۔

وبا تھی کہاں، جو میں لکھوں کہ اب کم ہے یا زیادہ؟ ایک چھیاسٹھ برس کا مرد(۳)، ایک چونسٹھ برس کی عورت،(۴) ان دونوں میں سے ایک بھی

---

(۱) رام پور سے سرفراز حسین اور میرن کے ناکام لوٹنے کا معاملہ جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

(۲) مجروح، میرن اور سرفراز حسین (۳) خود غالب۔ (۴) بیگم غالب۔

مرتا تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی۔ تف بریں[1] وبا! پنجشنبہ ۸ ماہ اگست کی۔ قمری مہینے کا حال کچھ معلوم نہیں۔ کل شام کو دو دو مونڈھے رکھ کر کئی آدمی دیکھا کیے۔ ہلال نظر نہیں آیا۔

۸۔ اگست (۱۸۶۱ء) نجات کا طالب، غالب

(۳۸)

ہاں صاحب، تم کیا چاہتے ہو؟ ''مجتہدالعصر،، کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا، اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافے کو کریدا کرو، مسودے کو بار بار دیکھا کرو، پاؤگے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں: ''یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمہ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔،،

کیوں؟ سچ کہیو، اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی یا اور؟ ہاے، کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھوں، وہ خط ہی نہیں ہے: ''چاہ بے آب ہے، ابر بے باراں ہے، نخل بے میوہ ہے، خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے نور ہے،،۔ ہم جانتے ہیں، تم زندہ ہو، تم جانتے ہو، ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری لکھ لیا، زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا اور اگر تمہاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے، تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو، خفا نہ ہو۔

میر نصیرالدین ایک بار آئے تھے، پھر نہ آئے۔ فارسی نثی میں نے

کہاں لکھی کہ تمہارے چچا(۱) کو یا تم کو بھیج دوں؟ نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں(۲) مر گئے۔ حامد علی خاں (۳) کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔ کاو داروغہ(۴) بیمار ہو گیا تھا۔ آج اس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینے بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں۔ شہر چپ چاپ۔ نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔

---

(۱) بظاہر سید حسن جن کا ذکر مکتوب (۳۰) میں آیا ہے۔

(۲) نجابت علی خاں والی جھجر کے چھوٹے بیٹے۔ اپنے بڑے بھائی فیض محمد خاں کے عہد حکومت میں جرنیل کے عہدے پر مامور رہے۔ فیض علی خاں کا فرزند فیض محمد خاں مسند نشیں ہوا تو اختلافات شروع ہو گئے۔ آخر سرکاری انگلشیہ نے تصفیہ کرایا۔ حسن علی خاں کے لیے تین ہزار روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی جو ریزیڈنسی کی معرفت ملتی تھی اور وہ دھلی میں رہنے لگے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان پر بھی بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔

(۳) جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، حامد علی خاں میرزا غالب کے عزیز دوست اور اعتمادالدولہ میر فضل علی نائب‌السلطنت اودھ کے بھانجے اور داماد تھے۔ بیگم حامد علی خاں کو باپ کے ترکے سے نو لاکھ روپے ملے تھے۔ نواب لکھنئو کے امرا میں محسوب تھے۔ اعتمادالدولہ کے انتقال (مارچ ۱۸۲۱ء) پر حامد علی خاں دھلی آ گئے۔ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کرا دیا۔ اس کا سود ساڑھے چار ہزار ماہوار ملتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی مصیبتوں سے کسی قدر نجات ملی تو شاہی خزانے میں جمع کرائے ہوئے روپے کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ڈگری اس سلسلے میں ہوئی۔ غالباً باقی روپیہ وہ پہلے لے چکے ہوں گے۔

(۴) داروغہ میرزا غالب۔

دلی شہر، شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے اور لکھتا۔

یک شنبہ ۲۲- ستمبر ۱۸۶۱ء
غالب

(۳۹)

صاحب،

آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اس میں، میں نے مسودہ تاریخ کا پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔ مہر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انتیس روپے کو تین گاڑیاں مقرر ہو گئی ہیں۔ میں کل یعنی شام کو سوار ہو جاؤں گا۔ اب اس وقت جو میں خط لکھ رہا ہوں، پہر دن باقی ہے۔ لکھ کر کھلا رکھ چھوڑوں گا۔ شام کو ''مجتہد العصر،، میرے گھر ضرور آئیں گے۔ اگر آج جائیں گے تو واسطے تودیع کے اور اگر نہ جائیں گے تو موافق معمول کے آئیں گے۔ ان کے جانے، نہ جانے کا حال صبح اسی ورق پر لکھ کر، بند کر کے بھیج دوں گا۔ خدا کرے اردو کی نثر کا لفافہ انہوں نے ڈاک میں بھیج دیا ہو۔ شام کو مجھے دے جائیں تو میں کل اس خط کے ساتھ اسے بھی بھجوا دوں۔

مہاراج(۱) اگر دورے کو گئے تو کیا اندیشہ ہے؟ گرمی کا موسم ہے، لمبا چوڑا سفر کیوں کریں گے؟ آٹھ سات دن میں پھر آئیں گے۔ یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو، تب کہیں جائیو۔

میرن صاحب کی تمہاری چوما چاٹی کے لکھنے کا مجھ میں دم نہیں۔ تم جانو وہ جانیں۔

کلیات کے چھاپے کی حقیقت سنو۔ ساٹھ صفحے چھاپے گئے تھے کہ

---

(۱) شیو دھیان سنگھ والی الور۔ بظاہر مجروح ملازمت کی غرض سے الور پہنچے ہوئے تھے، میرزا مشورہ دے رہے ہیں کہ، مہاراجہ دورے سے آ جائیں تو تلاش و طلب کا نتیجہ دیکھ کر کسی اور مقام کا قصد کرنا۔

مولوی ہادی علی مصحح بیمار ہو گئے (۱)۔ کاپی نگار رخصتی اپنے گھر گیا، اب دیکھیے کب چھاپا شروع ہو۔ ''قاطع برہان،، کا چھاپا ختم ہوا۔ ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے دے رکھی ہے۔ اب پچاس روپے بھیجوں، تو انچاس جلدیں منگواؤں۔ دیکھیے نو من تیل کب میسر ہو اور رادھا کب ناچے۔

میاں، کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آئے یا تو الور کو، مجھ سے ملے بغیر رخصت ہوئے، گئے یا نہیں گئے؟ میں تو آج جمعہ ۱۶۔ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں (۲)

۱۶۔ مئی ۱۸۶۲ء نجات کا طالب، غالب

(۳۰)

سید صاحب،

اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے کہ بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں۔ علی رضا کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اس میں تم بھی آ گئے۔ کہاں یہ کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے۔ دوست ہوں، عاشق زار نہیں۔ بندہ مہر و وفا ہوں، گرفتار نہیں تمہارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔ یک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم کے میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں، وہ آئیں گے تو

---

(۱) کلیات نظم فارسی جو نولکشور کے چھاپے خانے میں چھپ رہی تھی۔

(۲) اس خط کے آغاز میں تاریخ یوں درج ہے: ''پنجشنبہ ۱۵۔ ذی قعدہ و مئی باہم،، یعنی ذی قعدہ ۱۲۷۸ھ اور مئی ۱۸۶۲ء دونوں کی تاریخ پندرھویں تھیں۔ آخر میں لکھا ''آج جمعہ ۱۶ مئی صبح کے وقت،، گویا پورا خط ۱۵۔ ہی کو لکھا تھا، آخری فقرہ ۱۶۔ کی صبح کو لکھا۔

یہیں ان کو دوں گا۔ محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرۂ صفر ہے۔ حضرت کا پتا نہیں۔ ظاہرا برسات نے نہ آنے دیا۔

برسات کا نام آ گیا، سو پہلے مجملاً سنو: ایک غدر کالوں کا، ایک ہنگامہ گوروں کا، ایک فتنہ انہدام مکانات کا، ایک آفت وبا کی، ایک مصیبت کال کی، اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آ جاتا ہے، جس طرح بجلی چمک جاتی (۱) ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا، ہزارہا مکان گر گئے۔ سیکڑوں آدمی جابجا دب کر مر گئے۔ گلی گلی ندی بہ رہی ہے۔ قصہ مختصر، وہ ان کال تھا کہ مینہ نہ برسا، اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے کہ پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے۔ جنہوں نے ابھی نہیں بویا تھا، وہ بونے سے رہ گئے۔ سن لیا دلی کا حال؟

اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں۔ جناب میرن صاحب کو دعا۔ زیادہ کیا لکھوں؟

(سہ شنبہ یکم صفر ۱۲۷۹ھ—۲۹۔ جولائی ۱۸۶۲ء) غالب

(۳۱)

برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعائے حیات و صحت کے معلوم ہو۔ بھائی، تم نے بخار کو کیوں آنے دیا؟ تپ کو کیوں چڑھنے دیا؟ کیا بخار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم مانع نہ آئے؟ کیا تپ ابن بن کر آئی تھی، جو اس کو روکتے ہوئے شرمائے؟ حکیم اشرف علی ابھی گئے ہیں۔ کہتے تھے کہ میں نے نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں

---

(۱) نظیری کا مضمون ہے:

آفتاب امروز چون برق زر دیار ما گزشت

بھیج دیا ہے۔ چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے، کیا عجب ہے۔ کہ دونوں خط ایک دن، بلکہ ایک وقت پہنچیں۔ دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے۔ حق تعالیٰ تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔

سنو میاں سرفراز حسن، ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا۔ وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلالِ اسیر کہتا ہے:

به غیر در شکر آب است رو بما دارد

پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں کہ میرے واسطے کون سی بات ہے؟ مجھ کو پیام ہے؟ کچھ نہیں۔ شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو۔ ادھر خاتمہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا، آغاز تحریر میں القاب مرا، پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا، یہ کیا سیر ہے؟ میں ایسے خط کا جواب کیوں لکھوں؟ میری بلا لکھے۔ اب جو تم خط لکھو گے اور اوس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم نہ کرو گے اور میرن صاحب کا نام اور ان کے لیے سلام تک بھی اوس میں نہ ہوگا، تو میں اوس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔

اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ چچا نے اوس کا مرنا سنا ہوگا؟ اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دونوں بہنیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں۔ کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا کون سی لڑکی مری؟ کاش اس کے باپ کا نام لکھتے تاکہ میں جانتا کہ کون سی بھانجی مری ہے؟ اب میں کس کا نام لے کر روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں؟ اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے۔ توضیح بقید نام لکھو۔

واہ حضرت،

کیا خط لکھا ہے؟ اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ؟ بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا، میرا بچھونا مجھ کو ملا، میرا حجام مجھ کو ملا میرا بیت‌الخلا مجھ کو ملا ۔ رات کا وہ شور ''کوئی آئیو، کوئی آئیو،، فرو ہو گیا ۔ میری جان بچی ، میرے آدمیوں کی جان بچی :

اکنون شب من شب است ، روزم روز است

بھئی تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا ۔ میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا ۔ اگر پہنچتا تو بیشک تمہاری نظر سے گزرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں بھی یہ ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی ۔ پس اگر، جیسا کہ میرا گمان ہے، خط نہیں پہنچا تو خیر جانے دو اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے خط کے جواب لکھوانے میں تم نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا ۔ اب ان سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے؟ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں ، جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم ان سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو، میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے؟ نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں ۔ میرے خط کا جواب ان سے لکھوا کر بھجواؤ۔

یہاں کا حال وہ ہے جو دیکھ گئے ہو۔ پانی گرم، ہوا گرم، تپیں مستولی، اناج مہنگا ۔ بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا، میر امداد علی آشوب کا بیٹا(۱)، میر محمد شب گزشتہ کو گزر گیا ۔ آج صبح اس کو دفن کر

---

(۱) میر امداد علی آشوب، خلف میر روشن علی فروغ، شاگرد میر نظام‌الدین ممنون، وطن دہلی ۔ خمخانۂ جاوید میں ہے کہ ۱۸۳۶ء میں ان کا عالم شباب تھا ۔ بعد کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی بظاہر زندہ تھے ۔

آئے۔ جوان، صالح، پرہیزگر، مومنین کا پیش نماز تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

''مجتہدالعصر،، کا حکم بجا لاؤں گا اور نہ رئیس کو بلکہ مدارالمہام ریاست کو لکھوں گا۔ رئیس میرے سوال کے جواب کو قلم انداز کر جائے گا اور مدارالمہام امر واقعی لکھ کر بھیجے گا۔ ''مجتہد العصر،، کو دعا کہنا اور یہ خط پڑھا دینا۔

میرن صاحب کو دعا اور کہنا کہ بھلا صاحب تم نے ہمارے خط کا جواب نہیں لکھا، ہم بھی تمہاری طرز کا اتباع کریں گے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں اون میں راہ و رسم تعزیت و تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو اور یہ بھی اون کو معلوم ہو کہ حفیظ یہاں آیا ہوا ہے۔ قبائل تمہارے یہیں ہیں ۔ اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو تو خیر، ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان
کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان

برسات کا حال نہ پوچھو ، خدا کا قہر ہے۔ قاسم خاں کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں، عالم بیگ خاں کے کٹڑے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا، گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔ کتابیں، قلمدان سب توشہ خانے میں۔ فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا، کہیں چلمچی دھری ہوئی۔ خط لکھوں کہاں بیٹھ کر؟ پانچ چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے۔ آج ایک امن کی صورت نظر آئی، کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھیں۔

الور کی ناخوشی، راہ کی محنت کشی، تپ کی حرارت، گرمی کی شرارت، یاس کا عالم، کثرت اندوہ و غم، حال کی فکر، مستقبل کا خیال، تباہی کا

رنج، آوارگی کا ملال، جو کچھ کہو ، وہ کم ہے ۔ بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے ۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملے گا، مگر وہ اختیار ایسا ہوگا، جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا، آدمی کو بدنام کیا ہے۔

بارے رفع مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے، تپ جاتی رہی ہو، تندرستی حاصل ہو گئی ہو۔ میر صاحب کہتے ہیں :

''تندرستی ہزار نعمت ہے،،

ہائے ! پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے۔ مجھ کو پسند آیا ہے :

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک　　　تندرستی ہزار نعمت ہے

''مجتہد العصر،، میر سرفراز حسین صاحب کو دعا ۔ اہا ہا ہا، میر افضل علی(۱) کہاں ہیں ؟ حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے ''مجتہدالعصر،، کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا ۔ جے پور کے ''مجتہد العصر،، کے بھائی میرن صاحب کیوں نہ کہلائیں ؟ ہاں بھائی میرن صاحب بھلا ان کو ہماری دعا کہنا ۔

جمعہ ۲۶- ستمبر ۱۸۶۲ء　　　غالب

(۴۳)

میری جان!

خط نہ بھیجو اور میرے خط کا انتظار کرو، اس کی وجہ میں نہیں سمجھا ۔ تمہارا خط آئے اور میں جواب نہ لکھوں تو گنہ گار۔ نواب یوسف علی خاں ناظم(۲) کا دیوان میرے پاس کہاں؟ نواب صاحب نے بہ سبیل ارمغان مجھے ایک ورق بھی نہیں بھیجا ۔ یہاں کچھ نسخے بکنے آ گئے تھے، میں نے ایک

---

(۱)میرن صاحب ۔　　(۲) والی رام پور۔

مول لے کر نواب مصطفیٰ خاں کو جہانگیر آباد بھیجا تھا۔ اب محمد بخش اور پیر جی سے کہہ دوں گا، اگر کسی نے لا دیا تو ایک جلد سرفراز حسین کو بھیج دوں گا۔

توقع نوکری کا حال مجھ کو مفصل معلوم ہے۔ یہ بھی بادشاہی تنخواہ ہوئی کہ روپیہ دے کر مول لیں اور کہیں کہ ہم نے نذرانہ دیا ہے، بہ شرط نوکری ہو جانے کے برس چھ مہینے تک اپنا دیا ہوا روپیہ مسترد کرنا ہوگا، نوکری مفت میں (۱)۔

''مقدر،، مذکر اور ''تقدیر،، مؤنث ہے۔ کون کہے فلانے کی مقدر اچھی ہے؟ کون کہے گا ڈھمکے کا تقدیر برا ہے؟ یہ مسئلہ صاف ہے، مذبذب نہیں۔ کوئی بھی مقدر کو مؤنث نہ کہتا ہوگا، تم کو تردد کیوں ہوا؟

''جواں مرد،،، ''جواں بخت،،، ''جواں دولت،،، ''جواں عمر،،، ''جواں سال،،، ''جواں خرد،،، ''جواں مرد،، یہ الفاظ مقررہ اہل زباں ہیں، کبھی مقلوب و معکوس نہیں آتے۔

''اودھ اخبار،، میں بادشاہ کے مرنے (۲) کی خبر لکھی دیکھی، مگر پھر کہیں سے تصدیق نہیں ہوئی۔ نرندر سنگھ راجہ پٹیالہ بے تکلف مر گیا۔

---

(۱) کار فرمایان قلعہ معلیٰ نے آخری دور میں دستور ٹھہرا لیا تھا کہ لوگوں سے نذرانے کی رقمیں لے کر انہیں ملازمتیں دیتے اور جب تک نذرانے کی رقم پوری نہ ہو جاتی، نوکری مفت دینی پڑتی۔ اسی لیے میرزا نے کہا ''یہ بھی بادشاہی تنخواہ ہوئی،،۔ علاوہ بریں جن لوگوں کی تنخواہیں چڑھ جاتیں اور کئی مہینے ادا نہ ہوتیں، ان سے سودا کر لیتے۔ پوری واجب‌الادا رقم کی رسید لے کر اس کا ایک حصہ ادا کر دیتے۔

(۲) ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ۔

مسجد جامع کی واگزاشت کی خبر مشہور ہے(۱)، اگر سچ ہو جائے تو کیا دور ہے؟ شاہ اودھ کی املاک کی بھی واگزاشت کی خبر مشہور ہے(۲)۔

لو کہو، اب اور کیا لکھوں؟ سر راہ کی منڈیر کے پاس جو تخت بچھا ہے، اس پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا ہوں، اور خط لکھ رہا ہوں۔ بس اب یہ لکھنا باقی ہے کہ ''مجتہدالعصر،، کو دعا اور میر افضل علی صاحب کو دعائیں۔

صبح پنجشنبہ ۳۔ جمادی‌الاول (۱۲۷۹ھ) غالب
مطابق ۲۰۔ نومبر سال حال (۱۸۶۲ء)

(۴۴)

جویاے حال دھلی و الور سلام لو!

مسجد جامع واگزاشت ہو گئی۔ چتلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دکانیں بنالیں۔ انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا۔ عشرۃ، مبشرہ یعنی دس آدمی مہتمم ٹھہرے۔ مرزا الٰہی بخش، مولوی صدرالدین، تفضل حسین خاں، تین یہ سات اور۔

۷۔نومبر ۱۴۔ جمادی‌الاول سال حال (۱۲۷۹ھ - ۱۸۶۲ء) جمعہ کے دن ابوالظفر سراج‌الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے آزاد ہوئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

جاڑا پڑ رہا ہے۔ ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کو نری انگیٹھی پر گزارا ہے، بوتل گلاس موقوف۔

---

(۱) ۱۸۵۷ کے ہنگامے کے بعد دھلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے جامع شاہ جہانی پر بھی قبضہ کر لیا تھا کیونکہ وہاں سے بھی نمازیوں کے ایک گروہ نے انگریزوں پر شدید حملہ کیا تھا۔ بعض انگریزوں کی تجویز یہ تھی کہ مسجد ڈھا دی جائے، بعض کہتے تھے کہ اسے گرجے میں تبدیل کر دیا جائے۔ کئی سال کے بعد انگریزوں نے اسے واگزار کر دیا اور انتظام کے لیے ایک کمیٹی بنادی جس میں انگریز اپنے معتمد علیہ مسلمانوں کو نامزد کرتے۔

(۲) یعنی شاہ اودھ کی وہ املاک جو دھلی میں تھیں۔ ان کے لیے اودھ سے خاص منتظم مقرر ہو کر دھلی آتا تھا۔

راجہ پٹیالہ مر گیا۔ مہندر سنگھ، اس کے خلف پر خطاب فرزندی اور القاب بحال و برقرار رہا۔ بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے۔ ظاہرا جو رنگ اس ریاست کا ہونے والا ہے، وہ نواب گورنر جنرل کے آنے پر کھلے گا اور وہ فروری کے مہینے میں یہاں آئیں گے۔

الور کی ریاست کا حال بدستور ہے۔ گورنر صاحب ہی انہیں اختیارات دیں گے۔ یعنی پٹیالہ اور الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا۔ بالفعل امپے(۱) صاحب ایجنٹ، الور اور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں راجہ صاحب تجارہ(۲) تک ان کی مشایعت کو گئے۔ یہاں امپے صاحب سے، کوئی صاحب سنگھ ٹھیکہ دار الور کی سڑک کا ہے، اس نے کچھ کہا تھا، جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے، ہم کچھ حکم نہ دیں گے۔ باسفندیار بیگ(۳) متوفی کا کوئی متبنیٰ مستدعی پرورش ہوا، اسی کو بھی یہی جواب ملا۔ اب بولو، کیا لکھوں؟

دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے، خط لکھ کر، بند کر کر آدمی کو دوں گا اور گھر جاؤں گا۔ وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے، اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا۔ ایک روٹی کا پھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤں گا۔ پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئے گا، کیا صحبت ہوگی۔

---

(۱) یوجین امپے (Eugene Impay) یہ سر الیجا امپے کا پوتا تھا، جس نے وارن ہیسٹنگز کی دوستی کا پاس کرتے ہوئے راجہ نند کمار کو پھانسی کی سزا دے دی تھی۔ یوجین ۱۸۵۸ء میں الور کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا ۱۸۶۳ء میں لارڈ لارنس کا سکرٹری بنا پھر جودھ پور، اودے پور، گوالیار میں خدمات انجام دینے کے بعد نیپال میں ریزیڈنٹ بنا دیا گیا۔ ۱۸۷۸ء میں پنشن لی اور ۱۹۰۴ء میں فوت ہوا۔

(۲) ریاست الور کا ایک شہر جو بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قاسم سے قریب تھا۔

(۳) ریاست الور میں دیوان مقرر ہو گیا تھا۔

"مجتہدالعصر،، میر سر فراز حسین صاحب اور ذاکرالحسین،، میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا۔

منگل کا دن ۲۳- جمادی الثانی (۱۲۷۹ھ) ۱٦- دسمبر (۱۸٦۲ء) پہر دن چڑھے۔

غالب

(۳۵)

برخوردار،

تمہارا خط پہنچا، مگر یہ غضب ہے کہ میں اس کا جواب نہیں لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے۔ جواب کیا لکھوں؟ قواعد عملداری کے برہم ہو گئے۔ نئے نئے دستور ہیں۔ شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آوازہ بلند ہے کہ فروری میں کلکتہ سے چلیں گے۔ بنارس، الہ آباد، اکبر آباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔ الور، جے پور، کوٹہ یہ تین راجے آگرے پہنچ گئے۔ وہاں میر فرش(۱) کی طرح بے کار دھرے ہوئے ہیں۔ الور کے راجا گویا یوسف ہیں، ان کے خریدار دوڑتے پھرتے ہیں۔ کوئی شکرم، کوئی کرانچی ڈھونڈ رہا ہے، کوئی پیادہ چل نکلا۔ کسی نے مانگے کا ٹٹو بہم پہنچایا۔ یہ سب قصے یک طرف، اب سنتا ہوں کہ راجستان کے ایجنٹ نے سب رئیسوں کو لکھا ہے کہ لارڈ صاحب تمہیں بلاتے ہیں۔ جس کا جی چاہے آؤ، جس کا جی نہ چاہے، نہ آؤ۔ اس تحریر کو دیکھ کر، جو وعدہ گاہ پر جا پہنچے، وہ پشیمان ہیں۔ جو راہ میں ہیں وہ وہیں ٹھٹک رہے ہیں۔ نہ آگے بڑھتے ہیں، نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو اپنے مقام سے نہ ہلے تھے، وہ اچھے رہے۔

یہاں دو تین مہاوٹیں برس گئی ہیں۔ گیہوں، چنا اچھا ہوگا۔ ربیع کی امید پڑی :

(۱) وہ بھاری پتھر جو فرش پر بچھنے والی چادروں کو دبائے رکھنے کی غرض سے کونوں پر دھر دیتے تھے۔

آفق ها پر از ابر بہمن سہی
سفالینہ جام من ز مے تہی

سیدھے ہاتھ پر ایک زخم، بائیں بازو پر ایک گھاؤ، سیدھی ران پر ایک پھوڑا، یہ حال میرا ہے۔ باقی خیرو عافیت۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو دعا پہنچے۔

(۱۸۶۳ء) غالب

(۳۶)

نور چشم میر مہدی کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ ''کلیات فارسی،، کا پہنچنا مجھ کو معلوم ہوا۔ میاں، اس میں اغلاط بہت ہیں۔ مبارک ہو تمہیں اور میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور بھائی، خدا کرے، مجھ کو بھی۔ لو صاحب ایجنٹ بہادر راجستان کا حکم الور کے ایجنٹ کو آیا کہ تم پہلی ستمبر کو راج کے کاغذ، جو تمہارے پاس ہیں اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے، وہ سب راجا صاحب کو دو اور تم الگ ہو جاؤ۔ ستمبر کی بیسویں کو ہم الور جائیں گے، راجا صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے، خلعت شاہی اونہیں پہنائیں گے :

''ستمبر،، ستم برد و آورد داد

شنبہ ۲۲۔ اگست ۱۸۶۳ء از غالب

(۳۷)

آئیے جناب میر مہدی صاحب دہلوی، بہت دنوں میں آئے۔ کہاں تھے؟ بارے آپ کا مزاج خوش ہے؟ مسر سرفراز حسین صاحب اچھی طرح ہیں ؟ میرن صاحب خوش ہیں ؟ :

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے؟ قد اس کا کتنا لمبا ہے؟ ھاتھ پانؤ کیسے ھیں؟ رنگ کیسا ھے؟ جب یہ بتا سکوگے تو جانو گے کہ قسم جسم و جسمانیات میں سے نہیں، ایک اعتبار محض ھے۔ وجود اس کا صرف تعقل میں ھے۔ سیمرغ کا سا اس کا وجود ھے۔ یعنی کہنے کو ھے، دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ھے کہ جب ھم آپ اپنی قسم ھو گئے تو گویا اس صورت میں ھمارا ھونا، ھمارے نہ ھونے کی دلیل ھے ۱۲

میخواھم از خدا و نمی خواھم از خدا
دیدن حبیب را و ندیدن رقیب را

''لف و نشر،، مرتب ھے۔ میخواھم از خدا، دیدن حبیب را۔ نمی خواھم از خدا، نہ دیدن رقیب را۔

خوار و زار و خستہ و سوگوار۔ معنی تو اس کے موجود ھیں، مگر بول چال ٹکسال سے باھر ھے۔ ایک جملے کا جملہ مقدر چھوڑ دیا ھے اور اس بھونڈی طرح سے کہ جس کو المعنی فی بطن الشاعر کہتے ھیں۔ یہ شعر اساتذہ مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ھے۔ کوئی صاحب ھوں گے کہ انہوں نے لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہہ دیا اور کسی استاد کا نام لے دیا کہ یہ اون کا ھے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے۔ جو جس کے کانوں کو لگے، جس کو جس کا دل قبول کرے، اس طرح کہے۔ رتھ میرے نزدیک مذکر ھے، یعنی رتھ آیا، لیکن جمع میں کیا کروں گا؟ ناچار مؤنث بولنا پڑے گا، یعنی ''رتھیں آئیں،،۔ خیر مؤنث ھے بہ اتفاق، مگر ''کاغذ اخبار،،، اس کو خود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ھے۔ میں تو مذکر کہوں گا۔ یعنی اخبار آیا۔ بیر ھوئی یا ھوا؟ یہ منطق عوام کا ھے۔ ھمیں اس سے کچھ کام نہیں۔ ھم کہیں گے کہ

دو شنبہ ہوا، پیر کا دن ہوا، نری پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے؟ ''بلبل،، میرے نزدیک مؤنث ہے جمع ان کی بلبلیں ۔ طوطی بولتا ہے، بلبل بولتی ہے ۱۲

بھائی اس امر میں مفتی و مجتہد بن نہیں سکتا ۔ اپنا عندیہ لکھتا ہوں ۔ جو چاہے مانے، جو چاہے نہ مانے ۱۲

سہ شنبہ ۸- دسمبر ۱۸۶۳ء   نجات کا طالب، غالب

(۴۸)

برخوردار کامگار ، میر مہدی دھلوی، اردو بازار کے مولوی، صاحب لوائے ولاے مرتضوی پر علم عباس رض ابن علی رض کا سایہ ۔ راجا صاحب (۱) کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی سن چکے تھے ۔ الحمدللہ علیٰ کل حال ۔ دیکھیے، اب معاودت کب کرتے ہیں ۔ موافق اپنے وعدہ کے ہم کو کیوں کر طلب کرتے ہیں ۔ کلکتہ جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں آ کر اسداللہ کو بلاؤں گا ۔ البتہ اگر وہ بلائیں گے تو میں کیوں کر نہ جاؤں گا ظاہر ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہاے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے ۔(۲) اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی ۔ وہ مقرب بنیں گے ، اگر میری قسمت لڑے گی تم کامیابی کا سامان کر رکھنا، میرن صاحب کو مجھ پر مہربان کر رکھنا ۔ بھائی یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں ، حضور کے بڑے مصاحب ہیں ۔ جس گروہ میں سے جس کو چاہیں حضور کو ملوا دیں ۔ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں دلوا دیں ۔ ان کو اور مجتہد العصر کو میری دعا کہنا ۔

نجات کا طالب غالب،

---

(۱) شیو دھیان سنگھ والی الور۔

(۲) میرزا کی خوش فہمی اور سادگی ملاحظہ ہو کہ کسی طرف سے ذرا سا سہارا پاتے ہی خوشگوار امیدوں اور کامرانیوں کی ایک دنیا اپنے ذہن میں آراستہ کر لیتے ہیں ۔

میری جان،

وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کے عہد میں مروج تھی، اوس میں ''خر،، بہ خائے مضموم، ''نور قاہر،، کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے اس واسطے آفتاب کو ''خر،، لکھا اور ''شید،، کا لفظ بڑھا دیا۔ ''شید،، بہ شین مکسور و یاے معروف بروزن ''عید،، ''روشنی،، کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ اوس ''نور قاہر ایزدی،، کی روشنی ہے۔ ''خر،، اور ''خورشید،، یہ دونوں اسم ''آفتاب،، کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ وہ منبع علوم ہوئے، واسطے رفع التباس کے ''خر،، میں واؤ معدولہ بڑھا کر ''خور،، لکھنا شروع کیا۔ ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدے کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے۔ فقیر ''خر،، جہاں بے اضافۂ لفظ ''شید،، لکھتا ہے، موافق قانون عظماے عرب بہ واؤ معدولہ لکھتا ہے، یعنی ''خور،، اور جہاں بہ اضافۂ لفظ ''شید،، لکھتا ہے وہاں بہ پیروی بزرگان پارس سر بسر لفظ ''خور،، کو بے واؤ لکھتا ہے، یعنی ''خرشید،،۔ خر کا قافیہ ''در،، اور ''بر،، کے ساتھ جائز اور روا ہے۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واؤ کیوں لکھوں؟ رہا ''خورشید،، چاہو بے واؤ لکھو، چاہو مع الواؤ لکھو۔ میں بے واو لکھتا ہوں مگر مع الواؤ کو غلط نہیں جانتا اور ''خر،، کو کبھی بے واؤ نہ لکھوں گا، قافیہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی نظم میں، وسط شعر میں آ پڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو، ''خور،، لکھوں گا۔ یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح ''خر،، ترجمہ ''قاہر،، کا ہے اسی طرح ''جم،، ترجمہ ''قادر،، کا ہے کہ بہ اضافہ لفظ ''شید،، اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے۔

"مجتہدالعصر،، میر سر فراز حسین کو دعا پہنچے۔ سچ کہیے، تمہیں وهاں کوئی "مجتہد العصر ،، نه کہتا ہوگا۔ نه کہو، تم کو کیا؟ میں نے تم نے مان لیا، اب کوئی کہے یا نه کہے۔ میاں بدرالدین سے ایک مہر کھدوا دوں گا۔

"جناب مجتہدالعصر سرفراز حسین،،

بس، تم یه مہر خطوں پر، محضروں پر، تمسکوں پر، کرنی شروع کرنا۔ سب کے سب تم کو مجتہدالعصر کہنے لگیں گے۔

حکیم میر اشرف علی کو اور ان کے فرزند کو دعا پہنچے۔

میرن صاحب کو دعا پہنچے۔ بھائی میرن، اب وه خس کا پرده کھول ڈالا صافیاں جھجر پر لپیٹتا ہوں۔ دم به دم بھگوتا ہوں۔ وه لو کہاں جو پردے سے لپٹ کر صافی کو لگے آ کر اور پانی کو ٹھنڈا کرے؟ وه پانی جو میر سہدی اور تم اور حکیم جی پیا کیے ہو، اب کہاں؟ برف پندره دن کی اور باقی هے، آئنده خدا رازق هے۔

(۵۰)

قرةالعنیین میر سہدی و میر سرفراز حسین، مجھ سے ناخوش اور گله مند ہوں گے اور کہتے ہوں گے که دیکھو، ہمیں خط نہیں لکھتا:

ہم بھی منه میں زبان رکھتے ہیں
کاش پوچھو که ماجرا(۱) کیا هے؟

ماجرا یه هے که تمہارا ابھی تو کوئی خط نہیں آیا، میں جس کا جواب لکھتا۔ میرن صاحب سے تمہاری خیر و عافیت پوچھنی اور کہه دینا که میری دعا لکھ بھیجنا۔ بس، اب اتنا هی دم باقی هے۔ کل میرن

(۱) مطبوعه دیوان میں "ماجرا،، کی جگه "مدعا،، هے۔

صاحب آئے ، پوچھا کہ الور سے کوئی خط آیا ؟ فرمایا : اس ہفتے میں کوئی خط میں نے نہیں پایا ۔ کیا کہوں کہ کیا حال ہے؟ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا :

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

اب اس زمزمے کا بھی محل نہ رہا، یعنی سعی بے حاصل کی لذت خاک میں مل گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؂

شنبہ ۱۸- شعبان ۱۲۸۱ھ

(۱۷- جنوری ۱۸۶۵ء) مرگ ناگہ کا طالب، غالب

مجتہدالعصر میر سرفراز حسین

(۱)

نور چشم، راحت جان، میر سرفراز حسین جیتے رہو ۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا، جو بوے پیرہن نے یعقوب کے ساتھ کیا۔ میاں، یہ ہم تم بوڑھے ہیں یا جوان ہیں، توانا ہیں یا ناتوان ہیں، بڑے بیش قیمت ہیں ، یعنی بہ ہر حال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے :

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے، وہ یوسف میرزا آئے، وہ میرن آئے، وہ یوسف علی خاں آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں۔ اللہ، اللہ، ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں، میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا ؟

سنو غالب، رونا پیٹنا کیا۔ کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سر فراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھواؤ اور میرن صاحب کو بلاؤ۔ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے پاس آئے تھے، کہتے تھے کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤں گا۔ میں نے ان کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے، اگر بھول نہ جائیں گے، پہنچائیں گے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ صاحب ابن نہیں ہے، نہ ہو، غلام اشرف نہیں ہے، نہ ہو، اگر منظور کیجیے تو میں صوفی ہوں، ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ بموجب مصرع :

دل بدست آور کہ حج اکبر است

تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ مانو، تو خوش، اگر غلام اشرف مانو، تو راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ، دن کو مجھ سے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ اور جلدی آؤ۔

سید، الور کا جو حال لکھتے ہو، وہ سچ ہے۔ راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں، مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں (۱)۔ کیا مجمع برہم ہوا ہے! مجھ کو کیسا غم ہوا ہے! تم اس جرگے سے جدا ہو، تم کو کیا اندیشہ ہے؟ میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں، ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے، مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی، میری دعا پہنچے۔ میر نصیرالدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں۔ ہوں تو دعا کہنا۔ میرن صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے، دعا سلام کی حاجت کیا؟ دیکھو ہم اپنا نام نہیں لکھتے، بھلا دیکھیں تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے؟

---

(۱) امین اللہ خاں اور اس کے بھائیوں کے خلاف راجپوتوں کے ہنگامے کی کیفیت پہلے لکھی جا چکی ہے۔

میری جان کے چین، مجتہدالعصر میر سرفراز حسین!

تم کو اور تمہارے بھائی کو اور تمہارے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ ''غدر'' سے پہلے ہر دربار میں خلعت پاتا تھا۔ بعد ''غدر'' دربار اور خلعت اور ملاقات سکرتروں کی، یہ سب موقوف۔ اب جو لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے، تو انہوں نے خود مجھے بلا بھیجا اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہ محبت دیتے ہیں اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں بھی دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جاؤگے تو پاؤگے میں انبالے نہ جا سکا۔ بالفعل نواب گورنر کے خلعت پر قناعت کی۔ اس خلعت کو بشرط حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔

ہملٹن(۱) صاحب الور میں آ گئے۔ راجہ صاحب دربار روز کرتے ہیں۔ اہل اغراض کے عرائض جو حضور میں گزرتے ہیں، وہ حضور پنچوں کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ خریطہ یعنی حکم اختیار پانے کا ابھی نہیں آیا۔ یقین ہے کہ لارڈ صاحب بعد اختتام سفر، جب شملہ پہنچیں گے، تو خریطہ جاری ہوگا۔ آج جمعہ ساتویں شوال کی اور ستائیسویں مارچ کی ہے۔ چار گھڑی دن چڑھا ہے۔ میں یہ خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ تم بھی پڑھو اور میر مہدی کو بھی پڑھا دو۔ اب شاید تھوڑے دنوں تک میں خط نہ لکھ سکوں۔ تفصیل اس کی یہ کہ رجب کے مہینے میں سیدھے ہاتھ پر ایک پھنسی ہوئی، پھنسی پھوڑا ہو گئی۔ پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا، زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر

---

(۱) غالباً اس سے مراد سر رابرٹ ہملٹن ہے (۱۸۰۲ـــ۱۸۸۷ء) ہملٹن ۱۸۵۷ء میں وسط ہند کی مہمات کے سرانجام کے لیے جنرل سر ہیوروز کے ساتھ پولیٹیکل افسر کی حیثیت سے رہا۔ پھر سوپریم کونسل کا ممبر بن گیا۔ ایک ولیم ہملٹن دہلی کا کمشنر تھا لیکن الور سے اسے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔

ایک کف دست وہ گوشت مردار ہو گیا۔ انبالے نہ جانے کی بھی یہی وجہ ہوئی۔ دو ہفتے سے انگریزی علاج ہوتا ہے۔ کالا ڈاکٹر روز آتا ہے۔ آج اس نے ارادہ اس مردار گوشت کے کاٹنے کا کیا ہے۔ اب وہ آتا ہوگا۔ جلد جلد یہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں، تا کہ پھر ہاتھ کے پرزے اڑا دوں۔

۷۔ شوال (۱۲۷۹ھ) نجات کا طالب، غالب

مطابق ۲۷۔ مارچ (۱۸۶۳ء)

میر افضل علی عرف میرن صاحب

(۱)

سعادت و اقبال نشان، میر افضل علی صاحب المعروف بہ میرن صاحب! خدا تم کو سلامت رکھے اور پھر تمہاری صورت مجھ کو دکھاوے۔ تمہارا خط پہنچا، آنکھوں سے لگایا، آنکھوں میں نور آیا، دل پر رکھا، مزا پایا۔ کل تک اس نام کو سن کر شرماتے تھے اور آپ ہی آپ گھلے جاتے تھے۔ اب بن بن کر باتیں بناتے ہو اور ہم کو کڑیاں سناتے ہو۔ کاش کہ تم یہاں آ جاؤ، تب اس تحریر کا مزہ پاؤ۔ میر مہدی صاحب وہ تحریر تمہاری بہ نسبت میرے دیکھ کر بہت خفا ہوئے۔ چنانچہ اب جو تمہاری ان کی ملاقات ہوگی تو تم کو معلوم ہوگا۔

بھائی تمہارے سالے بہت غرور کے پتلے ہیں۔ دو ایک بار میں نے ان کو بلایا، انہوں نے کرم نہ فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو، یہ لوگ اور ہی آب و گل کے ہیں۔ تمہاری اور اون کی کبھی نہ بنے گی اور گھری نہ چھنے گی۔ وہیں بیٹھے رہو، دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ رنج و عذاب کا زمانہ جلد گزرتا ہے۔

میر سرفراز حسین کو میری دعا کہنا اور کہنا: بھائی، وہ زمانہ آیا ہے کہ سیکڑوں عزیز راہی ملک عدم ہوئے۔ سیکڑوں ایسے مفقودالخبر

ہوگئے کہ ان کے مرگ و زیست کی خبر نہیں۔ دو چار جو باقی رہے ہیں
خدا جانے کہاں بستے ہیں کہ ہم ان کے دیکھنے کو ترستے ہیں۔
میر نصیرالدین کو پہلے بندگی، پھر دعا۔

دو شنبہ ۹- نومبر ۱۸۵۸ء

بین الظہر والعصر (بحوالہ میر مہدی(۱) طالعمرہ)

نجات کا طالب، غالب

(۲)

برخوردار کامگار میر افضل علی عرف میرن صاحب طال‌اللہ عمرہ،

بعد دعا کے واضح رائے سعادت انتمائے ہو، آپ کا خط پہنچا۔ اگرچہ میں نے صرف پڑھا، میر مہدی کے جلانے کو لکھتا ہوں کہ میں نے آنکھوں سے لگایا۔ ہاں صاحب، تم نے جو لکھا ہے کہ قبلہ و کعبہ کہنے سے وہ صاحب بہت خوش ہوتے ہیں، کیوں نہ خوش ہوں؟ خوشی کی بات ہے۔ تمہارے سر کی قسم، میں گویا دیکھ رہا ہوں اور میری نظر میں پھر رہا ہے۔ وہ میر سرفراز حسین کا شرما کر آنکھیں نیچی کرنا اور مسکرانا۔ خدا کبھی مجھ کو بھی وہ صورت دکھائے۔ میر نصیرالدین یہاں آ گئے ہیں۔ تم مجتہدالعصر اور حکیم میر اشرف علی کو میری دعا کہنا اور میر مہدی پوچھیں تو کہنا کہ تم کو کچھ نہیں لکھا۔ کل میں نے خبر منگوائی تھی، سو لڑکی کو ابھی تپ آئے جاتی ہے۔ یقین ہے کہ تم نے وہاں پہنچ کر مولوی مظہر علی کو خط لکھا ہوگا۔ ہاں تم کو ضرور ہے، ان سے نامہ و پیام کی رسم رکھنی۔ والدعا

غالب

چہارشنبہ ششم جولائی ۱۸۵۹ء

---

(۱) مطلب یہ کہ خط ڈاک میں نہیں بھیجا گیا، مجروح کے ذریعے دستی بھیجا گیا۔

میری جان،

تمہارا رقعہ پہنچا ۔ نہ کھلا کہ میر سرفراز حسین جے پور کیوں جاتے ہیں ؟ بہ ہر حال میر مہدی کو دعا کہنا اور میر سرفراز حسین سے یہ پوچھنا کہ تم جے پور چلے، میں نے تم کو خدا کو سونپا، تم مجھے کس کو سونپ چلے؟

۲- جولائی ۱۸٦۴ء　　　　جواب کا طالب، غالب

انورالدولہ شفق

انورالدولہ سعیدالملک نواب محمد سعدالدین احمد خاں بہادر صولت جنگ عرف منجھلے صاحب رئیس کالپی، یہ نظام‌الملک آصف جاہ اول کے اخلاف میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یوں ہے : شفق ابن نواب افضل‌الدولہ احمد بخش خاں بہادر عرف میر منو بیتاب تخلص، بن نواب ناصرالدولہ بہادر ناصر تخلص، بن وزیرالممالک عمادالملک، غازی الدین خاں بہادر نظام تخلص، بن امیرالامرا غازی‌الدین خاں بہادر فیروز جنگ، بن نظام‌الملک آصف جاہ اول۔

نظام‌الملک نے دربار شاہی کے اوضاع و اطوار بگڑے ہوئے دیکھے تو دکن جا کر صوبیداری سنبھال لی اور اپنے فرزند اکبر کو خاندانی خطاب دلوا کر دھلی میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔ والد کی وفات کے بعد غازی‌الدین فیروز جنگ نے آبائی میراث سنبھالنے کے لیے دکن کا قصد کیا۔ اورنگ آباد پہنچنے کے بعد سات روز میں اچانک انتقال ہو گیا (۷۔ ذی‌الحجہ ۱۱۶۵ھ — ۱۲۔اکتوبر ۱۷۵۲ء) دھلی میں عمادالملک نے سلطنت کی مختاری سنبھال لی اور اس کی مختلف کاروائیوں نے سلطنت کو جو نقصان پہنچایا اس کی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کو برباد کرنے والوں میں سے ایک وہ بھی تھا۔ آخر وہ حج کے لیے چلا گیا۔ لوٹا تو سندھ کی تباھی پر ایک مثنوی مرتب کی۔ ایک مثنوی میں مولانا فخرالدین فخر عالم کی کرامتوں

کا بیان ھے ۔ سندھیا نے اسے ایک جاگیر دے دی تھی۔ جہاں باقی عمر گزار کر ۱۸۰۰ء میں فوت ہوا ۔ اس کی اولاد برابر اس جاگیر پر قابض رہی ۔

شفق پہلے میر امجد علی قاق کا شاگرد تھا ۔ پھر میرزا غالب سے اصلاح لیتا رہا ۔ ایک نثری رسالہ ''چشمۂ فیض،، بھی اس نے یادگار چھوڑا ھے ۱۲۹۸ھ - ۱۸۸۰ء میں انتقال ہوا ۔

شفق کا چھوٹا بھائی نورالدین شفیق ، ایک بیٹا محی‌الدین حافظ اور ایک بھتیجا حمیدالدین نجم بھی شعر کہتے تھے ۔ (تلامذۂ غالب، نادرات غالب، سخن شعرا وغیرہ) ۔

---

(۱)

قبلہ حاجات !

قصیدہ دوبارہ پہنچا ۔ چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی، ناچار اوس کو ایک اور دو ورقہ پر لکھوایا اور حضور میں گزرانا اور تمنائے دیرینہ حاصل کی(۱) ، یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہو گئے ۔ احترام الدولہ(۲) بہادر میرے ہم زبان اور آپ کے

---

(۱) یعنی شفق نے بہادر شاہ کی مدح میں قصیدہ بھیجا تھا جو میرزا غالب کی وساطت سے پیش ہوا اور پادشاہ نے اس پر خوشنودی کا شقہ لکھا ۔ دوبارہ کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ھے کہ ایک مرتبہ اصلاح کے بعد واپس کیا گیا ، شفق نے دوبارہ اصلاح کے مطابق لکھوا کر بھیجا ۔

(۲) حکیم احسن‌اللہ خاں ۔ ''شریک غالب،، کے دو مفہوم ھیں ۔ پہلا یہ کہ وہ میرزا غالب کے شریک رھے ۔ یہ شرکت بہ کسرۂ اضافی تھی ۔ دوسرا یہ کہ زیر بحث کام میں ان سے زیادہ مدد ملی ۔ گویا وہ شریک غالب تھے ۔ یہ شرکت بہ کسرۂ توصیفی ہوئی ۔

ثنا خواں رہے۔ گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں، ہم بطریق کسرۂ اضافی و ہم بطریق کسرۂ توصیفی۔ پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے کہ قدردان کمال، بلکہ حق تو یوں ہے کہ خیر محض ہے(۱)۔

''غیاث‌اللغات،، ایک نام موقرو معزز، جیسے القربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟(۲) ایک معلم فرومایہ، رام پور کا رہنے والا، فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام، انشأ خلیفہ و منشآت مادھو رام کا پڑھانے والا۔ چنانچہ دیباچے میں اپنا ماخذ بھی اوس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھو رام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ(۳) راہ سخن کے غول ہیں، آدمی کے گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کو کیا جانیں؟ ہاں طبع موزوں رکھتے تھے۔

هرزه مشتاب و پئے جاده شناسان بردار
اے که در راه سخن چوں تو هزار آمدو رفت(۴)

میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کس قدر آرزو مند ہوں۔ میرا ایک بھائی، ماموں کا بیٹا، نواب ذوالفقار بہادر(۵)، کی حقیقی خالہ کا

---

(۱) حکیم احسن‌اللہ خاں کی ستایش۔

(۲) غیاث‌الدین رام پوری صاحب ''غیاث‌اللغات،،۔

(۳) یعنی غنیمت، قتیل وغیرہ۔ صحیح یہ ہے کہ مخذ میں ان کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۴) یہ شعر خود میرزا کا ہے۔

(۵) والی باندہ بوندھیل کھنڈ۔ چتر سال بوندھیلہ کے خاندان کی ایک لڑکی سے، جو مسلمان سمجھی جاتی تھی، باجی راؤ نے پیشوا نے شادی کر لی تھی۔ (دیکھیے اگلے صفحے پر)

بیٹا ہوتا تھا اور مسند نشیں حال کا چچا تھا اور وہ میرا ہم‌شیر بھی تھا ـ یعنی میں نے اپنی ممانی اور اس نے اپنی پھوپھی(۱) کا دودھ پیا تھا ـ وہ باعث ہوا تھا میرے باندہ‌بوندیل کھنڈ آنے کا ـ میں نے سب سامان سفر کر لیا ـ ڈاک میں روپیہ ڈاک کو دے دیا ـ قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا ـ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جاکر، ہفتہ بھر رہ کر ، کالپی ہوتا ہوا، آپ کے قدم دیکھتا ہوا، بسبیل ڈاک دلی چلا آؤں گا ـ ناگاہ حضور والا(۲) بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا ـ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا اورنگ خاں(۳)، میرا بھائی مر گیا :

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا ، مگر میں نتیجہ اس شکل کا آپ کے دیدار کو سمجھا ہوا تھا ـ ہرزہ سرائی کا جرم معاف کیجیے گا ـ میرا جی آپ کے ساتھ باتیں کرنے کو چاہا ، اس واسطے جو دل میں

اس سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام شمشیر بہادر تھا ـ مرہٹوں نے اسے باندہ بطور جاگیر دے دیا تھا ـ شمشیر بہادر کا بیٹا علی بہادر اول اور اس کا بیٹا ذوالفقار بہادر تھا جس نے ۱۸۱۲ء میں انگریزوں سے معاہدہ کر لیا تھا ـ ذوالفقار بہادر میرزا غالب کی ممانی کی ہمشیرہ کا بیٹا تھا ـ اس کا بیٹا علی بہادر دوم تھا ، جس کے لیے میرزا نے لکھا تھا :

دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں ـ

(۱) والدہ غالب ـ (۲) بہادر شاہ ـ

(۳) ایک نسخہ اوزبک خاں بھی ہے (خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد ص ۱۳۶) ـ

تھا وہ اس عبارت سےزبان پر آیا (۱)۔

(۱۸۵۳ء)

(۲)

کیوں کر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلۂ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں۔ نہ القاب، نہ آداب، نہ بندگی، نہ تسلیم۔

---

(۱) خطوط غالب (مرتبہ مہیش پرشاد) میں اسے ۱۸۵۶ء کا مکتوب قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ تین سال پیشتر کا ہے۔ اس میں بہادر شاہ کی بیماری کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے سفر ملتوی کرنا پڑا۔ بہادر شاہ ۱۸۵۳ء میں بیمار ہوئے تھے۔ میرزا نے منشی نبی بخش حقیر کو ۲۱ اگست ۱۸۵۳ء کے خط میں لکھا تھا کہ بادشاہ کا:

> مرض جاتا رہا۔ ضعف باقی ہے .... لیکن وہ میرا مدعا کہ غسل صحت کریں اور نذریں لیں اور میں رخصت لوں اور بہ سبیل ڈاک باندہ جاؤں، دیکھیے کب تک حاصل ہو..... کول میں بھائی کا ملنا اور باندے میں بھائیوں کا ملنا اور بچوں کا دیکھنا، یہ دیکھا چاہیے کب میسر ہو.... بھائی، خدا کی قسم یہ سفر میرے دلخواہ اور موافق مزاج تھا (نادرات غالب ص ۴۳)۔

آگے لکھتے ہیں کہ اب جو صورت ہے اس میں رخصت لے سکنا یا رخصت لیے بغیر جانا ممکن نہیں۔

اس بناء پر زیر نظر خط بھی ۱۸۵۳ء ہی کا ہونا چاہیے اور یہی پہلا خط بنام شفق ہے جو دستیاب ہوا۔ پیشتر کے اور بہت سے بعد کے خط تلف ہو گئے۔

سن غالب ! ہم تجھ سے کہتے ہیں، بہت مصاحب نہ بن، اے ایاز! حد خود بشناس۔ مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد رات کو نو بیت کی غزل لکھی ہے اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہے، مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے؟ پہلے القاب لکھ، پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ، پھر عنایت نامہ کے آنے کا شکریہ ادا کر کہ جو میں تصور کر رہا تھا، وہ ہوا یعنی جس دن صبح کو میں نے خط بھیجا، اوسی دن آخر روز حضور کا فرمان پہنچا۔ معلوم ہوا کہ حرارت ہنوز باقی ہے۔ ان شاءاللہ رفع ہو جائے گی۔ موسم اچھا آ گیا ہے:

گرمی از آب بیروں رفت و حرارت ز ہوا
محمل مہر جہاں تاب بہ میزاں آمد(۱)

اگر صرف تبرید و تعدیل سے کام نکل جائے تو کیا کہنا، ورنہ بحسب راے طبیب تنقیہ کرائیے۔ مجھ کو بھی آج دسواں منضج ہے۔ پانچ سات دن کے بعد مسہل ہوگا۔

شب کو ناگاہ ایک نئی زمین خیال میں آئی۔ طبیعت نے راہ دی۔ غزل تمام کی۔ اوسی وقت سے یہ خیال میں تھا کہ کب صبح ہو اور کب یہ غزل نواب صاحب کو بھیجوں۔ خدا کرے آپ پسند کریں اور میرے قبلہ جناب میر امجد علی صاحب کو سنا دیں اور میرے شفیق، منشی نادر حسین خاں اور اون کے بھائی صاحب اس کو پڑھیں۔ پروردگار اس مجمع کو سلامت رکھے:

غزل

اے ذوق نوا سنجی، بازم بہ خروش آور
غوغاے شبیخونے، بر بنگہ ہوش آور

---

(۱) یہ شعر بھی میرزا کا ہے والی ٹونک کے ایک قصیدے کی تشبیب میں ہے۔

گر خود بخهد 'از سر، از دیده فرو بارم
دل‌خوں کن و آں‌خوں‌را، در سینہ بہ جوش آور
ہاں ہمدم فرزانہ، دانی رہ ویرانہ
شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور
شورابۂ ایں وادی تلخ است، اگر رادی
از شہر بسوے من، سر چشمۂ نوش آور
دانم کہ زرے داری، ہر جا گزرے داری
مے گر نہ دہد سلطاں، از بادہ فروش آور
گر مغ کدو ریزد، بر کف نہ و راہی شو
در شہ بہ سبو بخشد، بردار و بدوش آور
ریحاں دمد از مینا، رامش چکد از قلقل
آں در رہ چشم افگن، ایں از پئے گوش آور
گاہے بہ سبک دستی، زاں بادہ زخویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی، از نغمہ بہ ہوش آور
غالب کہ بقایش باد، ہم پاے تو گرناید
بارے غزلے، فردے، زاں موینہ پوش آور

دو شنبہ ۲۱ محرم ۱۲۷۲ھ (۲- اکتوبر ۱۸۵۵)

(۳)

للہ‌الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاج اقدس بہ خیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازش نامے کا جواب، با آنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا، ہنوز لکھنے نہیں پایا کہ کل ایک مکرمت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں۔ چنانچہ کل تیسرا مسہل ہو گیا۔ اس سبب سے توقیع کا پاسخ نگار نہ ہوسکا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا، جو آپ نے لکھا ہے۔
"ارنی" کی رے کی حرکت و سکون کے باب میں قول فیصل یہی ہے، جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور "ارنی"

"برورن چمنی"، گنجایش پائے، تو نعم‌الاتفاق ہے، ورنہ قاعدہ تصرف مقتضی جواز ہے(۱)۔ میرزا عبدالقادر بیدل :

چو رسی بہ طوز ہمت ارنی مگو و بگزر
کہ نیر زد این تمنا بجواب لن ترانی

اسداللہ بیگ غالب :

رفت آنکہ ماز حسن مدارا طلب کنیم
سر رشتہ در کف ارنی گوے طور بود

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہائے کیا غزل لکھی۔ قبلہ، آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے؟ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز زبان؟ کیا میں سخن ناشناس اور نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جرأت کروں؟ :

چہ حاجت است بہ مشاطہ روے زیبا را

ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں :

اے مطرب جادو فن، بازم رہ ہوشم زن(۲)

دو میم آ پڑے ہیں، ایک میم محض بیکار ہے۔ "دیگر"، کی جگہ آپ "بازم"، لکھ گئے ہیں :

اے مطرب جادو فن، دیگر رہ ہوشم زن

اب دیکھیے اور صاحبوں کی غزلیں کب آتی ہیں۔ اتنی عنایت فرمائیے گا، کہ ہر صاحب کے تخلص کے ساتھ اون کا اسم مبارک اور کچھ حال رقم کیجیے گا۔ زیادہ حد آداب۔ از اسد اللہ

نگاشتہ پنجشنبہ، ششم صفر ۱۲۷۲ھ و ہژدہم اکتوبر ۱۸۵۵ء

---

(۱) یعنی رے کو ساکن باندھا جا سکتا ہے۔

(۲) معلوم ہوتا ہے یہ غزل خود میرزا کی غزل پر کہی گئی، جو مکتوب (۲) میں درج ہے۔

پیر و مرشد،

حضور کا توقیع خاص اور آپ کا نوازش نامہ، یہ دونوں حرز(۱) بازو ایک دن اور ایک وقت پہنچے۔ توقیع کا جواب دو چار دن میں لکھوں گا۔ ناسازی مزاج مبارک موجب تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں، مگر ضعف باقی ہے، لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے، اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں۔ سینتیس روپے کی ہنڈوی پہنچی۔ اس کا بھی حال سابق کی ہنڈوی کا سا ہے، یعنی ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کالپی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی، جو ہم روپیہ دیں۔ اگر سرکار کے کارپرداز وہاں کے ساہوکار سے کہہ کر اجازت لکھوا بھیجیں تو مناسب ہے (۲)۔

صہبائی کے تذکرے(۳) کی ایک جلد میری ملک میں سے، میرے پاس تھی، وہ میں اپنی طرف سے بسبیل ارمغان آپ کو بھیجتا ہوں۔ نذر قبول ہو۔ اب میں حضرت سے باتیں کر چکا۔ خط کو سرنامہ کر کے کہار کو دیتا

---

(۱) لغوی معنی پناہ گاہ مجازاً بہ معنی تعویذ۔

(۲) اس زمانے میں ارسال زر کا معاملہ ہنڈیوں ہی کی بناء پر جاری تھا۔ یعنی ایک مقام کے ساہوکار مرسل سے روپیہ لے کر مرسل الیہ کے مقام کے اس ساہوکار یا ساہوکاروں کے نام ایک پرچہ لکھ دیتے تھے اور وہاں سے روپیہ مل جاتا تھا۔

(۳) اس سے اشارہ غالباً تذکرہ ''گلستان سخن،،، کی طرف ہے، جو عام روایت کے مطابق مولوی امام بخش صہبائی نے لکھا تھا،، مگر وہ مولوی صاحب کے شاگرد شہزادہ قادر بخش صابر کے نام سے مشہور ہوا۔ صابر کا نسب نامہ یہ ہے: صابر ابن میرزا مکرم بخت، ابن میرزا خورد بہادر ابن اعزالدین ابن معزالدین جہاندار شاہ۔

ہوں کہ ڈاک میں دے آوے۔ بارہ پر دو بجے کتاب کا پارسل بطریق بیرنگ روانہ کروں گا۔

پیشگاہ (۱) وزارت میں میری بندگی پہنچے۔ عرضداشت بعد اس کے پہنچے گی۔ جناب میر صاحب قبلہ میر امجد علی صاحب کو سلام نیاز اور جناب منشی نادر حسین کو سلام۔

(۵)

پیر و مرشد،

اگر میں نے ''امیدگاہ،، بکاف عربی از راہ شکوہ لکھا، تو کیا گناہ؟ نہ خط کا جواب، نہ قصیدے کی رسید:

دریں خستگی پوزش از من مجوے
بود بندۂ خستہ گستاخ گوے

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ان موانع کے سبب سے میں قصیدہ کی تحسین نہیں لکھ سکا، بندہ بے ادب نہیں، تحسین طلب نہیں۔ ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ (۲) کے کوئی سخن دان نہیں۔ میں جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں، گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں:

وائے بر جانِ سخن گر بہ سخندان نہ رسد

افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار، آپ کی نظر میں نہیں، ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔ نواب صاحب! اب نہ دل میں وہ طاقت، نہ

---

(۱) بظاہر پیشگاہ وزارت سے مراد شفق کے والد نواب افضل الدولہ احمد بخش بیتاب ہیں۔

(۲) حکیم احسن اللہ خاں۔

قلم میں وہ زور۔ سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے (۱)، بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آ جائے وہ لکھ لوں۔ ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بقول مرزا عبدالقادر بیدل:

جہد ہا در خور توانائی ست

ضعف یکسر فراغ مے خواہد

مہر کا حال معلوم ہوا۔ پہلے آپ لکھ بھیجیے کہ کیا کھودا جائے؟ مہدی حسن خاں؟ مہدی حسین خان بہادر؟ لکھ رہا ہوں، صرف یاد پر لکھ رہا ہوں، ورنہ خط لڑکوں نے کھو دیا ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ نگینہ وہاں سے بھیجنے کو آپ نے لکھا، سو مکرر خواہاں ہوں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگینہ بھیجیے گا یا یہاں سے خریدا جائے گا؟ اور نقش نگیں کیا ہوگا؟ تا کہ شمار حروف کا مجھ کو معلوم رہے۔ اب جب آپ مجھ کو لکھیں گے، تب میں اس کا جواب لکھوں گا۔ حافظ صاحب کا پہنچنا تقریباً (۲) معلوم ہوا، یعنی اون کی طرف سے آپ نے مجھ کو سلام لکھا ہے۔ سو میں بھی اون کی خدمت میں بندگی اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کی جناب میں سلام عرض کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب۔

---

(۱) منشی مہیش پرشاد نے ''زور،، کو ''سخن گستری،، سے وابستہ کیا ہے یعنی ان کے نزدیک فقرہ یوں ہے: ''نہ قلم میں وہ زور سخن گستری کا،، حالانکہ سخن گستری کا پیوند اگلے ٹکڑے سے ہے، گویا عبارت یوں ہے: ''نہ قلم میں وہ زور، سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے،،۔

(۲) یہاں تقریباً سے مراد تخمیناً نہیں۔ یہ مراد ہے کہ آپ نے ان کا سلام لکھا۔ یوں ضمناً معلوم ہو گیا کہ وہ آ گئے۔

(۶)

پیر و مرشد،

یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا۔ خلاصۂ عرض یہ ہے کہ آج شہر میں بدرالدین علی خاں کا نظیر نہیں۔ بس مہر اور کون کھود سکے گا؟ ناچار میں نے آپ کا نوازش نامہ، جو میرے نام تھا، وہ ان کے پاس بھجوا دیا۔ انہوں نے رقعہ میرے نام آج بھیجا۔ سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ میں نہیں سمجھا کہ قسم دوم پکھراج کی کیا ہے؟ آپ پڑھ لیں اور سمجھ لیں اور نگین بہ احتیاط ارسال فرماویں۔ روپے کے بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں ہے، جب میں عرض کروں، تب بھیجیے گا۔ تعجب ہے کہ جناب میر امجد علی صاحب قلق کا اس خط میں سلام نہ تھا، متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے اون کو سنائے جائیں اور میری بندگی کہی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام بصد ہزار اشتیاق پہنچے۔ از غالب

مرقومہ یکشنبہ، ۲۹-جون ۱۸۵۶ء

(۷)

قبلہ و کعبہ،

وہ عنایت نامہ، جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی، پڑھ کر بے چین ہو گیا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ مزاج کا حال مفصل لکھیے۔ چونکہ آپ نے کچھ نہیں لکھا تو اور زیادہ مشوش ہوں۔ نسخۂ رفع تشویش یعنی شفقت نامہ جلد بھیجیے۔

جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ حضرت میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ متوقع ہوں کہ دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچے اور آپ ان کی خیر و عافیت لکھیں۔ کبوتروں کا نسخہ جیسا کہ میرے پاس آیا، بجنسہ ارسال کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہدالعصر لکھنؤ کے۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سیدالعلماؑ۔ نقش نگیں ''میر حسین ابن علی،،(۱) میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اس میں پانچ بڑھتے تھے، یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں جانتا ہوں اچھا ہے، دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں:

''حسین ابن علی،، آبروے علم و عمل — کہ ''سیدالعلما،، نقش خاتمش بودے
نہ ماند و ماندے اگر زندہ پنج سال دگر — ''غم حسین علی،، سال ماتمش بودے

زیادہ حد ادب۔ عرضداشت جواب طلب۔

دو شنبہ بہ حساب تقویم یازدھم و از روے رویت دھم ربیع‌الاول ۱۲۷۳ھ
(۱۰ نومبر ۱۸۵۶ء)

(۸)

حضرت پیر و مرشد،

اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجا لاؤ۔ خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انورالدولہ کا خط لایا:

ایں کہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

منہ پیٹتا ہوں اور سر پٹکتا ہوں کہ جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں، نہیں لکھ سکتا۔ الٰہی حیات جاودانی نہیں مانگتا، پہلے انورالدولہ سے مل کر سرگزشت بیان کروں، پھر اس کے بعد مروں۔ روپے کا نقصان اگرچہ جانکاہ

---

(۱) سیدالعلما سید حسین عرف میرن، مجتہدالعصر لکھنؤ کے چھوٹے بھائی تھے۔ تاریخ ولادت ۱۲۱۱ھ ۔ ۱۷۹۶ء تاریخ وفات ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۶ء۔

اور جانگزا ہے، پر بموجب ''تلف المال خلف العمر،، عمر فزا ہے۔ جو روپیہ ہاتھ سے گیا اس کو عمر کی قیمت جانئیے اور اثبات ذات اور بقاے عرض (۱) و ناموس کو غنیمت جانیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت وزیر اعظم(۲) کو سلامت رکھے اور اس خاندان کے نام و نشان اور عز و شان کو برقرار تا قیامت رکھے۔

میں نے گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد، نثر میں بعبارت فارسی نا آمیختہ بعربی، لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرے کو مطبع مفیدالخلاق میں چھپنے کو گئی ہے۔ ''دستنبو،، اوس کا نام رکھا ہے اور اوس میں صرف اپنی سرگزشت اور مشاھدے کے بیان سے کام رکھا ہے۔ بعد چھپ جانے کے وہ نسخہ حضرت کی نظر سے گزرانوں گا اور اوس کو ھم سخنی اور ھم زبانی جانوں گا۔

جناب میر امجد علی صاحب کا جو آپ کے خط میں ذکر نہیں آیا ہے تو اس خیر خواہ احباب کا دل گھبرایا ہے اب جو خط لکھیے تو اون کی خیر و عافیت بھر نمط لکھیے۔ اون کو بندگی اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام پہنچے۔

(اکتوبر ۱۸۵۸ء)

(۹)

پیر و مرشد،

ایک نوازش نامہ آیا اور ''دستنبو،، کے پہنچنے کا مژدہ پایا۔ اس کا جواب یہی کہ کارپردازان ڈاک کا احسان مانا اور اپنی محنت کو رائگاں نہ جانا۔

---

(۱) عرض (بہ کسر عین) آبرو۔

(۲) بظاھر یہ اس نقصان کی طرف اشارہ ہے جو ۱۸۵۷ء کے ھنگامے میں پیش آیا۔ وزیر اعظم سے مراد شفق کے والد ھیں۔ چونکہ وہ وزیرالمالک غازی الدین خاں مخاطب بہ عمادالملک کے اخلاف میں سے تھے، اس لیے بہ اعتبار میراث انہیں زیرو اعظم کہا گیا۔

چند روز کے بعد ایک عنایت نامہ اور پہنچا۔ گویا ساغرالتفات کا دوسرا دور پہنچا۔ اب ضرور آنڑا کہ کچھ حال اس ستارۂ دم دار کا لکھوں۔ چنانچہ جس وقت سے وہ خط پڑھا ہے، سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ چونکہ بسبب فقدان اسباب، یعنی عدم رصد و کتاب، کچھ نہیں کہا جاتا ہے، ناچار مرزا صائب کا مصرع زبان پر آجاتا ہے:

ازیں ستارۂ دنبالہ دار مے ترسم

یہ مطلع ہے اور پہلا مصرع یہ ہے

ز خال گوشۂ ابروے یار می ترسم

کیا آپ مجھ کو بے ہنری اور ہیچ میرزی(۱) میں صاحب کمال نہیں جانتے اور اس عبارت فارسی کو میرا مصدق حال نہیں مانتے؟

''پیش ملا طبیب و پیش طبیب ملا، پیش ہیچ ہر دو، پیش ہر دو ہیچ''

آرایش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے، ورنہ سوائے موزونی طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے؟ بہ ہر حال علم نجوم کے قاعدے کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، تب سطح فلک پر یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ جس برج میں یہ نظر آئے، اوس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں پھر ذوذ نابہ (۲) کے ممر (۳) کا طریقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کے جال ڈالتے ہیں، تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہان آباد میں بعد غروب آفتاب افق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ اون دنوں میں آفتاب اول میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجہ و دقیقہ کی حقیقت نامعلوم رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی۔ اب دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا۔ وہاں شاید

---

(۱) مجموعہ ہمیں پرشاد میں ''بے خبری'' ہے۔

(۲) ذوذنابہ: دمدار ستارہ۔ (۳) گزرگاہ۔

اب نظر آیا ہے، جو آپ نے اس کا حال پوچھا ہے (۱) - بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہر الہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہی کی۔ قران‌النحسین پھر کسوف، پھر خسوف (۲)، پھر یہ صورت پر کدورت۔ عیاذاً باللہ و پناہ بخدا!

یہاں پہلی نومبر کو بدھ(۳) کے دن، حسب‌الحکم حکام کوچہ و بازار میں روشنی ہوئی اور شب کو کمپنی کا ٹھیکا ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا بادشاہی عمل میں آنا سنایا گیا۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند کا خطاب دیا اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ اس تہنیت میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں، چنانچہ بشمول ''دستنبو'' نظر سے گزرا ہوگا:

تا نہال دوستی کے بر دھد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

اللہ! اللہ! اللہ!

چرا گویم کہ نامہ از کیست،
خود مے دانند کہ نامہ نگار کیست

جمعہ پنجم نومبر ۱۸۵۸ء

---

(۱) شفق نے میرزا غالب سے دمدار ستارے کے متعلق پوچھا تھا کیونکہ عام شہرت کے مطابق انہیں علم نجوم میں بھی دستگاہ حاصل تھی اور ان کے کلام میں نجوم سے خاصی شناسائی کے ثبوت ملتے ہیں۔
(۲) قران‌النحسین یعنی دو منحوس ستاروں کا ایک برج میں آنا، جس طرح قران‌السعدین کا مطلب ہے، دو مبارک ستاروں کا ایک برج میں آنا۔ کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن۔
(۳) تقویم کے مطابق پہلی نومبر دوشنبہ یعنی پیر کو تھی نہ کہ بدھ کو۔ یہاں یا تو میرزا سے سہو ہوا یا نقل و کتابت میں احتیاط ملحوظ نہ رہی۔

پیر و مرشد،

کیا حکم ہوتا ہے؟ احمق بن کر چپ ہو رہوں یا جو از روے کشف یقینی مجھ پر حالی ہوا ہے وہ کہوں؟ اول رجب میں آپ نے نوازش نامہ کب بھیجا؟ آخر میرے پاس پہنچ ہی گیا ، یہ جو اب بھیجا ۔ اگر روانہ ہوا ہوتا تو وہ بھی پہنچ گیا ہوتا (۱) ۔ بہر حال محبت کی گرمی ہنگامہ ہے، یہ جملہ محض آرایش عنوان نامہ ہے :

عمرت دراز باد کہ این ہم غنیمت است

پنسن داروں کا اجراے پنسن اور اہل شہر کی آبادی مسکن، یہاں اس صورت پر نہیں ہے جیسی اور کہیں ہے ۔ اور جگہ سیاست ہے کہ منجملہ ضروریات ریاست ہے، یہاں قہر الہیٰ ہے کہ منشأ تباہی ہے خاص میرے پنسن کے باب میں گورنمنٹ سے رپوٹ طلب ہوئی ہے ۔ ابناے روزگار حیران ہیں کہ یہ بھی ایک بات عجب ہوئی ہے ۔ رپوٹ کی روانگی کی دیر ہے، چند روز اور بھی قسمت کا پھیر ہے ۔ دلی علاقہ لفٹنٹ گورنر سے انقطاع پا گئی اور احاطہ پنجاب کے تحت حکومت آ گئی ۔ رپوٹ یہاں سے لاہور اور لاہور سے کلکتے جائے گی اور اسی طرح پھیر کھا کر نوید حکم منظوری آئے گی ۔

فعل لازمی کو جب متعدی کیا چاہیے تو پہلے مضارع میں سے مصدر بنا لینا چاہیے ۔ ''گشتن،، مصدر اصلی ''گردد،، مضارع ''گردیدن،، مصدر مضارعی، ''گرداندن،، ''گردانیدن،، مصدر متعدی ۔ موافق اس قاعدے کے ''کردن،، کا متعدی ''کناندن،، و ''کنانیدن،، نہ کہ ''کراندن،، ۔ ''کراندن،، تو کرانے کی فارسی ہے، جیسے جلنے کی فارسی ''چلیدن،، ہے اور یہ شوخی طبع و ظرافت ہے، نہ اس میں صحت ہے ، نہ لطافت ہے ۔ ''کراندن،، غلط اور ''کنانیدن،، صحیح ۔ ''گشتن،، کو ''گشتاندن،، اور ''رستن،، کو ''رستاندن،، نہ کہیں گے، بلکہ ''گردیدن،، و ''روئیدن،، بنا کر ''گرداندن،،

---

(۱) قافیہ بندی کے التزام میں عبارت قدرے پیچیدہ ہو گئی ۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جو خط اب بھیجھا ۔ مل گیا ۔ اگر پہلے بھیجا ہوتا تو وہ کیوں نہ ملتا ؟

و ''رویاندن،، لکھیں گے۔ بلغا کے کلام میں کردن کا متعدی شاید کہیں نہ آیا ہو، اگر آیا ہوگا تو کنانیدن آیا ہوگا۔ ''کراندن،، ٹکسال باہر ہے۔

تذکیر و تانیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ''دہی،، : بعض کہتے ہیں ''دہی اچھا،، بعض کہتے ہیں ''دہی اچھی،، ''قلم،، : کوئی کہتا ہے : ''قلم ٹوٹ گیا،، ، کوئی کہتا ہے : ''قلم ٹوٹ گئی،، ۔ فقیر ''دہی،، کو مذکر بولتا ہے ''اور قلم،، کو بھی مذکر جانتا ہے۔ علی ہذالقیاس۔ شنگرف بھی مذبذب ہے۔ کوئی مذکر اور کوئی مونث کہتا ہے۔ میں تو شنگرف کو مؤنث کہوں گا۔ خلاصہ یہ کہ اس ہیچ مداں کے نزدیک ''کردن،، کا متعدی ''کنانیدن،، ہے اور ''شنگرف،، مؤنث۔

خداوند، آئین بندہ پروری بھول نہ جاؤ۔ گہ گہ نامہ و پیام بھیجتے رہو۔ کیا میں کہہ نہیں سکتا کہ میں نے اس عرصے میں دو خط بھیجے اور آپ نے ایک کا جواب نہیں لکھا ؟ ہاں یہ عرض کرتا ہوں، آج صبح کو آپ کا خط آیا، ادھر پڑھا اور اودھر جواب لکھا۔ سچ یوں ہے کہ ڈاک میں اکثر خطوط تلف ہو جاتے ہیں۔ بیرنگ پر ضائع ہونے کا گمان کم ہے۔ اس دستور کا بادی (۱) اور بانی میں ہوتا ہوں۔ یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ آپ بھی اب جب کبھی بفرض محال خط بھیجیے تو بیرنگ بھیجیے۔ زیادہ حد ادب۔ عرضداشت غالب

نگاشتہ چہار شنبہ، سوم شعبان (۱۲۷۵ھ)

و نہم مارچ سال حال(۱۸۵۹ء)

(۱۱)

پیر و مرشد، بارہ بجے تھے، میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا، پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا؟ نقصان میرا ہوتا۔

---

(۱) ابتدا کرنے والا۔

سرے سے سنیے: آپ کا قصیدہ بعد اصلاح بھیجا۔ اس کی رسید آئی۔ کٹے کٹے ہوئے شعر الٹے آئے۔ ان کی قباحت پوچھی گئی۔ قباحت بتائی گئی۔ الفاظ قبیح کی جگہ بے عیب الفاظ لکھ دیے گئے۔ لو صاحب، یہ اشعار بھی قصیدہ میں لکھ لو۔ اس نگارش کا جواب آج تک نہیں آیا۔ شاہ اسرارالحق کے نام کا کاغذ ان کو دیا۔ جواب میں جو کچھ انہوں نے زبانی فرمایا، آپ کو لکھا گیا۔ حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا:

"پر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں۔ خیر اب بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے؟ باسی کڑھی میں ابال کیا آئے؟ بندگی، بیچارگی۔

پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر پر ہوا: پہلا باغیوں کا لشکر، اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں (۱) کا، اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا، اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضے کا، اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا، اس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی۔ مرے آدمی کم، لیکن جس کو تپ آئی، اس نے پھر اعضا میں طاقت نہ پائی۔ اب تک اس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر دو آدمی تپ میں مبتلا ہیں: ایک بڑا لڑکا(۲) اور ایک میرا داروغہ۔ خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔

برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے، لیکن نہ ایسی کہ جیسی کالپی اور بنارس میں۔ زمیندار خوش، کھیتیاں تیار ہیں۔ خریف کا بڑا پار ہے۔

---

(۱) خاکیوں سے مراد انگریزی فوج کے آدمی ہیں، ہندوستانی بھی اور گورے بھی کیونکہ ان کی وردی خاکی تھی۔

(۲) باقر علی خاں بن عارف۔

ربیع کے واسطے پوہ ماہ میں مینہ درکار ہے۔ کتاب کا پارسل پرسوں ارسال کیا جائے گا۔

اہا ہا ہا، جناب حافظ محمد بخش صاحب! میری بندگی۔ مغل علی(۱) خاں غدر سے کچھ دن پہلے مستسقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیوں کر لکھوں؟ حکیم رضی‌الدین خاں(۲) کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی مار دی اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی اسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دو بیٹے رخصت لے کر آئے تھے، غدر کے سبب نہ جا سکے، یہیں رہے۔ بعد فتح دھلی دونوں بے گناھوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ھیں۔ زندہ ھیں، پر یقین ہے کہ مردے سے بد تر ہوں گے۔ میر چھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام‌الدین(۳) کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر سے بھاگ گئے تھے، وہاں

---

(۱) مغل علی خاں خواجہ سرا بہادر شاھی دربار کے ممتاز امرا میں سے تھا، بلکہ زینت محل بیگم کی مربیت کے باعث ایک لحاظ سے اس نے مختار کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ میرزا غالب سے اس کے روابط دوستانہ تھے۔ مرض استسقا میں مبتلا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پیشتر ھی فوت ہو گیا۔

(۲) دھلی کے ممتاز اطبا میں سے تھے۔

(۳) صاحبزادہ نظام‌الدین حضرت غلام نصیرالدین عرف کالے خاں صاحب کے صاحبزادے تھے۔ کالے صاحب کے متعلق سر سید مرحوم نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ، تمام شہزادے اور بڑے بڑے امرا آپ کے نہایت معتقد تھے (آثارالصنادید چوتھا باب ص ۲۱) غالب کا ایک مشہور لطیفہ ہے کہ قید سے رہا ہو کر آئے تو کہا: پہلے ''گورے،، کی قید میں تھا، اب ''کالے،، کی قید میں ہوں۔ یہ انہی شیخ غلام نصیرالدین عرف کالے صاحب سے متعلق تھا۔ جن کی حویلی واقع گلی قاسم جان میں میرزا کئی سال بے کرایہ مقیم رہے۔

وہ بھی بھاگ گئے تھے ۔ بڑودہ میں رہے، اورنگ آباد میں رہے ۔ حیدر آدبا ہیں رہے۔ سال گزشتہ یعنی جاڑوں میں یہاں آئے۔ سرکار سے ان کی صفائی ہو گئی، لیکن صرف جان بخشی۔ روشن‌الدولہ کا مدرسہ، جو عقب کوتوالی چبوترہ ہے وہ، اور خواجہ قاسم کی حویلی، جس میں مغل علی خان مرحوم رہتے تھے وہ، اور خواجہ صاحب کی حویلی، یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پا کر ضبط ہوئی اور نیلام ہو کر روپیہ سرکار میں داخل ہو گیا ۔ ہاں قاسم جان کی حویلی جس کے کاغذ میاں نظام‌الدین کی والدہ کے نام کے ہیں، وہ ان کو یعنی میاں نظام‌الدین کی والدہ کو مل گئی ہے ۔ فی‌الحال میاں نظام‌الدین پاک پٹن گئے ہیں۔ شاید بہاول پور بھی جائیں گے ۔

(۱۸۶۰ء)

(۱۲)

پیر و مرشد معاف کیجیے گا

میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال

یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی کہ جس سے استبعاد اور استعجاب پایا جائے ۔ پرسش کے بعد بھی کوئی بات نہیں سنی ۔ سنیے تو سہی، موسم کیا ہے؟ گرمی، جاڑا، برسات، تین فصلیں اکٹھی ہو گئی ہیں، تگرگ باری علاوہ ۔ ایک بحر رواں کی حقیقت متغیر ہو جائے تو محل استعجاب کیوں اور یہ بات کہ دلی میں تغیر نہ ہو یورپ میں ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمنا بہ انفراد (۱) بہ رہی ہے اور وہاں کہیں ”کین“(۲) کہیں کوئی اور ندی اور کہیں گنگا باہم مل گئی ہیں ۔ مجمع البحار ہے۔

---

(۱) یعنی اکیلی ۔

(۲) کین سے مراد غالباً وہ ندی ہے جو باندہ کے پاس سے گزرتی ہوئی جمنا میں ملتی ہے ۔ انگریزی اٹلس میں اسے (Ken River) لکھا گیا ہے ۔

حضرت نے خوب وکالت کی! مولانا قلق سے تقصیر میری معاف نہ کروائی۔ کہہ دو گے کہ گناہ معاف ہو گیا۔ میں بغیر سارٹیفکٹ کے کب مانوں گا؟

یہ دن مجھ پر برے گزرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہ وہی ہوتا ہے، جیسا زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا۔ خصوصاً اس تموز میں کہ غم وہم کا ہجوم ہے۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوز غم ہائے نہانی اور ہے

یوم الخمیس ۲۹۔ذی الحجہ (۱۲۷۶ھ)
(۱۹۔ جولائی ۱۸۶۰ء) مرگ کا طالب، غالب

(۱۳)

پیر و مرشد،

شب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط برودت سے گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہے۔ ہوا ٹھنڈی بے گزند چل رہی ہے۔ ابر تنک محیط ہے۔ آفتاب نکلا ہے پر نظر نہیں آتا ہے۔ میں عالم تصور میں آپ کو مسند عزو جاہ پر جانشین اور منشی نادر حسین خاں صاحب کو آپ کا جلیس مشاہدہ کر کے آپ کی جناب میں کورنش بجا لاتا ہوں اور منشی صاحب کو سلام کرتا ہوں۔ کافر نعمت ہو جاؤں اگر یہ مدارج بجا نہ لاؤں۔ حضرت نے اور منشی صاحب نے میری خاطر سے کیا زحمت اٹھائی ہے۔ بھائی صاحب (۱) بہت خوشنود ہوئے۔ منت پذیری میں میرے شریک غالب ہیں۔ فی الحال بہ توسط میرے سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔ اغلب ہے کہ نامۂ جداگانہ بھی ارسال کریں۔

---

(۱) ضیاءالدین احمد خاں نیر جیسا کہ میرزا نے خود آگے چل کر واضح کر دیا ہے

حضرت، آپ غالب کی شرارتیں دیکھتے ہیں؟ سب کچھ کہے جاتا ہے اور اس اصل کا کہ جس پر یہ مراتب متفرع ہوں، ذکر نہیں کرتا۔ فقیر کو یہ طرز پسند نہ آئی۔ مطالب اصلی کو مقدر چھوڑ جانا کیا شیوہ ہے؟ یوں لکھنا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ، اس کے ساتھ نسب نامہ، خاندان مجد و علا کا بارسل پہنچا (۱)۔ میں ممنون ہوا، نواب ضیاءُالدین خاں بہادر ممنون و شاکر ہوئے۔ جناب عالی، میں تو غالب هرزه سرا کا معتقد نہ رہا۔ آپ نے اس کو مصاحب بنا رکھا ہے۔ اس سے اوس کا دماغ چل گیا ہے۔

قبلہ و کعبہ کیا جنابِ مولانا قلق کی خدمت میں حضرت شفق نے جو غالب کی شفاعت کی تھی، وہ مقبول نہ ہوئی؟ اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان اور مدد گار بنا کر پھر کہتے ہیں، آپ کی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا، جب تک سید صاحب کا خوشنودی نامہ نہ بھجوائیے گا۔ اس سارٹیفکٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود ہوں۔ والسلام

(۱۴)

پیر و مرشد!

''کورنش، مزاج اقدس؟''

''الحمدللہ، تو اچھا ہے؟''

''حضرت! دعا کرتا ہوں''

پرسوں آپ کا خط مع سارٹیفکٹ کے پہنچا۔ آپ کو مبداء فیاض سے اشرف الوکلاء خطاب ملا۔ ممتنانہٗ مجتانہ

ایک لطیفہ نشاط انگیز سنیے۔ ڈاک کا ہرکارہ، جو بلی ماروں کے محلے کے خطوط پہنچاتا ہے، ان دنوں میں ایک بنیا پڑھا لکھا، حرف شناس، کوئی فلاں ناتھ،

---

(۱) ضیا الدین احمد خاں نے مرزا کی وساطت سے شفق کے خاندان کا نسب نامہ منگایا تھا۔ یہ اسی کا شکریہ ہے۔ اس کی ضرورت شاید بدیں سبب پیش آئی کہ عمادالملک اور اس کے اخلاف کی کیفیت تفصیلاً معلوم ہو جائے۔

ڈھمک داس ہے۔ میں بالا خانہ پر رہتا ہوں۔ حویلی میں آ کر اس نے داروغہ کو خط دے کر مجھ سے کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ آپ کو جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے ''نوابی،، کا خطاب دیا تھا، اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔

حیران کہ یہ کیا کہتا ہے۔ سرنامے کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم ''مخدوم نیاز کیشاں،، لکھا تھا، اس قرمساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے ''کیشاں،، کو ''کپتان،، پڑھا۔

بھائی ضیاءالدین خاں صاحب شملہ گئے ہوئے ہیں، شاید ماہ حال یعنی جولائی یا اول ماہ آیندہ یعنی اگست میں یہاں آ جائیں۔ آپ کو نوید تخفیف تصدیع دیتا ہوں۔ آپ نواب صاحب سے کتاب کیوں مانگیں اور زحمت کیوں اٹھائیں (۱)؟ جس قدر کہ علم اون کو اس خاندان مجدت نشان کے حال پر حاصل ہو گیا ہے، کافی ہے۔ مولانا قلق کے نام کی عرضی اون کو پہنچا دیجیے گا (۲) اور جناب نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام فرما دیجیے گا۔

(جولائی ۱۸۶۰ء)

(۱۵)

خداوند نعمت،

شرف افزا نامہ پہنچا۔ شاہ اسرارالحق کے نام کا مکتوب اون کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جناب شاہ صاحب سالک مجذوب یا مجذوب سالک ہیں۔

---

(۱) بظاہر مطلب یہ ہے، شفق نے میرزا غالب سے پوچھا تھا کہ اگر میرے خاندان کے یا نسب کے متعلق مزید معلومات درکار ہوں تو میں والد سے وہ کتاب مانگوں جس میں زیادہ تفصیلات درج ہیں اور نقل کر کے آپ کو بھیج دوں۔ میرزا نے لکھ دیا کہ مزید زحمت کی ضرورت نہیں۔

(۲) یعنی خط جو میرزا نے شفق کے خط کے ساتھ قلق کے نام بھیجا تھا۔

اگر جواب بھجوا دیں گے تو جناب میں ارسال کر دیا جائے گا۔ قصیدے کو بارہا دیکھا اور غور کی۔ جس طرح پر ہے، اوس میں گنجایش اصلاح کی نہ پائی، یعنی لفظ کی جگہ لفظ مرادف بالمعنی لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے، ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی ٹکسال سے باہر نہیں، مگر ہاں طرز گفتار کا بدلنا، اوس کے واسطے چاہیے، دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور لکھنا اور وہ تکلف بارد ہے، (۱) بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہ ہو۔ پس شرم کم خدمتی سے دل ریش اور فرط خجلت سے سر در پیش ہو کر قصیدہ اس لفافے میں بھیجتا ہوں۔ خدا کرے مورد عتاب نہ ہوں۔

حضرت، انہدام مساکن و مساجد کا حال کیا گزارش کروں؟ بانی شہر کو وہ اہتمام مکانات کے بنانے میں نہ ہوگا جو اب والیان شہر کو ان کے ڈھانے میں ہے۔ اللہ اللہ! قلع میں اکثر اور شہر میں بعض بعض وہ شاہجہانی عمارتیں ڈھائی گئی ہیں کہ کدال ٹوٹ ٹوٹ گئے ہیں، بلکہ قلعے میں تو ان آلات سے کام نہ نکلا۔ سرنگیں کھودی گئیں اور بارود بچھائی گئی اور مکانات سنگیں اڑا دیے گئے۔

غلے کی گرانی سے آفت آسمانی، امراض دموی بلائے جانی۔ انواع و اقسام کے اورام بشور شائع، چارہ نا سودمند اور سعی ضائع۔ میں نہیں جانتا کہ ۱۱ ماہ مئی ۱۸۵۷ء کو پہر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا جنود قہر الٰہی کا پے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی ممتاز ہے۔ ورنہ سرتا سر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب میر امجد علی صاحب کو بندگی۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام۔

مرقومہ سحر گاہ آدینہ ۳۱ ماہ اگست ۱۸۶۰ء

نجات کا طالب، غالب

---

(۱) نامرغوب تکلف۔

پیر و مرشد،

میں آپ کا بندۂ فرمانبردار اور آپ کا حکم بہ طیب خاطر بجا لانے والا ہوں، مگر سمجھ تو لوں، کیا لکھوں؟ وہ مکتوب کہاں بھیجوں؟ آپ کے پاس بھیج دوں یا انہیں منشی صاحب کے پاس بھیج دوں؟ اور وسیم‌الدین اور ظہیرالدین کو منشی، میر، شیخ، خواجہ، کیا کر کے لکھوں؟ دو حاکم کی رائے کے شمول کا قیدی اور اوس زمانے میں دریاے شور کو بھیجا جاتا ہے، جس زمانے میں سیکڑوں جزیرہ نشین رہائی پا کر اپنے اپنے گھر آ گئے۔ بہ این ہمہ منشی کو اختیار ہے کہ وہ چھوڑ دے۔ آیا امیرالدین نے، جس محکمے کا وہ منشی ہے، اوس محکمے میں یہ مقدمہ بطریق مرافعہ پیش کیا ہے، جو منشی کو کارپردازی و کارسازی کی گنجایش ہو؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم نہیں ہوا کہ اپیل ہو گیا ہے اور مقدمہ دائر ہے، بلکہ یہ بھی طرز تحریر سے معلوم نہیں ہوتا کہ اب سعی منحصر اس میں ہے کہ قیدی دریاے شور کو نہ جاوے اور یہیں محبوس رہے یا یہ منظور ہے کہ جزیرے کو بھی نہ جاوے اور یہاں کی قید سے بھی رہائی پائے؟ خواہش کیا ہے اور کارپرداز سے کس طرح کی اعانت چاہوں؟ پہلے تو یہ سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں، پھر جو کچھ لکھوں، اس کو کہاں بھیجوں؟

طریق تو یہ ہے کہ میاں امیرالدین وہ نگارش لے کر منشی صاحب کے پاس جائیں اور بذریعہ اوس خط کے روشناس ہوں۔ میں کیا جانوں کہ امیرالدین کا مسکن کہاں ہے؟ منشی صاحب کو خط بھیج دوں، اون کے نزدیک احمق بنوں کہ کس امر موہوم مجہول میں مجھ کو لکھا ہے۔ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھ کر تفحص کریں کہ امیرالدین کون ہے اور کہاں ہے اور کیا چاہتا ہے؟ بہ ہر حال اس خط کے ساتھ ایک اور لفافہ آپ کے نام کا روانہ کرتا

ہوں۔ اوس میں صرف ایک خط موسومہ منشی صاحب ہے، کھلا ہوا۔ اوس کو پڑھ کر میاں امیرالدین کے پاس بھیج دیجیے گا، مگر گوند لگا کر اور اگر یہ منظور نہ ہو تو میری طرف سے منشی صاحب کے نام کے خط کا مسودہ لکھ کر میرے پاس بھیجیے اور لکھ بھیجیے کہ اوس مسودہ، کو صاف کر کے کہاں بھیجوں؟

صبح یک شنبہ، ۲- جون ۱۸۶۱ء

(۱۷)

قبلہ و کعبہ،

کیا لکھوں؟ امور نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔ کیوں کر ہو سکے کہ ایک وقت خاص میں ایک امر خاص موجب انشراح کا بھی ہو اور باعث انقباض کا بھی ہو۔ یہ بات میں نے آپ کے اس خط میں پائی کہ اس کو پڑھ کر خوش بھی ہوا اور غمگین بھی ہوا۔ سبحان اللہ! اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع اور ہم درد (۱) پاتا ہوں۔ عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی۔ میرا ہم قوم تو سراسر قلمرو ہند میں نہیں۔ سمرقند میں دو چار یا دشت خفچاق(۲) میں سو دو سو ہوں گے، مگر ہاں اقربا ے سببی ہیں۔ سو پانچ برس کی عمر سے ان کے دام میں اسیر ہوں۔ اکسٹھ برس ستم اٹھائے ہیں:

گر دہم شرح ستم ہاے عزیزاں غالب
رسم امید ہمانا ز جہاں بر خیزد

---

(۱) یعنی جو درد مجھے ہے، وہی آپ کو ہے۔
(۲) خفچاق ترکستان کی ایک صحرا نشیں قوم کا نام تھا، وہ جس صحرائی علاقے میں رہتی تھی، اسے دشت خفچاق کہنے لگے۔ یہ دشت بحیرہ خوارزم شاہی (جسے آج کل بحیرہ آرال کہتے ہیں) کے شمال و مشرق میں تھا، اب غالباً پہلی حالت باقی نہیں رہی۔

نہ تم میری خبر لے سکتے ہو، نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ، اللہ، اللہ ! دریا سارا تیر چکا ہوں ساحل نزدیک ہے، دو ہاتھ لگائے، بیڑا پار ہے :

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

شاہ اسرارالحق کو حافظ نظام‌الدین صاحب کا خط بھجوا دیا۔ ہفتہ بھر کے بعد جواب مانگا۔ جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ حضرت خود تشریف لائے ۔ جواب آپ کے اور حافظ جی کے خط کا مانگا، کہا کہ کل صبح بھیج دوں گا۔ اس واقعے کو قریب دو ہفتے کے عرصہ ہوا۔ ناچار اون کے جواب سے قطع نظر کر کے آپ کو یہ چند سطریں لکھیں :

از خون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ
انی رایت دھراً من ھجرک القیامہ

حافظ جی صاحب کو میری بندگی کہیے گا اور یہ خط اون کو پڑھوا دیجیے گا۔ جناب منشی نادر حسین صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ اگرچہ آپ مبتلائے رنج و الم ہو، مگر یہ شرف کیا کم ہے کہ انورالدولہ کے ہمدرد ہو؟ مورد ستمہائے روزگار ہونا شرافت ذاتی کی دلیل ہے ساطع اور برہان قاطع۔

ہاں، حضرت بہت دن سے جناب میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اون کے تخلص (۱) نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی ''قلق،، میں مبتلا ہوں۔ آپ اون کا حال لکھیے۔ خواجہ اسماعیل خاں صاحب کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ سنیے قبلہ، میں تو آپ سے

(۱) ''قلق،، میرزا نے یہ خود واضح کر دیا ہے۔

شاہ انوارالحق کے خط کے جواب کا طالب نہیں ہوں کہ آپ اون کے خط کے حاصل ہونے کے انتظار میں مجھ کو خط نہ لکھ سکیں۔ مترصد(۱) ہوں کہ اس اپنے خط کا جواب جلد پاؤں۔

صبح سہ شنبہ ۲۲۔اکتوبر (۱۸۶۱ء) جواب کا طالب، غالب

(۱۸)

ناوک بیداد کا ہدف، پیر خرف (۲)، یعنی غالب آداب بجا لاتا ہے۔ نوازش نامے کو دیکھ کر جانا کہ میں نے ''کمرے چند،، کے شعر پر خط بطلان کھینچ دیا۔ یہ تو کوئی گمان نہ کرے گا کہ میں ''کمر،، کو ''کمر بند،، نہیں جانتا۔ معہذا وہاں پہلے مصرعے میں اگر ''کمر،، بمعنی ''کمر،، فرض کیجیے تو بھی شعر کاٹ ڈالنے کے قابل نہیں۔ قصد کر کے بیٹھا تھا کہ اس شعر پر صاد کروں گا، خدا جانے قلم خط کیوں کر کھینچ گیا؟ اب حواس بجا نہیں، حافظہ رہا نہیں۔ اکثر الفاظ بے قصد لکھ جاتا ہوں۔ ستر برس کی عمر ہوئی۔ کہاں تک خرافت نہ آئے۔ اس شعر کا گنہگار اور حضرت سے شرمسار ہوں، معاف کیجیے گا۔ زیادہ حد ادب۔

پنجشنبہ ۱۹۔ذی‌الحجہ سال غفر (۱۲۷۸ھ مطابق ۱۹۔ جون ۱۸۶۲ء)

(۱۹)

پیر و مرشد،

آداب، تتمۂ غلط نامۂ ''قاطع برہان،، کو بھیجے ہوئے تین اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیزالدین کی زبانی سنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ ''قاطع برہان،، کے پہنچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدان ''برہان قاطع،، برچھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہنچے ہیں: ایک تو یہ کہ ''قاطع برہان،،

---

(۱) امیدوار، متوقع۔ (۲) بڑھاپے میں بد حواسی کے درجے کو پہنچا ہوا۔

غلط ہے یعنی ترکیب خلاف قاعدہ ہے ۔ کلام قطع کیا جاتا ہے، برہان قطع نہیں ہو سکتی ہے۔ ۔ لو صاحب ، ''برہان قاطع،، صحیح اور ''قاطع برہان،، غلط! مگر ''برہان،، ''قطع،، کی فاعل ہو سکتی ہے اور ''قطع،، کا فعل آپ قبول نہیں کرتی ۔ ''قاطع برہان،، میں جو ''برہان،، کا لفظ ہے یہ مخفف ''برہان قاطع،، ہے۔ ''برہان قاطع،، کے رد کو ''قطع،، سمجھ کر ''قاطع برہان،، نام رکھا تو کیا گناہ ہوا ؟

دوسرا ایراد یہ ہے : مصرع

با انگلسیان ستیز بے جا

انگلس کانون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں خدا کے واسطے ''انگلس،، اور ''انگریز،، کانون بہ اعلان کہاں ہے؟ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے، لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں، اگر انگلس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا ؟

وہ ورق چھاپے کا جو آپ کے پاس پہنچا ہے اوس کو غلط نامہ شاملہ کے بعد لگوا کر جلد بندھوا لیجیے گا ۔ حضرت، کیوں اپنے مراسلے اور میرے مکتوب کا حال پوچھا ؟ :

ایں ہم، کہ جوابے نہ نویسند، جواب است

سمجھ لو اور چپ رہو۔

میں نے مانا جس کو تم نے لکھا ہے، وہ لکھے گا کہ میں نے مختار سے پوچھا ۔ اس نے یوں کہا، پھر میں نے یوں کہا ۔ اب یہ بات قرار پائی ہے تو اس تقریر کو حضرت ہی باور کریں گے، فقیر کبھی نہ مانے گا۔

ایک حکایت سنو۔ امجد علی(۱) شاہ کی سلطنت کے آغاز میں، ایک صاحب، میرے نیم آشنا یعنی خدا جانے کہاں کے رہنے والے، کسی زمانے میں وارد اکبر آباد ہوئے تھے، کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔ زبان آور اور چالاک۔ اکبر آباد میں نوکری کی جستجو کی، کہیں کچھ نہ ہوا۔ میرے ہاں ایک دو بار آئے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی میں آ رہا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے ہوں گے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں اون کا خط ناگاہ مجھ کو بسبیل ڈاک آیا۔ چونکہ ان دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا، میں نے جانا کہ یہ وہی بزرگوار ہیں۔ خط میں پہلے مجھ کو یہ مصرع لکھا :

از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

آپ سے جدا ہو کر بیس برس آوارہ پھرا۔ جے پور میں نوکر ہو گیا۔ وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب لکھنئو میں آیا ہوں، وزیر(۲) سے ملا ہوں۔ بہت عنایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انہیں

---

(۱) شاہ اودھ (۱۸۴۲—فروری ۱۸۴۷ء) اس مکتوب میں ایک پیچیدگی توضیح طلب ہے۔ شخص مذکور سے ملاقات کا واقعہ امجد علی شاہ کی حکومت کے آغاز کا نہیں ہو سکتا بلکہ میرزا کے بیان کے مطابق بیس برس پیشتر کا ہے، یعنی ۱۸۲۲ کا اور یہ عہد غازی‌الدین حیدر کا تھا۔ امجد علی شاہ کے آغاز عہد حکومت میں اس کا خط آیا۔ معلوم ہوتا ہے میرزا لکھنا چاہتے تھے کہ امجد علی شاہ کے عہد میں فلاں شخص کا خط آیا۔ پھر اس کی تفصیل ضروری سمجھی اور یہ خیال نہ رہا کہ بیان میں پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ۱۸۲۲ء تک میرزا غالب آگرہ جاتے آتے تھے اور وہاں خاصی مدت گزارتے تھے۔

(۲) امجد علی شاہ کے آغاز عہد میں اشرف‌الدولہ محمد ابراہیم خاں وزیر تھے۔ پھر امین الدولہ امداد حسین خاں کو وزارت ملی۔ منور الدولہ احمد علی خاں بھی اس عہدے پر فائز ہوگئے تھے لیکن مجتہد العصر نے پھر امین الدولہ ہی کو وزیر مقرر کرایا۔ یہاں اشارہ غالباً اسی کی طرف ہے۔

کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے ''خان،، اور ''بہادر،، کا خطاب دیا ہے۔ مصاحبوں میں نام لکھا ہے۔ مشاہرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپ کا بہت مشتاق کیا ہے۔ اگر آپ کوئی قصیدہ حضور کی مدح میں اور عرضی یا خط جو مناسب جانیں، وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجیے تو بیشک بادشاہ آپ کو بلائیں گے اور وزیر کا خط مشعر فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اس عرصہ میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کی بیت اسم یہ ہے:

امجد علی شہ آنکہ بہ ذوق دعاے او
صد رہ نمازِ صبح قضا کرد روزگار

متردد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ توکلت علی‌اللہ بھیج دیا۔ رسید آ گئی صرف۔ پھر دو ہفتے بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا، بہ آئین شایستہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ میں متوقع ہوں کہ میاں بدرالدین مہر کن سے میری مہر خطابی کھدوا کر بھیج دیجیے۔ چاندی کا نگینہ ہو مربع اور قلم جلی۔ فقیر نے سرانجام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور قصیدے کے بادشاہ تک گزرنے کی نوید۔ بس پھر دو مہینے تک ادھر سے کوئی خط نہ آیا۔ میں نے جو خط بھیجا، الٹا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ توقیع کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں۔ ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا وزیر تک پہنچنا اور حاضر رہنا سچ، بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی مہر تم سے بہ فریب حاصل کر کے مرشد آباد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دو سو روپے دیے تھے(۱)۔

ایک قاعدہ کلیہ دلی کا سمجھ لو۔ خالق کی قدرت مقتضی اس کی

---

(۱) میرزا نے اسی قسم کا ایک واقعہ نصیرالدین حیدر کے عہد کا بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو مکتوب (۸۸) بنام تفتہ)۔

ہے کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہوا، مرد یا عورت، خفقان و مراق اوس کی خلقت و فطرت میں ہوا ۔ آٹھ دس برس کے بعد ساون کے اخیر میں مینہ برسا، لیکن نہ دریا جاری ہوئے، نہ طوفان آیا ۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری ۔ دو ایک آدمی، کچھ جانور تلف ہوئے، مکان گرے، دس بیس آدمی دب کر مرے ۔ دو تین آدمی کوٹھے پر سے گر کر مرے۔ مراقیوں نے غل مچانا شروع کیا ۔ اپنے اپنے عزیزان بہ سفر رفتہ کو لکھا ۔ جابجا اخبار نویسوں نے اون سے سن کر درج اخبار کیا ۔ لو، اب دس بارہ دن سے مینہ کا نام نہیں۔ دھوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے ۔ وہی خفقانی صاحب اب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں۔ اگر مینہ نہ برسے گا تو پھر کال پڑے گا۔

مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے کہ چار پانچ برس ضبط رہے ۔ یغمائی (۱) لوگ کڑی، تختہ، کواڑ، چوکھٹ ، بعض مکانات کی چھت کا مسالہ، سب لے گئے ۔ اب اون غربا کو وہ مکان ملے تو اون میں مرمت کا مقدور کہاں؟ فرمائیے مکانات کیوں کر نہ گریں ؟

(۲۰)

پیر و مرشد،

آداب، مزاج مقدس۔ میرا جو حال آپ نے پوچھا۔ اس پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ کا بندۂ بے دام و درم خریدہ اچھی طرح ہے ۔ ایک فصد ، بائیس منضج، چار مسہل، کہاں تک آدمی کو ضعیف نہ کرے ۔ بارے آفتاب عقرب میں آ گیا ۔ پانی برفاب ہو گیا ہے۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے لگا ہے ۔ یہ ضعف، ضعف قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اوس کو زائل نہ کر سکیں ۔

(۱) لٹیرے۔

غزلوں کو پرسوں سے پڑھ رہا ہوں اور وجد کر رہا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو اون غزلوں کی حقیقت میری نظر میں ہے، وہ مجھ سے سن لیجیے اور میرے داد دینے کی داد دیجیے۔ مولانا قلق نے متقدمین یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحد کمال کو پہنچایا ہے اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ اگر تکلف و تملق سے کہتا ہوں، تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو۔ یہ جو آپ اپنے کلام کے حک و اصلاح کے واسطے مجھ سے فرماتے ہیں، یہ آپ میری آبرو بڑھاتے ہیں۔ کوئی بات بے جا ہو، کوئی لفظ ناروا ہو، تو میں حکم بجا لاؤں۔ زیادہ حد ادب۔

(۲۱)

هرگز نه میرد آنکه دلش زنده شد به عشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

خداوند نعمت!

آج دو شنبہ ۶۔ رمضان کی اور ۱۰۔ فروری کی ہے۔ اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں عطوفت نامہ پہنچا۔ اودھر پڑھا، ادھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں۔ کل شنبہ ۱۶۔ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔

سال گزشتہ مجھ پر بہت سخت گزرا۔ بارہ تیرہ مہینے صاحب فراش رہا۔ اٹھنا دشوار تھا، چلنا پھرنا کیسا؟ نہ تپ، نہ کھانسی، نہ اسہال، نہ فالج، نہ لقوہ، ان سب سے بد تر ایک صورت پرکدورت، یعنی احتراق کا مرض۔ مختصر یہ کہ سر سے پاؤں تک بارہ پھوڑے۔ ہر پھوڑا ایک زخم، ہر زخم ایک غار، ہر روز بے مبالغہ بارہ تیرہ پھاہے اور پاؤ بھر مرہم درکار۔ نو دس مہینے بے خور و خواب رہا ہوں اور شب و روز بے تاب۔ راتیں یوں

گزری ھیں کہ اگر کبھی آنکھ لگ گئی، دو گھڑی غافل رہا ھوں گ۔ کہ ایک آدھ پھوڑے میں ٹیس اٹھی۔ جاگ اٹھا، تڑپا کیا، پھر سو گیا۔ پھر ھوشیار ھو گیا۔ سال بھر میں سے تین حصے یوں گزرے، پھر تخفیف ھونے لگی۔ دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ھو گیا۔ نئے سرے سے روح قالب میں آئی۔ اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی۔ اب اگرچہ تندرست ھوں، لیکن ناتوان اور سست ھوں۔ حواس کھو بیٹھا، حافظے کو رو بیٹھا۔ اگر اٹھتا ھوں تو اتنی دیر میں اٹھتا ھوں کہ جتنی دیر میں قد آدم دیوار اٹھے۔ آپ کی پرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک میرا مرنا نہ سنا، میری خبر نہ لی۔ میری مرگ کے مخبر کی تقریر اور مثلہ، میری یہ تحریر آدھی سچ اور آدھی جھوٹ۔ در صورت مرگ نیم مردہ اور در حالت حیات نیم زندہ ھوں:

در کشا کش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمے میرم، ھم ز ناتوانیدست

اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم مولوی غلام غوث خان بہادر، میر منشی لفٹنٹ گورنری غرب و شمال کے پاس بھیج دیجیے گا تو ان کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجیے گا۔(۱)

۶- رمضان (۱۲۸۰ھ)

۱۵- فروری (۱۸۶۴ء)

---

(۱) یہ اس زمانے کا خط ھے، جب اس مجموعے کے لیے مکاتیب کی فراھمی کا سلسلہ شروع ھو چکا تھا، جو ''عود ھندی،، کے نام سے شائع ھوا اور تمام مکاتیب خواجہ غلام غوث خاں بے خبر ھی کے پاس جمع ھونے تھے۔

خواجہ غلام غوث خاں بے خبر

خواجہ صاحب کے اجداد کا وطن خطہ جنت نظیر کشمیر تھا۔ کہتے ہیں کہ ان کا سلسلہ نسب سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ، فرمانروائے کشمیر سے ملتا تھا۔ جب مغل کشمیر کے فرمانروا بنے تو خواجہ صاحب کے اجداد کو علم و فضل اور عالی نسبی کی بنا پر عہدۂ قضا ملا اور کئی پشتوں تک اس خاندان میں یہ اعزاز قائم رہا۔ مغلوں کے زوال پر کشمیر کا امن و سکون درہم برہم ہوا تو نہ محض وجہ معاش ہی کا معاملہ خطرے میں پڑ گیا، بلکہ اطمینان سے گھر بیٹھے رہنا بھی غیر ممکن ہو گیا۔ اس زمانے میں بے خبر کے دادا خواجہ خیرالدین اپنے مختلف اقربا کے ساتھ کشمیر سے نکل کر پہلے لہاسا (تبت) پہنچے۔ پھر نیپال میں مقیم ہو گئے۔ بے خبر کے مختلف سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ جب گلاب سنگھ کشمیر پر مسلط ہوا تو عہدہ قضا تخفیف میں آیا۔ اس کے بعد خواجہ خیرالدین وطن سے نکلے۔ یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ گلاب سنگھ ۱۸۴۶ء میں کشمیر پر قابض ہوا۔ اس سے چھبیس ستائیس برس پیشتر سکھ کشمیر لے چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ترک وطن کا واقعہ اس سے بھی پہلے کا ہے۔ کیونکہ سکھوں سے پیشتر افغانوں کا تسلط کا دور بھی اہل کشمیر کے لیے بڑا ہی ناخوشگوار تھا۔

بہر حال نیپال ہی میں خواجہ خیرالدین کشمیری کے صاحبزادے خواجہ حضوراللہ کی شادی ایک نہایت قریبی رشتہ دار خواجہ فریدالدین کی دختر سے ہوئی اور وہیں ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۴ء) میں خواجہ غلام غوث خاں پیدا ہوئے۔

خواجه خیرالدین آبائی عہدے کے چھٹتے ہی تجارت شروع کر چکے تھے۔ غالباً کاروبار ہی کے سلسلے میں بہ خاندان نیپال سے نکل کر بنارس پہنچا۔ خواجہ غلام غوث نے بنارس ہی میں ابتدائی نشو و نما اور تعلیم پائی۔

ان کے ماموں سید محمد خاں نے انگریزی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ترقی کرتے کرتے وہ صوبہ غرب و شمال (آگرہ و اودھ) کے لفٹنٹ گورنر کے دفتر میں میر منشی کے عہدے پر فائز ہوئے اور ''خان بہادر،، کا خطاب حاصل کیا۔ چنانچہ خواجہ غلام غوث بھی ۱۸۴۱ء میں، جب ان کی عمر سولہ برس کی تھی، اپنے ماموں کے ماتحت ملازم ہو گئے اور اس تعلق کی وجہ سے انہیں آگرے میں اقامت اختیار کرنی پڑی، جو اس زمانے میں لفٹنٹ گورنر کا صدر مقام تھا۔ ۱۸۴۳ء میں بہ عہد لارڈ ایلن برا گوالیار پر چڑھائی ہوئی تو خواجہ صاحب کو عارضی طور پر گورنر جنرل کے منشی خانے سے منسلک کر دیا گیا۔ مہم کے خاتمے پر خلعت کا اعزاز ملا۔

جب خان بہادر خواجہ سید محمد خاں پنشن لے کر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ تو ان کے حسن کارگزاری کے صلے میں خواجہ غلام غوث خاں کو میر منشی بنا دیا گیا جو اعلیٰ ذاتی صلاحیت کی بناء پر بھی اس کے لیے بہ ہمہ وجوہ موزوں تھے۔ اس عہدے پر وہ ۱۸۸۵ء تک فائز رہے اور خود درخواست کر کے بہ اصرار پنشن لی۔ متعلقہ افسر چاہتے تھے کہ وہ ملازمت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

۱۸۴۵ء میں خواجہ صاحب کی شادی گوپا منو کے مفتی انعام اللہ خاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ پنشن کے بعد آپ الہ آباد میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۱۸۔ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ (مطابق ۲۶۔ دسمبر ۱۹۰۴ء) کو رات کے پونے دس بجے فوت ہوئے۔ مندرجہ ذیل تاریخ آپ کے لوح مزار پر کندہ ہے:

آن خواجہ کہ بود بہ نام او غلام غوث
خوش روے و خوش لباس و خوش اندام و خوش سرشت
روشن شد از سواد بیاض صفات او
توقیع وقعتے کہ بہ نامش قضا نوشت
در قیل و قال ہم نفس شاعران فرس
در وجد و حال ہم اثر خواجگان چشت
گوئی بہ رنگ و بوے گل و چوں نسیم صبح
سوے بہشت رفتہ و ایں کشت را بہشت؟
رضوانش دیدہ گفت کہ ایں نو رسیدہ کیست؟
گفتند حوریان جناں ''خواجہ بہشت،،

بے حد خوش اخلاق اور وضعدار بزرگ تھے ۔ شمس العلماء مولانا ذکاءاللہ مرحوم کا بیان ہے کہ میں الہ آباد میں تھا تو روزانہ ملنے کے لیے آتے ۔ باوجود کبر سن توانا، تندرست، خوش خوراک اور خوش پوشاک تھے ۔ ۱۸۷۰ء میں خضاب چھوڑا ۔ اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے سے شروع ہو جاتا ۔ سب لوگ خواجہ صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے ۔ دن بھر لطائف اور شعر و سخن کا سلسلہ جاری رہتا ۔

میرزا محمد عسکری مرحوم نے ''ادبی نکات غالب،، میں ان کی روزانہ نشست کا حال یوں بیان کیا ہے :

''خواجہ صاحب نماز عصر سے فراغت کر کے باہر تشریف لاتے تھے ۔ میں نے ایسی پابندی وقت اور پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی میں نہیں دیکھی ۔ صحن میں چھڑکاؤ ہو کر کرسیاں، مونڈھے دو رویہ بچھا دیے جاتے تھے ۔ صدر میں ایک اونچی کرسی، سامنے ایک چھوٹی سی میز جس پر خاصدان رکھا جاتا تھا، ادھر ادھر دو بڑے گل دان ۔ جناب مرحوم پابندی وقت

کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح لیے محل سرا سے برآمد ہوتے اور اسی صدر کی کرسی پر متمکن ہو جاتے۔ دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں پر لوگ اپنے اپنے مرتبے، نیز بہ اعتبار اس درجۂ ارتباط اور دوستی کے جو خواجہ صاحب کے ساتھ ان کو حاصل ہوتا، اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ جو شخص ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو، وہ دوسرے دن مونڈھے پر یا برعکس اس کے مونڈھے پر بیٹھنے والا کرسی نشینی کی جرأت کرے۔''

غرض خواجہ صاحب مشرقی تہذیب کا جامع نمونہ تھے۔ ان کے فارسی نظم و نثر کا مجموعہ ''خونابۂ جگر'' کے نام سے طبع ہوا۔ اردو نظم و نثر کا مجموعہ ''فغان بے خبر'' کے نام سے چھپا۔ وفات کے بعد بقیہ کلام نظم و نثر ''لعل و گوہر'' کے نام سے شائع ہو گیا۔ اردو خطوط ''انشائے بے خبر'' کے نام سے طبع ہوئے ہیں۔ ''عود ہندی'' کی ترتیب خواجہ صاحب ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ بے خبر، غالب کے ان چند دوستوں میں سے تھے، جن پر مرحوم کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ اعتماد رہا۔

خواجہ صاحب کے احباب کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی نے ''انشائے بے خبر'' کے مقدمے میں ستر سے زیادہ اکابر کی فہرست دی ہے، جو خواجہ صاحب کے گہرے دوست تھے۔ ان میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی شامل تھے۔

مرزا حاتم علی بیگ مہر کے ساتھ بھی بھائیوں کے سے تعلقات تھے۔ آگرے کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ خواجہ صاحب بیمار ہو گئے۔ مہر کو اطلاع نہ مل سکی اور عیادت کے لیے نہ آ سکے۔ تندرستی کے بعد بیماری کی کیفیت معلوم ہوئی تو مندرجہ ذیل قطعۂ معذرت میں بھیجا:

منشی غلام غوث ہیں مشہور بے خبر — ہم سا بھی بے خبر مگر اے مہر کم ہوا
ان کے علیل ہونے کا فصل وبائی میں — مطلق نہ ہم کو علم خدا کی قسم ہوا
اب جو سنا تو رنج ہوا، پر یہ شکر ہے — اس سے سوا خوشی ہوئی جتنا کہ غم ہوا

ہاتف نے ایک مصرع تاریخ پڑھ دیا
اچھی طرح سے ہیں، یہ خدا کا کرم ہوا

---

(۱)

پیر و مرشد،

یہ خط ہے یا کرامت؟ صاف صفائے ضمیر و کشف حجب(۱) کی علامت ہے۔ مدعا ضروری التحریر اور اندیشۂ نشان مسکن دامن گیر۔(۲) اگر یہ خط کل نہ آ جاتا تو آج خط کیوں کر لکھا جاتا؟ سبحان اللہ! جس دن یہاں مجھ کو وہ مطلب خطیر پیش آیا ہے، اسی دن آپ نے وہاں لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو عارف کامل کیوں کر نہ لکھوں اور کیا کہوں ولی نہ کہوں؟ مدعا بیان کرتا ہوں، مگر یہ گمان کرتا ہوں، کہ یہ خط پہنچنے نہ پائے گا کہ راز سربستہ آپ پر کھل جائے گا۔ یعنی یک شنبہ ۲۸۔نومبر کو دو خط اور دو پارسل، ایک میں ''دستنبو'' کا ایک مجلد اور ایک میں تین معاً(۳) بسبیل ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ خطوں کا چوتھے پانچویں دن، پارسلوں کا چھٹے ساتویں دن پہنچنا خیال کرتا ہوں۔ پارسلوں کے عنوان پر خطوں کی معیت رقم کی ہے اور خطوں کے سرنامہ پر پارسلوں کے ارسال کی اطلاع دی ہے۔ تین کتاب والے پارسل اور ایک خط پر جناب سکرتر بہادر کا نام نامی ہے اور ایک کتاب والے پارسل اور

---

(۱) حجب، حجاب کی جمع یعنی پردے۔ کشف حجب سے مراد ہے پردوں کا کھل جانا یعنی پوری معرفت حاصل ہو جانا۔

(۲) مطلب یہ کہ مدعا ایسا تھا، جس کے لیے آپ کو لکھنا ضروری تھا، لیکن آپ کے مکان کا صحیح پتا معلوم نہ تھا۔ عین اس تردد کے عالم میں آپ کا مکتوب آ گیا۔

(۳) اکٹھے، ایک ساتھ۔

ایک خط پر جناب چیف سکرتر بہادر دوم کا اسم سامی ہے۔ آج پانچواں دن ہے۔ خط اگر دونوں پہنچ گئے ہوں تو کیا عجب ہے، بلکہ سچ تو یوں ہے کہ اگر نہ پہنچے ہوں تو بڑا غضب ہے۔ اگلے عرائض کے نہ پہنچنے میں کچھ شک نہیں۔ جواب امر آخر ہے، دفتر میں اس کا پتا آج تک نہیں۔ اب کاربردازان ڈاک کو نہ بن جائیں اور میرے ان دونوں خطوں اور پارسلوں کو بہ احتیاط پہنچائیں۔ صرف عنایت(۱) کی گنجایش تو آپ جب پائیں کہ وہ خط اور پارسل پہنچ جائیں۔ ابھی تو آپ سے مجھ کو ان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا سوال ہے، کس واسطے کہ جب تک آپ مجھ کو اطلاع نہ دیں گے، ان کے نہ پہنچنے کی بھی خبر مجھ تک پہنچنی محال ہے۔ بہ ہر حال یہ نیاز نامہ جس دن پہنچے اس کے دوسرے دن جواب لکھیے، جیسا میں نے جلد لکھا، ایسا ہی آپ بھی شتاب لکھیے۔ آپ کے عنایت نامے میں کوئی امر ایسا نہ تھا کہ جس کا جواب لکھا جائے یا اس باب میں کچھ اور عرض کیا جائے۔ لوہارو کی روانگی کا خط جب آئے گا، لوہارو کو بھیج دیا جائے گا۔ جناب منشی نواب جان صاحب اور جناب منشی اظہار حسین صاحب میں اور آپ میں اگر ربط بے تکلف ہو تو ان دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام نیاز پہنچانے میں نہ توقف ہو:

تم سلامت رہو قیامت تک

(پنجشنبہ ۲- دسمبر ۱۸۵۸ء)

(۲)

قبلہ!

اس نامۂ مختصر نے وہ کیا جو پارۂ ابر کشت خشک سے کرے، یعنی خط اور پارسل کا پہنچ جانا ایسا نہیں کہ اس کی خبر پا کر بخت کی رسائی کا سپاس گزار نہ ہوں۔ یہ تو حضرت کو لکھ چکا ہوں کہ

---

(۱) صرف کا حرف اول مفتوح ہے، صرف عنایت سے مراد ہے عنایت کرنا۔

دوسرا پارسل اور خط ایک ساتھ بھیجا گیا ہے اور ہر گونہ توقع کا خیال اسی پارسل پر ہے، کس واسطے کہ اس خط میں حاکم اعظم کے نام کی عرضی ملفوف ہے جانتا ہوں کہ محکمہ ایک، ڈاک ایک، دونوں لفافے ایک دن پہنچے ہوں گے، مگر دل نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ نہ مانوں گا، جب تک کہ حضرت اس سر رشتے سے معلوم کر کے نہ لکھیں گے۔ اب آپ جانیے اور یہ دل سودا زدہ، میں اس کی سفارش کرنے والا اور اس کے مدعا کا گزارش کرنے والا کون؟ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ لکھ سکتے ہیں بلکہ یہ بھی آپ مجھ پر حالی کر سکتے ہیں کہ نذر ولایت کی، ولایت کو روانی ہوئی یا نہیں؟(۱) میری جگرکاوی کی قدر دانی ہوئی یا نہیں؟ پیشگہ سے موافق دستور کے خط کا امیدوار ہوں یا نہیں؟ اپنے حسن طبع کا شکر گزار ہوں یا نہیں؟ اس خط کا جواب جتنا جلد عنایت کیجیے گا، مجھ کو جلا لیجیے گا۔ لوہارو کا خط ایک معتمد کے ہاتھ بھیج دیا گیا۔

(دسمبر ۱۸۵۸ء)

(۳)

قبلہ حاجات،

عطوفت نامہ کے آنے سے آپ کا بھی شکر گزار ہوا اور اپنے بخت اور قسمت کو بھی آفرین کہی اور ڈاک کے کار پردازوں کا احسان مانا۔ بارے دونوں پارسل اور دونوں لفافے پہنچ گئے۔

---

(۱) یہ فقرہ عام نسخوں میں یوں ہے:

نذر ولایت کی، ولایت کو روانہ ہوئی یا نہیں

لیکن میرزا نے یہاں برابر مقفیٰ عبارت کا التزام کیا ہے۔ مثلاً "سفارش کرنے والا" اور "گزارش کرنے والا"۔ آگے چل کر "میں امید وار ہوں یا نہیں"۔ "شکرگزار ہوں یا نہیں"۔ پھر یہاں روانہ ہوئی یا نہیں، کے بعد قدردانی ہوئی یا نہیں کیوں کر لکھ سکتے تھے۔ یقیناً روانہ کی جگہ "روانی" ہوگی اور نذر ولایت مضاف مضاف الیہ ہے یعنی جو نذر ولایت کے لیے تھی اس کی "روانی" ولایت کو ہوئی یا نہیں۔ یہ لفظ اجنبی سا معلوم ہوگا لیکن قافیہ بندی کے التزام میں ایسی اجنبیت کو گوارا سمجھا جا سکتا ہے۔

تا نہال دوستی کے بر دھد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

یہ کتاب جو مرسل الیہ کے مطالعہ میں ہے، پھر بنسبت اس دوسری کتاب کے قسمت کی اچھی ہے، یعنی خود ملاحظہ فرما رہے ہیں، اور اگر کہیں پوچھنا ہوگا تو یقین ہے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ دوسری کتاب دیکھے مجھ کو کیا دکھائے؟ جن کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا ہے، وہ اہل علم و فضل میں سے ہیں۔ لیکن یہ طرزِ تحریر، میں نہیں کہتا کہ یہ نادر ہے، مگر بیگانہ و نا آشنا ہے۔ خدا کرے، وہ جو اس کی سیر پر مامور ہیں، ان اوراق کو بمشورت آپ کے دیکھا کریں و کہیں کہیں آپ سے پوچھ لیا کریں۔

کیوں کر لکھوں؟ نہیں لکھ سکتا۔ تم سب کچھ جانتے ہو، جہاں گنجایش پاؤگے، جیسا مناسب جانوگے، جو کچھ کر سکوگے، وہ کروگے، لوہارو کا خط بہ کمال احتیاط روانہ ہو گیا۔ خاطر اقدس جمع رہے۔ جواب طلب، زیادہ حد آداب۔

(دسمبر ۱۸۵۸ء)

(۳)

جناب عالی

آج دو شنبہ ۳۔ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہے، ترشح ہو رہا ہے، ہوا سرد چل رہی ہے، پینے کو کچھ میسر نہیں(۱)، ناچار روٹی کھائی ہے:

افق ہا پر از ابر بہمن مہی
سفالینہ جام من از مے تہی

(۱) یعنی شراب نہیں۔

غمزدہ و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔ سرنامے کو دیکھ کر اس راہ سے کہ دستخط خاص کا لکھا ہوا ہے، بہت خوش ہوا۔ خط کو پڑھ کر اس رو سے کہ حصول مدعا کے ذکر پر حاوی نہ تھا، افسردگی حاصل ہوئی۔

ما خانہ رمیدگان ظلمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

اس افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ باآنکہ خط جواب طلب نہ تھا، جواب لکھنے لگا۔

پہلے تو یہ سنیے کہ آپ کے دوست کو آپ کا خط پہنچ گیا، مگر وہ دو بار مجھ کو لکھ چکا ہے کہ میں جواب اس کا نشان مرقومۂ لفافہ کے مطابق ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ جواب الجواب کا منتظر ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ کمال یاس مقتضی استغنا ہے۔ پس اب اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی کہ بامید مرگ جیتا ہوں۔ اس راہ سے کچھ مستغنی ہوتا چلا ہوں کہ دو ڈھائی برس کی زندگی اور ہے، ہر طرح گزر جائے گی۔ جانتا ہوں کہ تم کو ہنسی آئے گی کہ یہ کیا بکتا ہے؟ مرنے کا زمانہ کون بتا سکتا ہے؟ چاہے الہام سمجھیے، چاہے اوہام سمجھیے،(۱) بیس برس سے یہ قطعہ لکھ رکھا ہے:

من کہ باشم کہ جاوداں باشم　　چوں نظیری نماند و طالب مرد
ور بگونید در کدامی سال　　"مرد غالب؟ بگو کہ "غالب مرد"

اب بارہ سو پچھتر ہیں اور "غالب مرد" بارہ سو ستہتر ہیں۔ اس عرصے میں جو کچھ مسرت پہنچنی ہو، پہنچ لے، ورنہ پھر ہم کہاں؟

دو شنبہ ۳۔ جنوری ۱۸۵۹ء

---

(۱) الہام تو ثابت نہ ہوا، اوہام ہی کا کرشمہ نکلا۔ کیونکہ میرزا نے ۱۲۷۷ھ سے کم و بیش آٹھ برس بعد وفات پائی۔

قبلہ،

کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے، وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے؟ پنسن قدیم اکیس مہینے سے بند اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزو مند۔ پنسن کا احاطۂ پنجاب کے حکام پر مدار ہے، سو ان کا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ نہ روپیہ دیتے ہیں، نہ جواب، نہ مہربانی کرتے ہیں نہ عتاب۔ خیر، اس سے قطع نظر کی۔ اب سنیے ادھر کی۔ ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر، عطیہ شاہی کا امیدوار ہوں(۱)۔ تقاضا کرتے ہوئے شرماؤں اگر گنہ گار ہوں۔ گنہ‌گار ٹھہرتا، گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ میں بے گناہ ہوں۔ مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں۔ پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ میں جب کوئی کاغذ بھجوایا ہے، بقلم چیف سکرتر بہادر اس کا جواب پایا ہے۔ اب کی بار دو کتابیں بھیجیں: ایک پیش کش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے، نہ اوس کے قبول کی اطلاع، نہ اس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم مبور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی۔ ان کی بھی کوئی تحریر مجھ کو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف، اب خبریں ہیں مختلف۔ کہتے ہیں کہ چیف سکرتر بہادر لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی جگہ کون سے صاحب عالیشان چیف سکرتر ہوئے (۲)

---

(۱) اس کی تفصیل میرزا نے خود مکتوب (۶) میں بیان کر دی ہے۔ یعنی وزیرِ اعظم انگلستان نے اطلاع دی تھی کہ لارڈ ایلن برا کی وساطت سے جو قصیدہ آیا، اس کے سلسلے میں خطاب، خلعت اور پنشن کے متعلق اطلاع حکومت ہند کے ذریعے سے دی جائے گی۔

(۲) مطلب یہ کہ مرکزی حکومت کے چیف سکرتری لفٹنٹ گورنر غرب و شمال بنا دیے گئے، مگر ان کی جگہ مرکز میں کون چیف سکرتر ہوئے؟

مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ میں تشریف لے گئے۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سکرتر کا کام کس کو دے گئے (۱)؟ آپ کا حال کوئی نہیں کہتا کہ آپ کہاں ہیں؟ ہاں از روے قیاس جانتا ہوں کہ آپ اسی منصب اور اسی دفتر میں شاد و شادماں ہیں، جو اب لفٹنٹی کے سکرتر ہوئے ہوں گے، ان سے علاقہ رہتا ہوگا۔ میور صاحب بہادر سے کاہے کو ملنا ہونا ہوگا؟ لفٹنٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونوں محکمے اله آباد آ گئے یا آئیں گے، بہ ہر حال آپ اب کیوں آگرے کو جائیں گے؟

نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی خبر میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ۲۰۔ جنوری کو گئے، کوئی کہتا ہے فروری میں کوچ فرمائیں گے۔ میں تو اودھر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا، ہر طرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا۔ مگر یہ چاہتا ہوں حقیقت واقعی پر کہاں حتہ اطلاع حاصل ہو تا کہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو۔ اگر ان مطالب کا جواب، نہ مجمل، بلکہ مفصل، نہ بدیر، بلکہ جلد، مرحمت کیجیے گا تو گویا مجھ کو مول لے لیجیے گا۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

۳۰۔ جنوری ۱۸۵۹

(۶)

قبلہ حاجات،

قطعے میں جو حضرت نے الہام درج کیا ہے، وہ تو ایک لطیفہ بسبیل دعا (۲) ہے، مگر ہاں یہ کشف یقینی ہے، اور مخدوم کی روشن دلی

---

(۱) اگر عام شہرت کے مطابق سر ولیم میور صدر بورڈ میں منتقل ہو گئے تو ان کی جگہ لفٹنٹ گورنر غرب و شمال کا چیف سکرٹری کسے بنایا گیا؟
(۲) بظاہر خواجہ غلام غوث نے میرزا کی طرف سے وفات کی پیشگوئی کا قطعہ پڑھتے ہی چند شعر دعائیہ لکھے ہوں گے۔

اور دور بینی ہے کہ جو سوالات میں نے ۳۰- جنوری کو کیے، ان کے جواب تم نے ۲۷- جنوری کو لکھ کر بھیج دیے۔ کیوں نہ کہوں روشن ضمیر ہو؟ اگرچہ جوان ہو مگر میرے پیر ہو۔

خلاصہ تقریر یہ کہ ۳۰- جنوری کو آخر روز میں نے ڈاک میں خط بھجوایا اور ۳۱ کو ڈاک کا ہرکارہ پہر دن چڑھے تمہارا خط لایا۔ سوالات میں ایک سوال کا جواب باقی رہا۔ یعنی جناب ایڈمنسٹن صاحب بہادر کی جگہ چیف سکرتر گورنمنٹ کلکتہ کون ہوا؟ یہ دل میں پیچ و تاب باقی رہا۔

کتاب کے باب میں جو کچھ لکھا ہے، واقعی یہ درست اور بجا ہے۔ جو کچھ واقع ہوا اس کو مفید مطلب فرض کروں، لیکن اگر اجازت پاؤں تو اسی باب میں عرض کروں کہ پیشگاہ گورنمنٹ میں بتوسط چیف سکرتر بہادر سابق اور لفٹنٹ گورنر بہادر حال، دو مجلد پیش کیے ہیں۔ ایک نذر گورنمنٹ اور دوسری کے واسطے یہ سوال کہ میری عزت بڑھائی جائے اور یہ مجلد حضور شہنشاہی میں بھجوائی جائے۔ اچھا، نذر گورنمنٹ میں تو مولوی اظہار حسین صاحب کا وہ اظہار ہے، نذر سلطانی کے ارسال و عدم ارسال میں کیا دار و مدار ہے؟ دو نسخے جو ان دونوں صاحبوں کے پیش کش مقرر ہوئے ان میں سے ایک صدر بورڈ کے حاکم اور لفٹنٹ گورنر ہوئے، رد و قبول، نفرین و آفرین کچھ بھی نہیں۔ قیاساً جو چاہوں سو کروں یقین کچھ بھی نہیں۔

۱۷- دسمبر ۱۸۵۶ء کو لکھا ہوا حکم وزیر اعظم کا ولایت کی ڈاک میں مجھ کو آیا ہے کہ قصیدہ کے صلے اور جائزے کے واسطے کہ جو بتوسط لارڈ ایلن برا، سائل نے بھجوایا ہے، خطاب اور خلعت اور پنسن کی تجویز ضرور ہے، جو حکم صادر ہوگا، سائل کو بتوسط گورنمنٹ اس کی اطلاع دینی منظور ہے۔ یہ حکم مورخہ ۱۷- دسمبر ۱۸۵۶ء آخر جنوری ۱۸۵۷ء میں میں نے پایا۔ فروری، مارچ، اپریل خوشی اور توقع میں گزرے۔ مئی ۱۸۵۷ء میں فلک نے یہ فتنہ اٹھایا۔ اب اس کتاب اور

دوسرے قصیدے کے جا بجا نذر کرنے کا یہ سبب ہے کہ سائل محکمہ ولایت کو باد دہی کرتا ہے اور گورنمنٹ سے تحسین طلب ہے۔ جب یہاں سے نوید تحسین نہیں، تو ولایت کو نذر کے ارسال کا بھی یقین نہیں۔ تحسین اور آفرین سے قطع نظر نذر کے ولایت جانے کا یقین کیوں کر حاصل ہو، جہاں یہ تفرقہ اور بے التفاتی اور یہ دشواری اور مشکل ہو؟ جی میں آتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر اور حاکم صدر بورڈ کو ایک عریضہ جدا جدا لکھوں، پھر یہ سوچتا ہوں کہ انگریزی لکھواؤں، فارسی لکھوں اور دونوں صورتوں میں کیا لکھوں؟ کل کا بھیجا ہوا خط اور یہ آج کا خط، یقین ہے کہ دونوں معاً ایک وقت میں پہنچیں۔ وہ تو جواب طلب نہیں، اس کا جواب لکھیے اور بہت شتاب لکھیے۔
(۳۱- جنوری ۱۸۶۰ء)۔

(۷)

حضور!

خدا کا شکر، پھر آپ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ آپ نے خط لکھا اور میرا حال پوچھا۔ یہ پرسش حکم نشتر کا رکھتی ہے۔ اب رگ قلم کی خونابہ فشانی دیکھو۔ گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کمشنر بہادر دھلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیتہ‌السیف(۱) تھے، ان کو حکم دیا اور دربار عام میں سے سوائے میرے کوئی نہ تھا، یا چند مہاجن۔ مجھ کو کوئی حکم نہ پہنچا۔ جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا۔ جب بہ سر زمین مخیم خیام گورنری ہوئی، میں اپنی عادت قدیم کے مطابق خیمہ گاہ میں پہنچا۔ مولوی اظہار حسین خاں صاحب بہادر سے ملا۔ چیف سکرتر بہادر کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں۔ دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں

---

(۱) پاٹودی، دوجانہ اور لوہارو۔

سے اخلاص رکھتے تھے، اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاھتے ہو؟ اس دن چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے انگریزی خط اون کے نام کا لکھ کر اون کو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ھے، امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو تا کہ میری صفائی اور بے گناھی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر جواب نہ ھوا۔ اب ماہ گزشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ھیں کہ ہم تحقیقات نہ کریں گے۔ پس یہ مقدمہ طے ھوا۔ دربار و خلعت موتوف، پنسن مسدود، وجہ نا معلوم۔ لا موجود الااللہ و لا مؤثر فی الوجود الااللہ۔

۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں بہادر والی رام پور کہ میرے آشنائے قدیم ھیں، اس سال (۱۸۵۵ء میں) میرے شاگرد ھوئے۔ ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اردو کی بھیجتے، میں اصلاح دے کر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رھتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری، انگریزی پنسن کھلا ھوا، ان کے عطایا فتوح گنے جاتے تھے۔ جب وہ دونوں تنخواھیں جاتی رھیں تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر رھا۔ بعد فتح دھلی وہ ھمیشہ میرے مقدم کے خواھاں رھتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ اوپر لکھ آیا ھوں تو میں آخر جنوری میں رام پور گیا۔ چھہ سات ھفتے وھاں رہ کر دلی آیا۔ یہاں آپ کا خط محررہ ۸۔ مارچ پایا۔ جواب بھیجا جاتا ھے۔

(مارچ ۱۸۶۰ء)

(۸)

در نو میدی بسے امید است

پایان شب سیہ سپید است

قبلہ،

آج آپ کی خوشی اور خوشنودی کے واسطے اپنی روداد لکھتا ھوں۔ توطیہ (۱) : ۱۸۶۰ء میں لارڈ صاحب بہادر نے میرٹھ میں دربار کیا۔

---

(۱) وہ باتیں جو بطور تمہید کہی یا لکھی جائیں۔

صاحب کمشنر بہادر دہلی کو ساتھ لے گئے۔ میں نے کہا "میں بھی چلوں"؟ فرمایا کہ "نہیں"۔ جب لشکر میرٹھ سے دلی میں آیا، موافق اپنے دستور کے، روز ورود لشکر مخیم میں گیا۔ میر منشی صاحب سے ملا، ان کے خیمے میں سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرتر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ تم غدر کے دنوں میں، بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے، اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ میں گدائے مبرم، اس حکم پر ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس ہو کر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔

واقعہ: اواخر ماہ گزشتہ یعنی فروری ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب دلی آئے۔ اہالی شہر، صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانۂ محض اور مطرود حکام تھا۔ جگہ سے نہ ہلا، کسی سے نہ ملا۔ دربار ہوا۔ ہر ایک کا مکار ہوا۔ شنبہ ۸۔ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمے میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرتر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلایا گیا۔ مہربان پا کر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی، وہ بھی حاصل ہوئی۔ دو حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتیں دیکھیں، جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں۔

جملہ معترضہ: میر منشی لفٹنٹ گورنر سے سابقۂ تعارف نہ تھا، وہ بطریق حسن طلب میرے خواہاں ہوئے، تو میں گیا(۱)۔ جب حکام بہ مجرد استدعا مجھ سے بے تکلف ملے، تو میں قیاس کر سکتا ہوں کہ میر منشی کی حسن طلب بہ ایمائے حکام ہوگی، وللرحمان الطاف خفیہ۔

---

(۱) کسی ذریعے سے میرزا کو اطلاع پہنچی ہوگی کہ میر منشی ملاقات کے خواہاں ہیں۔ اسی بناء پر میرزا لفٹنٹ گورنر پنجاب کی خیمہ گاہ میں پہنچے اور منشی من پھول سنگھ سے ملے۔

بقیہ روداد یہ ہے کہ دو شنبہ دوم مارچ کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار و خلعت بدستور بحال و برقرار ہے۔ متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیوں کر؟ حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقے کے سب کاغذ، انگریزی و فارسی، دیکھے اور باجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسداللہ خاں کا دربار اور لمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا؟ فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہ حکم دفتر میں لکھوا کر چودہ یا پندرہ دن بعد ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ:

کار ساز ما بہ فکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

سہ شنبہ ۳۔ مارچ کو بارہ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا، خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے ہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے۔ انبالہ جاؤ گے تو دربار اور خلعت پاؤ گے۔ عرض کیا گیا: ''حضور کے قدم دیکھے، خلعت پایا۔ لارڈ صاحب کا حکم سن لیا، نہال ہو گیا۔ اب انبالہ کہاں جاؤں؟ جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا،،

کار دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

(مارچ ۱۸۶۳)

(۹)

جناب عالی!

ایک شعر استاد کا مدت سے تحویل حافظہ چلا آتا ہے:

ظالم! یہ میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میں نے از راہ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی :

ان دل فریبیوں سے نہ کیوں اس پہ پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا

تم اخوان‌الصفا میں سے ہو۔ تمھاری آزردگی اوروں کی مہربانی سے خوشتر ہے۔

ہاں حضرت، کہیے ممتاز علی خاں کی سعی بھی مشکور ہوگی؟ وہ مجموعۂ اردو چھپایا چھپا ہی رہے گا؟ احباب اس کے طالب ہیں، بلکہ بعض نے طلب کو بسر حد تقاضا پہنچا دیا ہے۔

میرا حال سنیے۔ لارڈ کے ننگ صاحب نے بعد فتح دہلی میرا قصیدہ مجھ کو واپس بھیج دیا۔ صاحب سکرتر نے مجھ سے کہہ دیا کہ تم ایام غدر میں بادشاہ باغی کے مصاحب رہے، اب گورنمنٹ کو تم سے راہ و رسم آمیزش منظور نہیں۔ ناچار چپ ہو رہا۔ بے حیا ہوں، لارڈ ایلگن صاحب بہادر کے وقت میں پھر موافق معمول قصیدہ شملہ کے مقامات پر بھیج دیا۔ خلاف تصور بحسب دستور قدیم چیف سکرتر بہادر کا خط آ گیا۔ وہی افشانی کاغذ، وہی القاب، وہی تحسین کلام، وہی اظہار خوشنودی۔ اب جو یہ امیر کبیر وائسرائے قلمرو ہند ہوئے، میں خدمت دیرینہ بجا لایا(۱)۔ ۱۳-فروری ۱۸۶۴ء حال کو قصیدہ مع عرضداشت ارسال کیا۔ آج تک کہ ۷- مارچ کی ہے، جواب نہیں پایا۔ باوجود سوابق معرفت رسم قدیم کا عمل میں نہ آنا خاطر آشوب کیوں نہ ہو؟

---

(۱) وائسرائے ہند سے مراد لارڈ لارنس ہے جو ایلگن کے اچانک وفات پا جانے پر (۲۰- نومبر ۱۸۶۳ء) جانشین مقرر ہوا تھا۔ میرزا نے حسب معمول اس کی خدمت میں بھی قصیدہ بھیجا۔ ایلگن اور لارنس کے قصیدے ''سبد چین'' میں ہیں۔

بیدل نیم هنوز به بینم چه میشود

(۷- مارچ ۱۸۶۳ء)

(۱۰)

قبلہ،

میرا ایک شعر ہے:

خود پیش خود کفیل گرفتاری من است
هر دم به پرسش دل مایوس مے رسد

یہ معاملہ میرا اور آپ کا ہے۔ خارج سے مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط ''برہان قاطع،، کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ ''قاطع برہان،، لکھا ہے اور ایک مجلد اس کا آپ کو بھی بھیج دیا ہے، آپ اس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگر چہ باور نہیں آیا، لیکن عجب آیا۔

ایک مولوی نجف علی ہیں، باوجود فضیلت علم عربی، فارسی میں ان کا نظیر نہیں۔ وہ جو ایک شخص مجہول الحال (۱) نے اہل دہلی میں سے میرے کلام کی تردید میں کتاب تصنیف کی ہے، مسمی بہ ''محرق قاطع برہان،،۔ انہوں نے اس کی توہین اور مسودہ کی تفضیح میں دو جزو کا ایک نسخہ مختصر لکھا ہے اور ایک طالب علم مسمی بہ عبدالکریم نے سعادت علی مؤلف ''محرق قاطع،، سے سوالات کیے ہیں اور ایک محضر اس نے بفحوائے علمائے شہر مرتب کیا ہے(۲)۔ ایک میرے دوست نے بصرف زر اس کو چھپوایا ہے۔ ایک نسخہ اس کا آج اسی خط کے ساتھ بسبیل پارسل ارسال کیا ہے۔

---

(۱) مولوی سعادت علی مصنف ''محرق قاطع،،۔

(۲) ''سوالات عبدالکریم،، خود میرزا کے مرتب کردہ تھے۔ غالباً اپنے ہی خرچ سے چھپوائے تھے۔

اس شہر میں ایک میلا ہوتا ہے، پھول والوں کا میلا کہلاتا ہے۔ بھادوں کے مہینے میں ہوا کرتا ہے۔ امرائے شہر سے لے کر اہل حرفہ تک قطب جاتے ہیں۔ دو تین ہفتے تک وہیں رہتے ہیں۔ مسلمان و ہنود دونوں فرقوں کی شہر میں دکانیں بند پڑی رہتی ہیں۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور شہاب الدین خاں اور میرے دونوں لڑکے(۱) سب قطب گئے ہوئے ہیں۔ اب دیوان خانہ میں ایک میں ہوں اور ایک داروغہ اور ایک بیمار خدمتگار۔ بھائی صاحب وہاں سے آئیں گے تو مقرر آپ کو خط لکھیں گے۔ بڑے پہاڑ سے اترے، چھوٹے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ عدم تحریر کی وجہ یہ ہے۔

(۱۸۶۴ء)

(۱۱)

میں سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا!

پیر و مرشد،

خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں سنا، مجھے باور نہ آیا، یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا۔ جھگڑا استعجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے کہ آپ کا دوست کہتا ہے کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں اور وہ ''قاطع برہان،، کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیا کا یہ حال ہے، وائے بر حال ہم اشقیا کے!

یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ میں دنیاداری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں، لیکن فقیر آزاد ہوں، نہ شیاد، نہ کیاد۔(۲)

ستر برس کی عمر ہے۔ بے مبالغہ کہتا ہوں، ستر ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں گے زمرۂ خاص میں سے، عوام کا شمار نہیں۔ دو مخلص

---

(۱) باقر علی اور حسین علی فرزندان عارف۔
(۲) شیاد و کیاد دونوں کے معنی فریبی اور مکار کے ہیں۔

صادق‌الولاد(۱) دیکھے : ایک مولوی سراج‌الدین(۲) رحمۃ‌اللہ، دوسرا منشی غلام غوث سلمہ‌اللہ تعالیٰ، لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا اور خلوص اخلاص اس کا خاص میرے ساتھ تھا۔ اللہ اللہ دوسرا دوست، خیر خواہ خلق، حسن و جمال، چشم بد دور، کمال مہر و وفا و صدق و صفا، نورعلیٰ نور۔ میں آدمی نہیں، آدم شناس ہوں :

نگہم نقب ہمے زد بہ نہاں خانہ دل
مژدہ باد اہل ریا را کہ ز میداں رفتم

غایت مہر و محبت، جس کے ملکہ کا تم کو، مالک سمجھا ہوں، وہ بہ نسبت اپنے اس قدر یقین کرتا ہوں کہ پہلے دو آدمیوں کو اپنا ماتم دار سمجھا ہوا تھا۔ ایک کو تو میں رو لیا، اب اللہ امین کا ایک دوست رہ گیا۔ دعائیں مانگتا ہوں کہ خدایا اس کا داغ نہ مجھے دکھائیو۔ اس کے سامنے مروں۔ میاں، میں تمہارا عاشق صادق ہوں۔ بھائی ابھی قطب سے نہیں آئے۔ ''دافع ھذیان،،(۳) کے دو مجلد اور بھیج دوں گا۔ ۱۸۶۳ء

---

(۱) محبت میں سچے اور پکے۔

(۲) سراج‌الدین کا وطن لکھنئو تھا۔ شیو نرائن آرام کو دستنبو کا ایک نسخہ ان مولوی سراج احمد صاحب کو بھیجنے کی ہدایت کرتے ہوئے میرزا نے پتا یہ لکھا : لکھنئو بہ احاطہ خانساماں، متصل تکیہ شیر علی شاہ، بہ مکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بخدمت مولوی سراج‌الدین احمد (دیکھیے مکتوب ۱۶ بنام آرام) ان سے میرزا کی ملاقات کلکتہ میں ہوئی تھی۔ اردو اور فارسی غزلوں کا جو انتخاب میرزا نے ''گل رعنا،، کے نام سے مرتب کیا تھا، وہ سراج‌الدین احمد ھی نے مرتب کرایا تھا، جیسا کہ میرزا نے گل رعنا کے دیباچے میں تصریحاً لکھا۔ (کلیات نثر غالب ص ۹۰) ایک غزل کے مقطع میں بھی اسی سراج‌الدین احمد کی طرف اشارہ ہے :

با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست
ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا

(۳) مرتبہ مولوی نجف علی جھجری بہ حمایت میرزا غالب۔

پیر و مرشد،

کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں، مولوی عبدالغفور ان کا نام اور نساخ ان کا تخلص ہے۔ میری ان کی ملاقات نہیں۔ انہوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ ''دفتر بے مثال،، مجھ کو بھیجا۔ اس کی رسید میں یہ خط میں نے ان کو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعۂ نثر اردو کے لائق ہے، آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں۔

اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح، یا چھپے گا بالضم؟ چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت اقتضاء کرے، فقیر کو بھیجیے۔ والسلام ۱۲۔

۱۸۶۴ء

(۱۳)

قبلہ،

آپ کا خط پہلا آیا اور میں اس کا جواب لکھنا بھول گیا۔ کل دوسرا خط آیا مگر شام کو اسی وقت پڑھ لیا۔ آدمی کے حوالے کیا۔ اس نے آج صبحدم مجھ کو دیا، میں جواب لکھ رہا ہوں۔ بعد اختتام تحریر معنون کر کے ڈاک میں بھجوا دوں گا۔

والی رام پور کو خدا سلامت رکھے۔ اپریل، مئی ان دونوں مہینوں کا روپیہ موافق دستور قدیم آیا۔ جون ماہ آیندہ کا روپیہ خدا چاہے تو آ جائے۔ جمعہ ۷ جولائی ہے۔ معمول یہ ہے کہ دسویں بارھویں کو رئیس کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا ہے۔ میں نے قصیدۂ تہنیت جلوس بھیجا(۱)۔

(۱) تجلی کہ ز موسیٰ ربود ہوش ز طور — بہ شکل کلب علی خاں دگر نمود ظہور
خجستہ سرور سلطاں شکوہ را نازم — کہ رشک بر کلہش دارد افسر فغفور
ہوائے لطف وے از جان خور برد سوزش — نگاہ قہر وے از روے مہ رباید نور

(باقی دیکھیے اگلے صفحے کا حاشیہ)

اس کا جواب آ گیا ۔ اب میں نظم و نثر کا مسودہ نہیں رکھتا ۔ دل اس فن سے نفور ہے ۔ دو ایک دوستوں کے پاس اس کی نقل ہے ۔ ان کو اس وقت کہلا بھیجا ہے۔ اگر آج آ گیا، کل اور اگر کل آیا، پرسوں بھیج دوں گا(۱)

دم نگارش وصف کلام شیرینش — چو خیل مور دود بز ورق حروف سطور
فضاے رز مگسش شاہراہ قہروغضب — بساط بز مگسش کار گاہ سور و سرور
بخوان شرع بہیں ہم نوالہٴ شبلی — بہ بزم عشق مہیں ہم پیالہٴ منصور
زروے رابطہٴ حسن، ماہتاب جہاں — بحسب ضابطہٴ جاہ، آفتاب ظہور
بحکم مرتبہ، او حاکم وفلک محکوم — ز راہ قاعدہ، شرع آمر است و او مامور
چوآب سیل روانے کہ ایستد بہ مغاک — بود ہمیشہ بہ فنجان وے شراب طہور
زہے وزیر و خہے شہر یار دانا دل — تو شاہ کشور حسن و خرد ترا دستور
بناے منظر جاہ ترا زحل معمار — ثوابت کرۂ چرخ ہشتمیں مزدور
ثنا گر تو سکندر بہ بار جاے جلال — قفا خور تو ارسطو، بہ درسگاہ شعور
براے بزم نشاط تو شمع چوں ریزند — ق نہ پیہ گاو بکار آورند و نے کافور
ز فیض نسبت خلق تو عنبر سارا — بجاے موم برآید ز خانہٴ زنبور
بدیں خرام و بدیں قامت و بدیں رفتار — ق ز بہر فاتحہ آئی اگر بسوے قبور
جہاں جانی و جان جہاں، عجب نبود — کہ از ورود توہرمردہ رقصد اندر گور
بہ پیشگاہ تو زانو ہمے زند انصاف — ق کہ اے بہ رحم‌وکرم‌درجہانیان مشہور
در انتقام کشی شیوۂ کرم مگزار — بر آر کام دل بد سگال از ساطور
توئی بہ فضل فزایندۂ عروج علوم — توئی بہ علم کشایندۂ عقود صدور
صریر خامہٴ من بیں کہ مے رباید دل — چنانکہ از لب داؤد استماع زبور
سواد صفحہ من بین و تابش معنی — عیاں چوں شمع فروزندہ در شب دیجور
امیر زندہ دل آں والی ولایت نظم — بہ گنج خانہٴ گنجہ نظامیش گنجور
غروب مہر و طلوع مہ دو ہفتہ بود — ق رسیدن تو بدیں اوج بعد آں مغفور(۲)
چو او بزیر زمین رفت،آں‌ولایت یافت — تو باش والی روے زمیں، قروں و دہور

(دیکھیے آگے)

(۱) گویا یہ قصیدہ مکتوب کے ساتھ نہیں بلکہ ایک یا دو روز بعد الگ بھیجا یا بھجوایا گیا۔

(۲) نواب یوسف علی خاں مرحوم والد ماجد نواب کلب علی خاں۔

بھائی امین الدین خاں کے اصرار سے خسرو کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے۔ علاؤالدین خاں نے اس کی نقل ان کو بھیج دی ہے۔ میں دیوان پر نہیں چڑھاتا۔ مسودہ بھیجتا ہوں(۱)۔ تقدیم و تاخیر ہندسوں کے مطابق ملحوظ رہے۔ گرمی کی شدت سے حواس بجا نہیں، معہذا امراض جسمانی و آلام روحانی۔

۷- جولائی ۱۸۶۵ء

به انجمن نه رسیدم ز ناتوانائی ۔۔۔ ولے به عرض ثنا و دعائیم معذور

بخاک پاے تو، گر دستگاه داشتمے ۔۔۔ نبودمے به غم دوری در تو صبور

من آن کسم که ز افراط ورزش اخلاص ۔۔۔ به غیبت است مرا دعوی دوام حضور

توئی رحیم دل و من سقیم، دوری به ۔۔۔ مباد رنجه شوی از نظارۂ رنجور

کفے بدست تہی تر ز کیسۂ دلاک ۔۔۔ دلے به سینه بسے تنگ تر ز دیدۂ مور

کمی ز ما و کرم از شما بلا تشبیه ۔۔۔ ز کردگار بود رحمت و ز بنده قصور

نظر به خستگی و پیری و تہیدستی ۔۔۔ قبول کردن تسلیم من خوش‌است زدور

شعار غالب آزاده جز دعا نبود ۔۔۔ که باد سعی دعا گوے در دعا مشکور

به دهر تا بود آئین که در نوا آرند ۔۔۔ رباب و بربط و قانون و نے به محفل سور

به بزم عیش تو ناهید باد زمزمه سنج ۔۔۔ نسیم عطر فروش از شمیم طرۂ حور

محب ز لطف تو بالنده چون نوا از ساز

عدو ز بیم تو نالنده چون خر طنبور(۱)

---

(۱) **غزل :**

هم اناالله خوان درختے را به گفتار آورد

هم اناالحق گوے مردے را سر دار آورد

اے که پنداری که ناچار است گردون در روش

نیست ناچار آنکه گردون را به رفتار آورد

نکتۂ داریم و با یاران نمے گویم فاش

طالب دیدار باید تاب دیدار آورد

(باقی غزل بر صفحه)

---

(۱) سید وزیرالحسن صاحب عابدی کے نزدیک صحیح مصرع یوں ہے :

؎ عدو زبیم تو نالنده چون خر از طنبور

بندۂ گنہگار شرمسار عرض کرتا ہے کہ پرسوں غازی آباد کا اٹھا ہوا گیارہ بجے اپنے گھر پر مثل بلاے نا گہانی نازل ہوا ہوں :

باید که کنم هزار نفرین بر خویش
اما به زبان جادۂ راه وطن

خواجہ(۱) صاحب کی رحلت کا اندوہ، بقدر قرب و قرابت آپ کو اور به اندازۂ مہر و محبت مجھ کو۔ وہ مغفور میرا قدردان اور مجھ پر مہربان تھا۔ حق تعالیٰ اس کو اعلیٰ علیین میں بسبیل دوام قیام دے۔

رام پور ہی میں تھا کہ ''اودھ اخبار،، میں حضرت کی غزل نظر افروز ہوئی۔ کیا کہنا ہے! ابداع اس کو کہتے ہیں۔ جدت طرز اس کا نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ نوایان ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا، وہ تم بر روے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور میرے اور دکھنی صاحب ''برہان قاطع،، کے جھگڑے میں بخلاف اور فارسی دانوں کے توفیق

بقیہ غزل :

آں کند قطع بیاباں، ایں شگافد مغز کوہ
عشق هر یک را بطرز خاص درکار آورد
جذب شوقش بیں که در هنگام برگشتن زدیر
در قفاے خویشتن بت را به رفتار آورد
دانه ها چوں ریزد از تسبیح، تارے بیش نیست
ایں مشعبد دهر گاه از سبحه زنار آورد
آه مارا بیں که نارد از دل سختش خبر
باد را نازم که ابر از سوے کہسار آورد
نزد ما حیف است گونزد زلیخا میل باش
جذبهٔ کز چاه یوسف را به بازار آورد
هر انارے را که افشاریم از وے خوں چکد
هر نہالے را که بنشانیم دل بار آورد
نیست چوں در منطقش جز ذکر شاهد حرف و صوت
شاهدے باید که غالب را به گفتار آورد

(۱) خان بہادر سید محمد خاں۔ ملاحظہ ہو خط (۱۵)۔

انصاف عطا کرے۔ لو اب اس کا جواب جلد بھیجو تا یہ طریقہ مسلسل ہو جائے(۱)۔

۱۰ جنوری ۱۸۶۶ء

(۱۵)

مولانا بندگی!

آج صبح کے وقت شوق دیدار میں بے اختیار، نہ ریل، نہ ڈاک، تو سن ہمت پر سوار چل دیا ہوں۔ جانتا ہوں کہ تم تک پہنچ جاؤں گا، مگر یہ نہیں جانتا کہ کہاں پہنچوں گا۔ اتنا بے خود ہوں کہ جب تک تم جواب نہ دوگے، میں نہ جانوں گا کہ کہاں پہنچا اور کب پہنچا۔

آپ کا پہلا خط رام پور سے دلی آیا۔ میں راہ میں تھا۔ پھر دلی سے خط رام پور پہنچا۔ میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلی روانہ ہوا۔ اب کئی دن ہوئے کہ میں نے ڈاک سے پایا، اس حال میں کہ میں بیمار تھا۔ معہذا جاڑے کی شدت، مہاوٹ کا مہینا(۲)، دھوپ کا پتا نہیں، پردے چھٹے ہوئے، نشیمن تاریک۔ آج نیر اعظم کی صورت نظر آئی۔ دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ خط لکھ رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں؟ اس خط کے مضامین اندوہ فزا نے دل کو مضمحل کر دیا۔ جانتا تھا کہ خواجہ صاحب مغفور تمہارے ماموں ہیں(۳)، مگر ان کے اور تمہارے

---

(۱) جس غزل کا حوالہ دیا وہ ذیل میں درج ہے:

چشم کہ بازشد زخواب؟ فتنہ ازو بچارسوست
پردہ ز رخ کہ بر کشاد؟ مہر زشرم زرد روست
رخت خرد بہ آب رفت، عارض شرمگیں کہ شست؟
غرقۂ آب حیرت است، آئینہ با کہ رو بروست؟

باقی بر صفحہ ۴۷۵

(۲) موسم سرما کی بارش۔

(۳) خان بہادر سید محمد خاں جو غلام غوث خاں کے ماموں تھے۔

معاملات مہر و ولا جیسے کہ تمہاری تحریر سے اب معلوم ہوئے، ہرگز دل نشین نہ تھے ۔ ایسے محب کا فراق اور پھر بقید دوام کیوں کر جانگزا نہ ہو؟ حق تعالیٰ ان کو بخشے اور تم کو صبر دے!

جامہ کہ کرد زیب تن؟ صبح درید پیرہن
بند قبا کہ بستہ است؟ نکہت گل بہ بند اوست
غازہ برخ کہ بر کشید؟ رنگ بروے گل شکست
ابروے کیست و سمہ تاب؟ گردن خلق تیغ جوست
دست کہ درحنا گرفت؟ لالہ تر بہ خون نشست
چشم کہ مست سرمہ گشت؟ ناطقہ سرمہ در گلوست
جام صبوحی کہ زد؟ شیشہ بہ سجدہ مے رود
مے ز لب کہ کام یافت؟ جوش نشاط در سبوست
چہرہ ز مے کہ بر فروخت؟ نشاء شوق شد بلند
زلف کہ بوے بر فشاند؟ موج نسیم مشکبوست
تیغ نگہ کہ آب داد؟ گشتہ فگار سینہ ہا
نوک مژہ کہ تیز کرد؟ دامن زخم بے رفوست
غنچہ ز خندہ لب بہ لب رنگ تبسم کہ دید؟
در گہر آبرو نہ ماند، لعل کہ گرم گفتگوست؟
طرف کلہ کہ بر شکست؟ شیشہ دل شکستہ شد
قامت خود کہ راست کرد؟ نخل مراد در نموست
موے کمر کہ تاب داد؟ رشتہ جان زہم گسیخت
دامن ناز را کہ ہشت؟ خاک زمین بہ آبروست
بر سر زین کہ بر نشست؟ رفتہ زکف عنان صبر
سوے چمن کہ میرود؟ باد صبا بہ ؟رفت و ؟روست
بخت کجاست ؟ بے خبر تا برکاب او دوم؟
بر سر رہ نشستہ ام، نیم نگاہم آرزوست

حضرت میں بھی اب چراغ سحری ہوں۔ رجب ۱۲۸۲ھ(۱) حال کی آٹھویں تاریخ سے اکہتروان سال شروع ہو گیا۔ طاقت سلب، حواس مفقود، امراض مستولی۔ بقول نظامی :

یکے مردہ شخصم بمردی رواں

آج میں اور بھی باتیں کرتا مگر میرا خاص تراش آ گیا۔ مہینے بھر سے حجامت نہیں بنوائی۔ خط لپیٹ کر ڈاک میں بھیجتا ہوں اور خط بنواتاہوں(۲)۔ (۱۸۶۶ء)

(۱۶)

قبلہ،

پیری و صد عیب۔ ساتویں دہاکے کے مہینے گن رہا ہوں۔ قولنج آگے دوری تھا۔ اب دائمی ہو گیا۔ مہینہ بھر میں پانچ سات بار فضول مجتمعہ دفع ہو جاتے ہیں اور یہی منشاءِ حیات ہے۔ غذا کم ہوتے ہوتے اگر معدوم نہ کہو تو بمنزلہ مفقود کہو۔ پھر گرمی نے مار ڈالا۔ ایک حرارت غریبہ جگر میں پاتا ہوں۔ اگرچہ جرعہ جرعہ پیتا ہوں، مگر صبح سے سوتے وقت تک نہیں جانتا کہ کتنا پانی پی جاتا ہوں۔

---

(۱) رجب ۱۲۸۲ھ، ۲۰ نومبر ۱۸۶۵ء سے شروع ہوا۔ میرزا کی تاریخ پیدایش ۸- رجب ۱۲۱۲ھ تھی۔ یوں ۲۷- نومبر سے اکہتروان سال شروع ہو گیا۔ یہ خط ۱۸۶۶ء کے اوائل کا ہے، کیوں کہ اس میں دوسرے سفر رام پور کا ذکر ہے۔ میرزا ۸- جنوری ۱۸۶۶ء کو اس سفر سے واپس دھلی پہنچے تھے۔
(۲) اس خط کے جواب میں جو خط خواجہ غلام غوث خاں نے بھیجا تھا۔ وہ ''فغان بے خبر،، کے ص ۸۷ پر موجود ہے۔ اس وقت خواجہ صاحب بہ سلسلہ دورہ گورکھپور میں مقیم تھے۔ چونکہ خاص تراش کے آ جانے کے باعث میرزا نے اپنا خط ختم کر دیا تھا، اس وجہ سے خواجہ صاحب نے لکھا :

اس وقت میں نہ ہوا، ورنہ حجام کی خوب حجامت کرتا کہ اس نے میرا حرج کیا۔

میرے ایک رشتہ دار کے بھتیجے نے ''بوستان خیال،، کا اردو میں ترجمہ کیا ھے۔ میں نے اس کا دیباچہ لکھا ھے۔ ایک دو ورقہ اس کا بصورت پارسل بلکہ بہ ھیئت خط بھیجتا ھوں۔ آپ کا مقصود دیباچہ ھے سو نقل کر لیجیے(۱)۔ میرا مدعا اس دو ورقے کے ارسال سے یہ ھے کہ اگر آپ کے پسند آوے یا اور اشخاص خرید کرنا چاھیں تو چھ روپے قیمت اور محصول بہ ذمہ خریدار ھے۔

(۱۸۶۶ء)

(۱۷)

قبلہ،

میں نہیں جانتا کہ ان روزوں میں بقول ھندی اختر شناسوں کے کون سی کھوٹی گرہ(۲) آئی ھوئی ھے کہ ھر طرف سے رنج و زحمت کا ھجوم ھے۔ مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات ھوئی، جب وہ دلی آئے تھے اور میر خیراتی کے گھر اترے ھوئے تھے۔ شرفا میں تعارف بنائے محبت و مودت ھے، چہ جائے آنکہ معانقہ اور مکالمہ اور مشاعرہ واقع ھوا ھو۔ روز ملاقات سے اس دن تک کہ حضرت دکن کو روانہ ھوں، کوئی امر ایسا کہ باعث نا خوشی کا ھو، درمیان نہیں آیا اور میرے اس قول کی، اس راہ سے کہ مولوی صاحب آپ کے ھمنشین و ھمدم تھے اور مجھ میں اور آپ میں پیوند ولائے روحانی متحقق ھے، آپ بھی گواہ ھو سکتے ھیں اگر

---

(۱) مقصد یہ ھے کہ دیباچہ اس مجموعہ مکاتیب وغیرہ کے لیے نقل کر لیجیے جو زیر ترتیب تھا اور بعد ازاں ''عود ھندی،، کے نام سے شائع ھوا۔ کتاب کا نام ''حدائق لافظار،، تھا اور خواجہ بدرالدین عرف خواجہ امان (بن خواجہ حاجی) نے ترجمہ کیا تھا۔

(۲) گرہ (بہ فتح اول و دوم) ھندی لفظ ھے، ''گرہ آنا،، کا مطلب ھے ایسے سیاروں کا جمع ھونا، جس کا نتیجہ نحوست ھو۔

خدا نخواستہ مجھ میں ان میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے۔

اب سنیے حال منشی حبیب‌اللہ کا، میں نے ان کو دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں ۔ تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدرآباد سے آیا ۔ اس میں دو غزلیں ۔ خط کا مضمون یہ کہ میں مختارالملک کے دفتر میں نوکر ہوں، آپ کا تلمذ اختیار کرتا ہوں ۔ ان دونوں غزلوں کو اصلاح دیجیے ۔ اس امر کے وہ بادی نہیں ، بریلی اور لکھنئو اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات نظم و نثر فارسی اور ہندی بھیجتے رہتے ہیں ۔ میں خدمت بجا لاتا ہوں اور وہ صاحب میرے حک و اصلاح کو مانتے ہیں ۔ کلام کا حسن و قبح میری نظر میں رہتا ہے اور ہر ایک کا پایہ اور دستگاہ، فن شعر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ عادات و عندیات، عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں۔

آمدم بر سر مدعا ۔ منشی حبیب‌اللہ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دے کر بھیجتا رہا ۔ بعد وارد ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل ان کی آئی اور انہوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید(۱) اکبرآبادی کی غزل پر یہ غزل لکھ بھیجتا ہوں ۔ میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دے کر بھیجا اور یہ لکھا کو مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں لکھنئو اور الہ آباد کے ہیں ۔ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی ۔ اس میں سے توہین کے معنی مستنبط ہوں تو میں ان کا مستہن(۲) سہی ۔

---

(۱) مولوی غلام امام شہید بن شاہ غلام محمد قصبہ امیٹھی کے بزرگوں میں سے تھے ۔ مولانا حیدر علی رام پوری سے تعلیم پائی ۔ فن شعر کی تکمیل سید اسماعیل مازندرانی سے کی ۔ محی‌الدولہ نے ایک ہزار روپے زاد راہ دے کر حیدرآباد بلایا ۔ دولت آصفیہ کی طرف سے چار سو تیس روپے ماہانہ وظیفہ بلا شرط خدمت مقرر ہو گیا ۔ شہید نے دکن سے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا ۔ راجا گردھاری پرشاد اور سر سالار جنگ نے کشادہ دلی سے سفر خرچ میں امداد دی ۔

(۲) مستہن : اہانت طلب، توہین کرنے والا ۔

اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا۔

(۱۸)

حضرت پیر و مرشد،

اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں صاحب سے میری ملاقات ہے اور وہ میرے دوست ہیں۔ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحب فراش ہوں۔ اٹھنا بیٹھنا نا ممکن ہے۔ خطوط لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ تفتہ کو میں نے خط نہیں لکھا۔ اشعار ان کے آئے، اصلاح دے دی، منشاۓ اصلاح جا بجا حاشیے پر لکھ دیا۔ کل جو عنایت نامہ آیا اس میں بھی دیباچہ کا اشارہ اور تفتہ کے خطوط کا حکم مندرج پایا۔ ناچار تحریر سابق کا اعادہ کرکے حکم بجا لایا۔

ناظرین ''قاطع برهان،، پر روشن ہوگا کہ ''نامراد،، اور ''بے مراد،، کا ذکر مبنی اس پر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی ''بے مراد،، کو صحیح اور ''نامراد،، کو غلط لکھتا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح ، لیکن ''بے مراد،، غنی کو کہتے ہیں اور ''نامراد،، محتاج کو۔ اب آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعاے اصلی یعنی ''نامراد،، کی ترکیب کا ، علی‌الرغم عبدالواسع کے، صحیح ہونا فوت نہیں۔ شعر میرزا صائب :

نامرادی زندگی بر خویش آسان کردن است
ترک جمعیت دل خود را بساماں کردن است(۱)

---

(۱) کلیات صائب مطبوعہ نولکشور (۱۹۰۶ء) ص ۱۳۹ -

یہاں ''نامرادی،، ''بے مرادی،، کے معنی کیوں کر دے گی؟ اغنیاؑ، خواہ اہل توکل، خواہ اہل تمول۔ متمولین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ ان پر مشکلیں ہیں۔ رہے اہل توکل ان کی صفتیں اور ہیں اور وہ اہل اللہ ہیں، مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر پشت پا مارے ہوئے ہیں ۔ کام ان پر کب مشکل تھا کہ انہوں نے اس کو آسان کر دیا ؟

''نامراد،، صیغہؑ مفرد ہے مساکین کا(۱)۔ اصناف مساکین کی شرح ضرور نہیں ۔ سختی کشی، بے نوائی ، تہیدستی ، گدائی ، یہ اوصاف ہیں مساکین کے ۔ ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جائے وہ مسکین، وہ نامراد ۔ البتہ مساکین پر ، نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں۔ نہ پاس ناموس و عزت ، نہ حب جاہ و تمکنت۔ نہ کسی کے مدعی ، نہ مدعا علیہ۔ دن رات میں دو بار روٹی ملی ، بہت خوش ۔ ایک بار ملی، بہر حال خوش ۔

خدا کے واسطے مولانا صاحب کے شعر میں سے ''نامراد،، بمعنی کسے کہ ہیچ مراد نداشتہ باشد،، کیوں کر ثابت ہوتا ہے ؟ مساکین کی زندگی، جیسا میں اوپر لکھ آیا ہوں، آسان گزرتی ہے یا اغنیا کی؟ رہا مولوی معنوی علیہ‌الرحمہ" کا یہ شعر :

عاقلاں از بے مرادیہاے خویش
با خبر گشتند از مولاے خویش

میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں عاقلاں کی جگہ عاشقاں دیکھا ہے۔ بہ ہر صورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلا بعد ریاضت شاقہ ما سوی اللہ سے اعراض کر کے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے۔ یہ پایہؑ تسلیم و رضا ہے ۔ البتہ اس رتبے کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا۱۲

با خبر گشتند از مولاے خویش

یہاں بھی ''بے مرادی،، سے ''نامرادی،، کے معنی نہیں لیے جاتے، مگر ہاں :

بے مرادی موماناں از نیک و بد

---

(۱) مطلب یہ کہ ''نا مراد،، ''مسکین،، کو کہیں گے۔

دوسرا مصرع :

در بکلی بے مرادت داشتی

ان دونوں مصرعوں میں ''نامراد،، اور ''بے مراد،، کے معنی میں خلط واقع هو گیا ہے۔ خیر ''بے مراد،، اور ''نامراد،، ایک سہی۔ هر چند دوسرے مصرع مولوی میں ''بے مراد،، کے معنی بے حاجت کے درست هوتے هیں ، مگر :

من که رندم شیوهٔ من نیست بحث

زیادہ تکرار کیوں کروں؟ معہذا مصرع اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں کر سکتا۔ ''نامراد،، کی ترکیب کی صحت علی‌الرغم عبدالواسع ثابت هو گئی ۔ فثبت‌المدعا۔ کہاں یہ که مانند ''ناچار،، و ''بیچارہ،، اور ''نا انصاف،، اور ''بے انصاف،، کے ''نامراد،، اور ''بے مراد،، کا بھی مورد استعمال مشترک رہا۔ والسلام ۱۲

(۱۹)

بندہ پرور !

اگر ایک بندۂ قدیم که عمر بھر فرماں پذیر رہا هو، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نه لائے تو مجرم نہیں هو جاتا۔ مجموعۂ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے هوئے دیباچے پر موقوف ہے تو اس مجموعے کا چھپ جانا، بالفتح میں نہیں چاهتا، بلکه چھپ جانا، بالضم، چاهتا هوں سعدی علیه‌الرحمه فرماتے هیں :

رسم است که مالکان تحریر
آزاد کنند بندۂ پیر

آپ بھی اسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے هیں - پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے ؟

حضرت وہ شعر بنگالی زبان کا لو - ۱۸۲۹ء میں ضیافت طبع احباب کے واسطے کلکته سے ارمغان لایا هوں، صحیح یوں ہے :

تم کہے تھے رات میں آئیں گے سو آئے نہیں
قبلہ، بندہ رات بھر اس غم سے کچھ کھائے نہیں

والسلام بالوف الاحترام ۱۲

۱۸۶۶ء

(۲۰)

قبلہ،

کل خط آیا، آج جواب لکھتا ھوں۔ پہلے آپ کا ایک فقرہ لکھ کر اتنا ھنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے آنسو نکل آئیں :

فقرہ ''بڑھاپے میں کیا جانیے کہاں کی حرارت مزاج میں آ گئی ھے،، فقط کیوں صاحب بڈھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھ کو لازم ھے، میں اپنے کو اموات میں گنوں۔ تمھاری عمر میرے نزدیک پچاس سے متجاوز نہ ھوگی، اگر تجاوز کیا ھوگا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہ ھوگا۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور تم ھم عمر ھو۔ وہ کچھ کم پچاس برس، تم کچھ اوپر پچاس (۱)۔ ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس برس میں سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ھیں ۱۲

''بنابہ آب رسیدن،، لازمی اور ''بنابہ آب رساندن،، متعدی بہ اجماع جمھور اضداد میں سے ھے۔ ھم بہ معنی استحکام وھم بہ معنی انہدام۔ در صورت استحکام نیو کا گہرا کھودنا ملحوظ ھے اور در صورت انہدام لطمۂ امواج سیلاب مد نظر ھے۔ آپ کے لکھے ھوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ھیں۔صائب :

بنائے عمر مسیح و خضر بہ آب رسید

یعنی ویران ھو گئی، ڈھے گئی، حال آنکہ وہ یقیناً جاودانی تھی :

ھنوز تشنۂ خون است تیغ مژگانش

---

(۱) خواجہ غلام غوث۔ ۱۸۲۴ء میں پیدا ھوئے۔ زیر غور مکتوب ۱۸۶۶ء کا ھے۔ گویا اس وقت خواجہ صاحب کی عمر بیالیس تینتالیس سال کی تھی۔

با آنکه تیغ مژہ نے دو زندۂ جاوید کو مارا مگر اب تک تشنۂ خون ہے
تشنہ بہ معنی مشتاق اور خون بہ معنی قتل اور بناے عمر بہ آب رسیدن
استعارۂ ہلاک :

هزار میکده را محتسب به آب رساند
بناے صومعۂ شید هم چنان برپاست

بناے میکدہ غلط، هزار میکدہ صحیح ہے۔ کلیم کے دیوان میں موجود ہے۔
بہ معنی استحکام، نعمت خاں عالی کہتا ہے :

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا به آب
چون حباب این خانه بے بنیاد مے سازیم ما(۱)

صائب کہتا ہے :

چگونه شمع تجلی ز رشک نگدازد
رخ تو خانۂ آئینه را به آب رساند

بہ نون موقوف۱۲

غالب کہتا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاهدے میں اگر توغل(۲) رہے، تو ہزارہا بات نئی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے سات شعرا میر خسرو کی غزل پر لکھ کر ایک مطرب کو دیے، وہ مجلسوں میں گانے لگا۔ اکبر آباد لکھنئو تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے :

از جسم بجاں نقاب تا کے ؍ این گنج دریں خراب تا کے

ایک صاحب آگرے میں اور ایک صاحب لکھنئو میں معترض ہوئے کہ ”گنج در خرابہ باید نہ در خراب“۔ ہر چند کہا کہ ”خرابہ“ مزید علیہ، اصل لغت ”خراب“ عربی الاصل، بہ معنی ویران و ویرانہ ہے،

---

(۱) عود ہندی مطبوعہ میں ردیف ”می دانیم ما“ ہے، لیکن نعمت خاں عالی کے دیوان میں ”می سازیم ما“ ہے اور پوری غزل کی ردیف یہی ہے لہذا میں نے ”مے دانیم ما“ کی جگہ ”مے سازیم ما“ بنا دیا۔

(۲) کسی کام میں بدرجہ کمال مصروف ہونا، انہماک، خصوصی غور و توجہ۔

جس کی ہندی اوجڑ۔ معترض، مصر رہا۔ صائب کے دیوان میں سے یہ مطلع نکلا :

به فکر دل نه فتادی بہیچ باب ، دریغ
به گنج راه نه بردی دریں خراب ، دریغ

۱۸۶۶ء(۱)

(۲۱)

قبلہ،

آج تیسرا دن ہے کہ میں ''بنابہ آب رسیدن،، و ''بآب رساندن،، کی حقیقت باستناد اشعار اساتذہ لکھ کر بسبیل ڈاک بھیج چکا ہوں۔ آج اس

---

(۱) اس تاریخ سے بدیں وجہ اختلاف کیا گیا ہے کہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے نام ایک مکتوب میں بھی یہی بحث موجود ہے اور وہ مکتوب رمضان ۱۲۸۱ھ (فروری ۱۸۶۵ء) کا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال ایک ایسے مفروضے پر مبنی ہے، جس کے لیے کوئی واضح دلیل موجود نہیں یعنی یہ مفروضہ کہ میرزا غالب مختلف افراد کے ساتھ ایک ہی وقت میں بحثیں چھیڑتے تھے، حالانکہ اس کی تائید کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ۔ نواب مصطفیٰ خاں کو جو مکتوب بھیجا گیا ، وہ میرزا کی غزل کے صرف مطلع سے متعلق ہے اور اس پر جو اعتراض کیا گیا اس کے جواب میں صائب کا ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔ خواجہ غوث بے خبر کے مکتوب میں ''بنا به آب رسیدن،، اور ''بنا به آب رساندن،، کی بحث ہے۔ پھر ضمناً مطلع کا قصہ چھیڑا ہے اور یہ کہ اساتذہ کے کلام میں توغل سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ بعد کے خطوں میں بحث نے طول پکڑا۔ غزل پر مختلف اعتراضات بلکہ عارف خراسانی کے تصرفات بھی معرض بحث میں آ گئے۔ اس بحث کا چند مہینے بعد شروع ہونا محل تعجب نہیں۔ لہذا میری درج کردہ تاریخ کو جو بہ ہر حال قیاسی اور تخمینی ہے، حتماً غلط قرار دے دینا ایسا معاملہ ہے جسے اہل علم کے احساس ذمہ داری اور احتیاط سے کوئی مناسبت نہیں

وقت بھائی ضیاءالدین خاں صاحب آئے اور اس امر خاص میں کلام کے بادی ہوئے۔ میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ ''آب در بنا رسیدن،، و ''آب در بنا رساندن،، کے باب میں متردد ھیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ھے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ھوا کہ واقعی جو میں نے لکھا وہ سوال دیگر جواب دیگر تھا۔ ستر برس کا پیر خرف، حواس در معرض تلف۔ اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا۔ رسیدن بنا بآب ھم بہ معنی استحکام بنا و ھم بہ معنی انہدام بنا، درست۔ فقط

اب ''آب در بنا رسیدن،، و ''رساندن،، کی کیفیت سنیے: فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی، اِس میں اس کی صحت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا۔ جانب غلطی میرے نزدیک راجح ھے۔ آپ جب تک کلام اھل زبان میں نہ دیکھ لیں، اس کو جائز نہ جانیے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال و نظائر کا معتمد علیہ ھے، نہ آرزو اور واقف اور قتیل وغیرھم کا۔

میرا ایک مطلع ھے:

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

ایک گروہ معارض ھوا کہ گنج کو ''خرابہ،، کہو، نہ ''خراب،،۔ میں متحیر کہ یا رب کس سے کہوں: ''خرابہ،، مزید علیہ ''خراب،، ھے، مثل ''ویران و ویرانہ،، و ''موج و موجہ،،، الحاق ھاے ھوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ھوا۔ بارے صائب کے دیوان میں ایک مطلع نظر آیا:

بفکر دل نہ فتادی بہیچ باب، دریغ
بگنج راہ نہ بردی دریں خراب، دریغ

یہ مطلع لکھ کر معترض صاحبوں کو بھیج دیا کہ غالب کو درد سر

نہ دیجیے، جو پوچھنا ہو صائب سے پوچھ لیجیے۔ عارف علی شاہ خراسانی(۱) نے اسی مطلع پر :

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

تین اعتراض کیے تھے : پہلا نقاب کے ساتھ عارض و رخ کا ذکر بھی ضرور تھا، وہ نہیں ہے۔ دوسرا گنج تو ویرانے ہی میں ہوتا ہے۔ پھر اس پر تاسف ہی کیا، جو کہتے ہیں ''تا کے،،؟ تیسرا ''ویرانہ،، کو ''خرابہ،، کہتے ہیں، نہ ''خراب،،۔ اور ان اعتراضوں کے بعد انہوں نے اس میں دخل کیا تھا :

از جسم بجاں حجاب تا کے
گل بر رخ آفتاب تا کے(۲)

۱۸۶۶ء

---

(۱) عارف علی شاہ بہ طریق سیاحت ہندوستان آئے اور مختلف شہروں کی سیر کی۔ لکھنئو بہت پسند آیا۔ چنانچہ کہتے ہیں !

بہ ہندوستاں نہ دیدم موضعی دلچسپ چوں لکھنئو
اگرچہ در طریق سیر تا چینا پٹن رفتم

چینا پٹن مدراس کا قدیم نام تھا۔ سندیلہ سے بھی بڑی دلبستگی تھی جہاں وہ مولوی محمد یوسف علی خاں کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ خود کہتے ہیں !

کوی عشق است خاک سندیلہ ای خوشا خاک پاک سندیلہ
در نکوئی بہ ہیچ شہر و دیار نبود اشتراک سندیلہ۔

۹- رمضان ۱۲۸۴ھ۔ جنوری ۱۸۶۸ء کو لکھنئو میں انتقال ہوا۔ میت سندیلہ میں پہنچا کر دفن کی گئی۔

(۲) مولانا مرتضی حسین فاضل کا بیان ہے کہ اس خط میں ''عارف علی شاہ خراسانی .... سے آخر تک جتنی عبارت ہے، وہ میرزا غالب کی نہیں، بلکہ خواجہ غلام غوث بے خبر نے بطور حاشیہ لکھی تھی۔ جسے بعد میں شامل متن کر لیا گیا۔ (عود ہندی ص ۳۳۷) یہ اعتراضات غالب تک پہنچے تو ان کا جواب خط ۲۲ میں دیا گیا۔

قبلہ

دیکھیے، ہم عارف ہیں، ورود نامہ سے پہلے جواب نامہ لکھتے ہیں۔ دن بھول گیا ہوں، غالب ہے کہ آج تیسرا دن ہو۔ صبح کو میں نے ''آب در بنا رسیدن،، کی بحث میں خلاصۂ تحقیق لکھ کر ارسال کیا، اسی دن شام کو آپ کا خط آیا۔ بقیہ جواب لکھتا ہوں۔

نقاب اس شعر میں بہ معنی حائل ہے، ''حول،، کو وجہ و رخ کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آ جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کے مانع نظارہ ہے، وہ نقاب ہے اس شئی نامرئی کا رخ بہ مناسبت نقاب مقدر ہے اور یہ تقدیر جائز اور بلیغ ہے، حجاب کا یہاں اوپری یعنی بے محل اور نا ملائم ہونا بشرط عقل سلیم و طبع لطیف ظاہر ہے۔ گل، خاک بآب آمیختہ کو کہتے ہیں وہ رخ آفتاب تک کہاں پہنچے؟ ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اس کا استعمال از روے مجاز جائز ہے۔

''گنج در ویرانہ تا کے،، یہ بہت لطیف بات ہے۔ یعنی افسوس کیا جاتا ہے اس گنج کے بیکار ہونے کا۔ گنج سے غرض یہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مدفن سے نکلے اور صرف ہو۔ لوگ اس کے وجود سے تمتع پائیں۔

یہاں ایک اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشبہ بہ اور روح انسانی مشبہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم سے جاودانی نہیں۔ پس کیا قباحت ہے، اگر ایک غم زدہ و ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو؟ مثلاً ایک میعادی محبوس حسرت مندانہ کہے کہ الٰہی وہ دن کب آئے گا کہ میں قید سے نجات پاؤں؟ کب تک

سڑک کاٹوں،(۱) کب تک رنج اٹھاؤں؟ فاخر(۲) مکین ایک شاعر تھا۔ شجاع الدولہ و آصف الدولہ کے عہد میں، اس نے ، سعدی و نظامی و حزیں کے اشعار کو اصلاحیں دی ھیں ۔ جب ایک ھندوستانی بے علم، تنک مایہ، اساتذہ نامی عجم کے کلام کو اصلاح دے، اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ھندی کے مطلع میں تصرف کیا تو کیا قباحت لازم آئی ؟ خدا کا شکر کہ مجھ کو ستر برس کی عمر میں پچاس برس کی مشق کے بعد استاد میسر آیا ۔(۳)

۱۸۶۶ء

(۲۳)

جناب عالی !

کل میرے شفیق مکرم، منشی نواب جان کلبۂ احزان میں تشریف لائے، آپ کا سلام کہا ۔ معلوم ہوا کہ خواجہ صدرالدین صاحب لشکر کے ساتھ گئے ھیں اور آپ یہیں ھیں ۔ اس فصل میں کہ ابھی سے رات دن آگ برستی ھے، اچھا ھوا کہ زحمت سفر نہ کھینچی ۔

اجی حضرت یہ منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ھیں؟ رقعے

---

(۱) کب تک مشقت اٹھاؤں اور محنت میں مبتلا رھوں ۔

(۲) میرزا محمد فاخر مکیں۔ ان کے جد اعلیٰ نطنز سے علی مردان خاں کے ھمراہ دھلی آئے تھے ۔ میرزا فاخر دھلی میں پیدا ھوئے ۔ وھیں تعلیم و تربیت پائی۔ جب احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے باعث دھلی اور اطراف میں بے اطمینانی پیدا ھوئی تو فاخر نے لکھنئو میں اقامت اختیار کر لی ۔ شیخ علی حزیں سے ملاقات کے لیے بنارس بھی گئے تھے۔ یکم محرم ۱۲۲۱ھ—۲۱- مارچ ۱۸۰۲ء کو لکھنئو میں انتقال ھوا ۔ رائے چونی لال کے باغ میں دفن کیے گئے ۔

(۳) ظاھر ھے کہ یہ عبارت طنزیہ ھے ۔

جمع کیے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے۔ جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ اون سے کہیں، مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہنچے ہیں وہ سب یا اون سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیج دیں(۱)۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو۔

تم سلامت رہو قیامت تک

(۲۴)

پیر و مرشد،

''سہل ممتنع،، میں کسرۂ لام توصیفی ہے۔ سہل موصوف اور ممتنع صفت۔ اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرۂ لام مشبع ہو سکتا ہے، لیکن مخل فصاحت ہے اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ ''سہل ممتنع،، اس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اس کا جواب نہ ہو سکے۔ بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے۔ اور بلاغت کی نہایت ہے، ممتنع در حقیقت ممتنع النظیر ہے۔ شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید و طواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوے کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہے، سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا۔

ہے سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا(۲)
برسوں پڑھے تو یاد نہ ہووے سبق مرا

---

(۱) بظاہر اس وقت تک دھلی میں اس مجموعہ مکاتیب کی فراھمی اور ترتیب شروع ہو چکی تھی، جو ''اردوے معلیٰ،، کے نام سے شائع ہوا، ورنہ میرزا کو خواجہ صاحب کے جمع کیے ہوئے مکاتیب کی نقل منگانے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) مراد صرف پہلا مصرع ہے، جس میں ''سہل ممتنع ،، کی تعریف میں ''کلام ادق،، کہا گیا۔ یعنی نہایت مشکل اور بدرجہ غایت دقیق کلام یہ سہل ممتنع کے منافی ہے۔

یہ مصرع حیرت آور ہے۔ کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظے پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہو سکتی۔ ''کلام ادق،، جس کا حفظ دشوار ہو، شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام ادق، کلام مغلق کو کہتے ہیں، سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہے۔ مغلق اور ادق سہل ممتنع اور سہل ممتنع مغلق اور ادق کیوں کر ہو سکے گا اور حافظے میں محفوظ رہنا کلام مغلق و ادق کی صفت کیوں کر پڑے گی؟ ہاں مغلق عسیرالفہم ہوگا، پڑھا نہ جائے گا، معنی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ سہل ممتنع کی صفت وہ تھی جو فقیر اوپر لکھ آیا، اس شعر سے اسے کچھ علاقہ نہیں۔ فقط

''آبِ در بنا رسیدن،، بہ معنی ''خراب بنیاد،، قیاسی ہے۔ اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا۔ اگر آیا ہو تو درست ہے۔ ہاں بآب رسانیدن بنا کہ بظاہر آب در بنا رسیدن کا متعدی منہ ہے، بلغا کے کلام میں آیا ہے، لیکن اضداد میں سے ہے بمعنی ویرانی بنا مستعمل اور ہم بمعنی استحکام بناء۔ اگر اس کا لازم ڈھونڈھیے تو ''رسیدن بنا بہ آب،، ہے نہ ''رسیدن آب در بنا،،، جیسا کہ نعمت خان عالی کہتا ہے:

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بہ آب
چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد ہے سازیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''رسیدن بناء تا بہ آب،، موجب استحکام ہے اور شاعر باوجود دلیل استحکام بنا کو نا استوار چاہتا ہے۔

صائب کہتا ہے:

چگونہ شمع تجلی زرشک نگدازد
رخ تو خانۂ آئینہ را بہ آب رساند

حاجی محمد جان قدسی:

بگوش عطایش رساند ایں خطاب
کہ بنیاد کاں را رساند بہ آب

یہ دونوں شعر مفید ویرانی ہیں۔ قصہ مختصر ''بہ آب رسیدن بنا،، '' خرابی خانہ و بآب رساندن،، متعدی آں و ''رسیدن آب در بنا،، نا مسموع۔ میں ابھی بیمار ہوں اور بیمار کے واسطے انجام کو غسل صحت ہے یا غسل میت۔ والسلام ۱۲

(۲۵)

قبلہ!

آپ بیشک ولی صاحب کرامت ہیں۔ کم و بیش ایک ہفتہ گزرا ہوگا ایک امر جدید مقتضی اس کا ہوا کہ آپ کو اس کی اطلاع دوں۔ خانہ کاہلی خراب، آج لکھوں، کل لکھوں، اب کون لکھے، کل صبح لکھوں گا۔ صبح ہوئی غالب اس وقت نہ لکھ، سہ پہر کو لکھیو، آج دوشنبہ ۲۳۔ جولائی کے بارہ پر دو بجے ہرکارے نے آپ کا خط دیا، پلنگ پر پڑے پڑے پڑھا اور اسی طرح جواب لکھا۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ رہا تھا مگر بجھوا دیا۔ کل روانہ ہو رہے گا۔ آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب‌اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خاں حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا ذکاء کو غزل اصلاحی کے ہر شعر کے تحت میں منشاء اصلاح سے آگہی دی جاتی ہے (۱)۔

---

(۱) یہ بیان صحیح نہیں، اغلب ہے میرزا کو یاد نہ رہا ہو۔ حبیب‌اللہ ذکا کے نام کم و بیش پندرہ خط مجموعہ مکاتیب میں شامل ہیں، ان کی ابتدا جولائی ۱۸۶۳ء سے ہوئی اور یہ سلسلہ جنوری ۱۸۶۸ء تک برابر جاری رہا۔ نواب صاحب مصطفیٰ خاں کے نام بھی کم از کم ایک خط مجموعے میں موجود ہے۔ اغلب ہے میرزا کا خیال یہ ہو کہ نواب صاحب کو عموماً ایسے خط اردو میں نہیں لکھے گئے جو مجموعے میں شامل ہونے کے لائق ہوں۔ ان میں سے ایک خط کی عبارت بھی مثالاً درج کر دی۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نواب صاحب(۱) کو یوں لکھا جاتا ہے:

کہار آیا، خط لایا، آم پہنچے۔ کچھ بانٹے، کچھ کھائے۔
بچوں کو دعا، بچوں کی بندگی(۲)۔ مولوی الطاف حسین (۳)
صاحب کو سلام۔

یہ تحریر اس ہفتے میں گئی ہے۔ غرض کہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب یہ عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں، بہ لائق شمول مجموعۂ نثر اردو کہاں ہے؟ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے۔

کتاب کے باب میں سرمد کی رباعی کا شعر اخیر لکھ دینا کافی ہے۔

عالم ہمہ مرآت جمال ازلی ست
می باید دید و دم نمی باید زد

'بوستان خیال،، کا ترجمہ موسوم بہ ''حدائق‌الانظار،، معرض طبع میں ہے، اگر آپ یا آپ کا کوئی دوست خریدار ہو، تو جتنی مجلد فرمائیے، اس قدر بھجوا دوں۔ چھ روپے مع محصولڈاک قیمت ہے۔ اسی مطبع میں جس میں ''حدائق‌الانظار،، انطباع ہوا ہے، اخبار بھی چھاپا جاتا ہے۔ اب کے ہفتے کا دو ورقہ بھجوا دیا جائے گا۔ بشرط پسند آپ توقیع خریداری لکھ بھیجیے گا۔

''فغان بے خبر،، سے معلوم ہوتا ہے، خواجہ غلام غوث خاں نے میرزا کو لکھا تھا کہ کالپی، لکھنئو، بریلی، گورکھ پور، اکبرآباد سے آپ کی تحریریں فراہم کیں۔ کاتب لکھ رہا ہے۔ بڑے ورقوں کے دس جز مرتب ہو چکے ہیں۔ شاید رام پور سے بھی کچھ آ جائے۔ آپ شیفتہ، ذکا اور سیاح کو لکھیں کہ وہ بھی آپ کے خطوط بھیج دیں۔ میرزا کا خط اسی کے جواب میں ہے۔

(۱) مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی، غالباً کوئی تازہ خط اس مضمون کا بھیجا گیا تھا۔

(۲) مطلب یہ کہ آپ کے بچوں کو دعا، میرے بچوں کی بندگی۔

(۳) یعنی خواجہ حالی جو اس زمانہ میں شیفتہ کے مصاحب تھے۔

جناب کیمس صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا ، باوجود عدم تعارف خط مجھ کو آیا۔ کچھ اردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اس کا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کے باب میں تمہارا نام نہیں لکھا، مگر یہ لکھا کہ مطبع الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع و حصول اطلاع وہاں سے منگوا کر بھیج دوں گا۔ زیادہ حد ادب ، نامہ جواب طلب۔

حکیم غلام نجف خاں

حکیم غلام نجف خاں کا جد ششم ترکستان سے ہندوستان آیا ۔ جہانگیر کے عہد میں اس نے پنج ہزاری منصب حاصل کیا اور جہانگیر ہی کے نام پر ، جسے اکبر زمانۂ شہزادگی میں پیار سے ''شیخو بابا،، کہا کرتا تھا، مضافات بدایوں (یو پی) میں شیخوپورہ کے نام سے ایک بستی آباد کی، جو پشتوں تک اس خاندان کا مسکن رہی۔

حکیم غلام نجف خاں کے والد کا نام مسیح الدین تھا ، جن کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ حکیم صاحب کے خالو میر سید علی پہلے سرکار انگریزی میں تحصیلدار تھے، پھر گورنر جنرل کے محکمہ انشأ میں اعلیٰ عہدے پر مامور ہوئے۔ حکیم صاحب انہی کے ساتھ پانچ برس کی عمر میں دہلی آئے تکمیل علوم کے بعد انہوں نے حکیم صادق علی خاں شریف خانی، والد ماجد حکیم محمود خاں مرحوم سے طب کی تعلیم پائی۔ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں حکیم صاحب کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان کے پاس نسخہ نویسی اور علاج کی مشق بہم پہنچائی پھر دہلی ہی میں مستقل مطب کا انتظام کر لیا اور نامور اطبا میں شمار ہونے لگے۔ دربار شاہی سے ''عضدالدولہ،، خطاب پایا۔

میرزا غالب سے حکیم صاحب کے تعلق کا اولین ذریعہ غالباً حکیم احسن اللہ خاں تھے۔ جو میرزا کے عزیز دوست تھے ۔ اس تعلق کی بنأ پر حکیم صاحب نے میرزا سے فارسی پڑھی اور شاید طب کی بعض کتابوں

کا سبق بھی لیا۔ مرزا صاحب کو طب پر عبور حاصل تھا، اگرچہ کبھی انہوں نے طب کو پیشہ نہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم صاحب کے نام خطوں میں جہاں بیگم غالب کا ذکر آیا ہے، انہیں ''ماں،، یا ''والدہ،، کے علاوہ ''استانی،، بھی لکھتے ہیں اور ایک خط کا آغاز یوں ہوتا ہے :

''حکیم غلام نجف خاں ، اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی استاد اور باپ کہتے ہو،، حکیم صاحب کا بیٹا ظہیرالدین بیگم غالب کو ''دادی،، کہتا تھا۔ غرض حکیم غلام نجف خاں اور ان کے فرزند کی حیثیت میرزا کے نزدیک افراد خانہ کی سی تھی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت حکیم غلام نجف خاں دوجانہ میں تھے۔ شاید وہاں علاج معالجے کے لیے انہیں بلایا گیا ہو۔ مجموعے کے ابتدائی دس خط دوجانہ ہی بھیجے گئے۔ چند خط اس زمانے کے ہیں، جب حکیم غلام نجف خاں اپنے وطن شیخوپورہ گئے تھے خط ۱۱، ۱۲، ۱۳ کا تعلق میرزا کے پہلے سفر رام پور سے اور ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱ کا تعلق دوسرے سفر رام پور سے ہے۔ قیام دہلی کے دوران میں مکاتیب کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مجھے ایسے صرف تین رقعے مل سکے یعنی ۱۷، ۲۲، ۲۳۔ ظہیرالدین کے نام صرف ایک خط ہے۔ دوسرا خط ظہیرالدین کی طرف سے اس کے چچا کے نام لکھا گیا۔ چونکہ یہ تحریر میرزا کی تھی۔ اس لیے اسے شامل مجموعۂ مکاتیب کیا گیا۔

حکیم غلام نجف خاں کے بعد ظہیرالدین اور ان کے اخلاف کی وجہ سے خاندان کو فن طب میں درجہ امتیاز حاصل رہا۔

جب ''پنج آہنگ،، چھپ رہی تھی تو میرزا غالب نے اس کے لیے ایک منظوم اشتہار بہ طریق مثنوی لکھا تھا۔ وہ غلام نجف خاں ہی کی طرف سے تھا۔ اس کے آخری شعر یہ ہیں :

جس کو منظور ہو کہ زر بھیجے | احسن‌اللہ خاں کے گھر بھیجے
وہ بہار ریاض مہر و وفا | جس کو کہتے ہیں عمدۃالحکما
میں جو ہوں داعی حصول شرف | نام عاصی کا ہے، غلام نجف
ہے یہ القصہ حاصل تحریر | کہ نہ ارسال زر میں ہو تاخیر
چشمۂ انطباع جاری ہے | ابتداے ورق شماری ہے

یہ اشتہار پہلے پہل ''اسعدالاخبار،، آگرہ میں چھپا تھا، پھر علی گڑھ میگزین کے ''غالب نمبر،، میں چھاپا گیا۔

سر سید مرحوم نے ''آثارالصنادید،، (باب اہل دہلی) میں حکیم غلام نجف خاں اور حکیم احسن‌اللہ خاں کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں (چوتھا باب ص ۳۴۔۳۷) میں نے ان تحریروں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

(۱)

لو صاحب، یہ پندرہ بیتیں ہیں۔ تقسیم اس کی اس طرح رکھنا کہ پہلے ایک سیدھی سطر میں صاحب اجنٹ کا نام مع اجزاے خطابی بہ خط نستعلیق لکھا جاوے، اور پھر ترچھی پانچ پانچ بیتیں تین بار لکھی جاویں اور آخر کو یہی سطر، جو میں نے اپنے نام کی مع خطاب و تخلص لکھ دی ہے، جس طرح کہ ہے، لکھی جاوے۔ کاغذ البتہ بڑا ہوگا اور تقسیم اچھی طرح کیا جاوے گا۔

ان دو سطروں اور پندرہ شعر پر تو صورت بہت اچھی ہوگی۔ یہ ایک نمونہ ہے۔ مگر نمونہ اچھا ہے۔ تم کسی شخص سے اس کی نقل کرواؤ اور کاتب خوش نویس یعنی مرزا عباداللہ بیگ سے لکھواؤ۔ اب آپ اس کو

جلد تیار کروائیے اور ...... اور آپ کو اب کے ھی ملے گا۔ والسلام ...(۱)

(۲)

میاں،

حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ھے کہ اب تک جیتا ھوں۔ بھاگ نہیں گیا، نکالا نہیں گیا، لٹا نہیں۔ کسی محکمے میں اب تک بلایا نہیں گیا، معرض باز پرس میں نہیں آیا۔ آیندہ دیکھیے کیا ھوتا ھے۔

شیر زماں خاں نے مجھے آگرہ سے خط لکھا۔ اوس میں ایک رقعہ تھا شیخ نجم الدین حیدر صاحب(۲) کی طرف سے بنام ظہیرالدین (۳) کے۔ اب

---

(۱) یہ خط ایک قطعہ خوشخط لکھوانے کی غرض سے حکیم غلام نجف خاں کو بھیجا گیا تھا۔ ممدوح ایجنٹ گورنر جنرل جس کا نام اور اجزاے خطاب میرزا نے یوں لکھے تھے:

معظم الدولہ ، امین الملک، اختصاص یار خاں ، فرزند ارجمند بجان پیوند سلطانی بارنٹ ٹامس تھیافاس مٹکف صاحب بہادر فیروز جنگ۔

آخر میں یہ عبارت تھی:

عرضداشت نجم الدولہ دبیرالملک اسداللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب تخلص۔

عباداللہ بیگ خوش نویس، محمد امیر پنجہ کش کا شاگرد رشید تھا۔

ٹامس تھیو فاس مٹکاف ۱۸۳۵ء میں ولیم فریزر کے قتل پر ریزیڈنٹ یا ایجنٹ مقرر ہوا تھا اور ۱۸۵۳ء تک اس عہدے پر مامور رہا، بیرن کا خطاب اسے بڑے بھائی چارلس مٹکاف کی وفات (۱۶- دسمبر ۱۸۴۷ء) پر ملا تھا۔ لہذا یہ قطعہ ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان لکھا گیا اور اسی زمانے کا یہ رقعہ ھے۔

(۲) شیخ نجم الدین حیدر، غلام نجف خاں کے رشتہ دار تھے۔

(۳) فرزند غلام نجف خاں۔

مجھ کو ضرور آ پڑا کہ اوس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا، ناچار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں۔ اگر پہنچ جائے تو آگرے کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔ میں یہاں سے آگرے کو روانہ کر دوں گا۔

مرسلہ دو شنبہ چہارم جمادی الاول ۱۲۷۴ھ، جواب طلب

(مطابق ۲۱ دسمبر ۱۸۵۷ء)

(۳)

میاں،

تمہارا خط پہنچا۔ آج میں نے اوس کو اپنے خط میں ملفوف کر کے گرے کو روانہ کیا۔ تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین حیدر کا خط نہ آتا تو اب بھی نہ لکھتے۔ انصاف کرو، لکھوں تو کیا لکھوں؟ کچھ لکھ سکتا ہوں؟ کچھ قابل لکھنے کے ہے؟ تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا؟ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں؟ بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں۔ زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے، نہ میں لکھوں گا۔ ظہیرالدین کو دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ تم کو اور ظہیرالدین کو اور اوس کی ماں کو اور اوس کی بہن کو اور اوس کی لڑکی کو(۱) تمہاری ماں(۲) دعا کہتی ہے اور دعائیں دیتی ہے۔ یہ رقعہ حیدر حسن خاں کے نام کا ہے، اون کو حوالے کر دینا۔

نگاشتہ شنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء　　　　اسداللہ

(۴)

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خاں طال بقاوہ۔ تمہارا رقعہ پہنچا۔

---

(۱) بیگم غلام نجف خاں، ہمشیرہ ظہیرالدین اور ہمشیرہ کی بیٹی۔

(۲) بیگم ''غالب،، جنہیں یہاں ''ماں،، لکھا۔ ایک خط میں ''والدہ،، اور بعض خطوں میں ''استانی،، لکھا۔

جو دم ہے غنیمت ہے۔ اس وقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں، بعد گھڑی بھر کے کیا ہو۔ کچھ معلوم نہیں۔ قلم ہات میں لیے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے، مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے، تو کہہ لیں گے، ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

نواسی(۱) کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اس کی ماں کو صبر دے اور زندہ رکھے۔ میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی تھی۔ تمھاری استانی(۲) تم کو اور ظہیرالدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو دعا کہتی ہیں اور میں پیار کرتا ہوں اور دعا دیتا ہوں۔

سہ شنبہ ۱۹- جنوری ۱۸۵۸ء غالب

(۵)

بھائی،

ہوش میں آؤ۔ میں نے تم کو کب خط بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا کہ شیر زماں کا خط تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا کہ شیر زماں خاں نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعے میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی ہی تھی۔ وہ بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی، سو حضرت کو پہنچ گئی خاطر جمع رہے۔

(۶)

میاں

تم کو مبارک ہو کہ حکیم صاحب(۳) پر سے وہ سپاہی، جو ان کے اوپر متعین تھا، اٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا کہ اپنی وضع پر رہو،

---

(۱) یہ وہی بچی ہے جسے خط ۲ میں بیگم غالب کی طرف سے دعا کہی گئی تھی۔ اس خط میں اس کی وفات کا ذکر ہے۔

(۲) بیگم غالب۔

(۳) حکیم احسن‌اللہ خاں، جن پر انگریزوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد پہرہ بٹھا دیا تھا۔

مگر شہر میں رہو، باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر ہفتے میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھواڑے، مرزا جاگن کے مکان میں آ رہے۔ صفدر میرے پاس آیا تھا، یہ اس کی زبانی ہے۔ جی ان کے دیکھنے کو چاھتا ہے مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا۔

مرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خاں صاحب(۱) کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملاقات باہر چلے جائیں گے، یہاں نہ رہیں گے۔ قدم شریف میں وہ رہتے ہیں۔

آج پانچواں دن ہے کہ حکیم محمود خاں مع قبائل و عشائر(۲) پٹیالے کو گئے ہیں۔ میں بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں، اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانے میں مردانہ۔

پنسن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں معلوم ہوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے۔ دیکھیے بعد کیفیت کے جانے کے پنسن ملتا ہے یا جواب۔

پنجشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۷۴ھ
مطابق یکم اپریل ۱۸۵۸ء

(۷)

بھائی،

میرا ذکر سنو۔ ہر شخص کو غم موافق اوس کی طبیعت کے ہوتا ہے۔ ایک تنہائی سے نفور ہے، ایک کو تنہائی منظور ہے۔ تاھل میری موت ہے۔ میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا۔ پٹیالے جانے میں ایک سبکی اور ذلت تھی۔ اگرچہ مجھ کو دولت تنہائی میسر آ جاتی، لیکن اس

---

(۱) ان سے بھی مراد بظاہر حکیم احسن اللہ خاں ہی ہیں۔
(۲) اہل و عیال۔

تنہائی چند روزہ اور تجرید مستعار(۱) کی کیا خوشی؟ خدا نے لا ولد رکھا تھا، شکر بجا لاتا تھا۔ خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا۔ یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جس لوہے کا طوق، اسی لوہے کی دو ہتکڑیاں بھی پڑ گئیں(۲)۔ خیر اس کا کیا رونا ہے، یہ تو قید جاودانی ہے۔

جناب حکیم صاحب(۳) ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے۔ کیا کہوں کہ ان کے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے۔ خدا ان کو زندہ رکھے۔ خصوصاً اس فتنہ و آشوب(۴) میں تو کوئی میرا جاننے والا نہ بچا ہوگا۔ اس راہ سے مجھ کو، جو دوست اب باقی ہیں بہت عزیز ہیں۔ واللہ دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے۔ کیا معنی کہ جو میں مروں، کوئی میرا یاد کرنے والا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔

مصطفی خاں(۵) کا حال سنا ہوگا۔ خدا کرے مرافعے میں چھوٹ جائے، ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ میں کہاں؟ احمد حسین میکش

---

(۱) عارضی تنہائی۔

(۲) طوق سے مراد ہے بیگم اور ہتکڑیوں سے اشارہ عارف کے بچوں باقر علی خاں اور حسین علی خاں کی طرف ہے۔ جو عارف اور اس کی والدہ کی وفات کے بعد میرزا غالب کے پاس آ رہے تھے۔ میرزا کو ان بچوں سے بے حد محبت تھی۔ پیش نظر تحریر اس دور کی ہے جب میرزا مالی پریشانیوں کے نہایت مصیبت خیز دور سے گزر رہے تھے۔ پنشن بند، آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ قرض مل نہیں سکتا تھا اور خرچ بہ دستور تھا۔ گھر کی مختلف چیزیں بیچ بیچ کر گزارا کر رہے تھے۔ اقبال نے درست فرمایا تھا:

نالہ آتا ہے اگر لب پہ مجبور ہیں ہم

(۳) احسن اللہ خاں۔ (۴) "غدر" ۱۸۵۷ء

(۵) شیفتہ جن پر ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شرکت کا الزام لگا تھا اور سات سال قید کی سزا دی گئی تھی، حالانکہ الزام بے بنیاد تھا۔

کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں ؟ مخنوق(۱) ہوا، گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔

پنسن کی درخواست دے رکھی ہے۔ بہ شرط اجرا بھی میرا کیا گزارا ہوگا ؟ ہاں دو باتیں ہیں : ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بےگناہی کی دلیل ہے، دوسرے یہ کہ موافق قول عوام ''چولھے دلدر نہ ہوگا،،۔ (۲) تجھ کو میری جان کی قسم ، اگر میں تنہا ہوتا تو اس وجہ قلیل میں کیسا فارغ البال اور خوشحال رہتا ؟ یہ بھی خبط ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ خدا جانے پنسن جاری ہوگا یا نہ ہوگا۔ احتمال تعیش و تنعم بہ شرط تجرید ، صورت اجرائے پنسن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے (۳)۔ بیدل کا شعر مجھ کو مزا دیتا ہے :

نہ شام ما را سحر نویدی، نہ صبح ما را دم سپیدی
چو حاصل ماست نا امیدی، غبار دنیا بہ فرق عقبیٰ

اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا، جو کچھ دل میں تھا ، وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں ؟

از غالب بنام جان و جانان و از جان و جانان عزیز تر، حکیم غلام نجف خاں سلمہ اللہ تعالیٰ

(اپریل ۱۸۵۸ء)

(۸)

میاں،

پہلے ظہیرالدین کا حال لکھو ، پھر حکیم صاحب(۴) کی حقیقت لکھو۔

---

(۱) پھانسی پائی۔

(۲) مطلب یہ کہ پنشن جاری ہو جائے گا تو اول یہ امر میری صفائی اور بے گناہی کا ثبوت بن جائے گا۔ دوم کھانے پینے کی محتاجی نہ رہے گی۔

(۳) میرزا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر پنشن جاری ہوتی اور میں تنہا ہوتا تو اتنی رقم میں تعیش و تنعم کی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن صورت اجرا موہوم ہے۔

(۴) احسن اللہ خاں۔

کہیں اور جائیں گے یا یہاں آئیں گے؟ اگر یہاں آئیں گے تو کب تک آئیں گے؟ پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں کہ میاں نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں! خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی ہے۔ نجات کا خدا سے

(۱۸۵۸ء) اور تم اس رقعے کے جواب کا طالب،

غالب

(۹)

بھائی،

تمہارے رقعے کا جواب پہلے تم کو شیر زماں خاں نے دیا ہوگا۔ پھر ظہیرالدین خاں نے تم سے کہا ہوگا۔ کہو کوئی طرح شہر میں تمہارے آنے کی ٹھہری یا نہیں؟ بُعد تیس کوس اور آدھ کوس کا برابر ہے۔ میری جان، تم ہنوز دوجانے میں ہو۔ مجھ کو تم جانتے ہو کہ میرا شہر میں رہنا بے اجازت سرکار کے نہیں اور باہر نکلنا بے ٹکٹ نہیں۔ پھر میں کیا کروں؟ کیوں کر وہاں آؤں؟ شہر میں تم ہوتے تو جرأت کر کے تمہارے پاس چلا آتا۔ شیر زماں خاں صاحب ایک بار آئے تھے۔ کہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤں گا، مگر نہیں آئے۔ خدا جانے ان کے والد کی رھائی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور ان کو میرے پاس بھیج دینا۔ اور تم کو ان کے والد کا جو حال زبانی معلوم ہوا ہو، مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیرالدین کو دعا۔

(جولائی ۱۸۵۸ء) از غالب

(۱۰)

بھائی،

ہاں غلام فخرالدین خاں (۱) کی رھائی، زندگی دوبارہ ہے۔ خدا تم کو

---

(۱) میرزا کے برادر نسبتی علی بخش خاں کے فرزند اور میرزا کی بھتیجی عزیزالنسا بیگم کے شوہر۔ وہ اس لیے معرض باز پرس میں آگئے تھے کہ بادشاہ کی جاگیر کوٹ قاسم کے ناظم و مہتمم تھے۔

مبارک کرے ۔ سنا ہے لوہارو بھی ان دونوں صاحبوں(۱) کو مل گیا ۔ یہ بھی ایک تہنیت ہے ۔ خدا سب کا بھلا کرے ۔ مجھ کو صاحب ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا ۔ صرف اتنا ھی پوچھا کہ ''غدر،، میں تم کہاں تھے؟ جو مناسب ھوا، وہ کہا گیا ۔ دو ایک خط آمدۂ ولایت میں نے پڑھائے ۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا ۔ انداز و ادا سے پنسن کا بحال و برقرار رھنا معلوم ھوتا ہے ۔ مگر پندرہ مہینے پچھلے ملتے نظر نہیں آتے ۔ میاں، یہ الور میں کیا فساد برپا ھوا ہے؟ خدا خیر کرے ۔ واسطے خدا کے جو تم کو معلوم ھوا ھو اور جو معلوم ھو جائے ، اس سے مجھ کو بھی اطلاع دینا ۔

(اگست ۱۸۵۸ء)   غالب

(۱۱)

قبلہ،

یہ تو معلوم ھوا کہ بعد قتل ھونے دس آدمی کے کہ دو اوس میں عزیز بھی تھے، یہ سب وھاں سے نکالے گئے مگر صورت نہیں معلوم کہ کیوں کر نکلے ؟ پیادہ یا سوار؟ تہی دست یا مالدار؟ مستورات کو تو رتھیں دے دی تھیں ، ذکور کا حال کیا ھوا اور پھر وھاں سے نکلنے کے بعد کیا ھوا ؟ کہاں رہے اور کہاں رھیں گے؟ سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقد و ترحم ھیں یا نہیں؟ رنگ کیا نظر آتا ہے؟ جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں؟ تفضل حسین خاں کا حال خصوصاً اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو(۲) ۔

---

(۱) امین الدین احمد خاں اور ضیاءالدین احمد خاں ۔

(۲) یہ الور کے ھنگامے کا ذکر ہے ۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ امین اللہ خاں عرف امو جاں مہاراجہ شبو دھیان سنگھ والی الور کی کم سنی میں ریاست کا مختار بن گیا تھا اور مہاراجہ کی والدہ کو اس نے بہن بنا لیا تھا ۔ پھر اپنے ایک بھائی کو نائب دیوان اور دوسرے بھائی کو فوج کا بخشی بنا دیا ۔ مہاراجہ کے ھم قوم راجپوت اور اھل خاندان اس صورت حال پر راضی نہ تھے ۔ اسفند یار بیگ نام ایک شخص نے راجپوتوں کو مزید انگیخت دی اور کہا کہ صورت حال کو جلد نہ سنبھالا تو مہاراجہ مسلمان ھو جائے گا ۔ چنانچہ راجپوتوں نے رات کے وقت امین اللہ خاں کے گھر پر حملہ کیا ۔ اس کا ایک بیٹا اور غالباً ایک اور عزیز نیز خدمت گار مارے گئے اور تینوں بھائیوں کو قید کر لیا گیا ۔ مہاراجہ نے انہیں چھڑا کر دھلی بھجوایا ۔ جبر کسر سے مراد ہے نقصان کی تلافی ۔

میرزا مغل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خاں مرحوم کا خویش ہے اس کی بی‌بی ہے اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں، اذعانی ہے یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو اس کا حال بہ انفراد لکھیے(۱) خواجہ جان اور خواجہ امان(۲) کی حقیقت بھی بہ شرط اطلاع ضرور تحریر فرمائیے اور ہاں صاحب آپ جانتے ہوں گے علی محمد خاں کو ، وہ جو میر منشی عزیزاللہ خاں کا خویش ہے، اگر کچھ اس کا ذکر بھی سنا ہو تو میں اس کا خیر طلبؑ ہوں۔

(ستمبر ۱۸۵۸ء) غالب، جواب طلب

---

(۱) میرزا مغل کا نام جواد علی بیگ تھا، وہ غالب کا حقیقی بھانجا ، یعنی ان کی بہن چھوٹی خانم کا بیٹا تھا۔ مرزا مغل کے بیٹے آغا مرزا بیگ نے حیدرآباد دکن جا کر بڑا رتبہ پایا۔ وہ میر محبوب علی خاں والی دولت آصفیہ کا اتالیق مقرر ہو گیا تھا، سرورجنگ سرورالملک خطاب پایا۔ ''کارنامہ سروری،، کے نام سے اپنے حالات لکھے۔ اس کتاب سے پتا چلتا ہے کہ یہ خاندان انگریزوں کے ہاتھوں دھلی مسخر ہونے کے بعد الور چلا گیا تھا۔ پھر سیتا پور (یو پی) پہنچ گیا۔ جہاں مرزا مغل کا بھائی عباس بیگ (جس کا ذکر میرزا کے خطوط میں کئی جگہ آیا ہے) ڈپٹی کلکٹر تھا نیز اسے ۱۸۵۷ء میں حسن خدمات کی بناء پر گراں قدر وظیفے کے علاوہ جاگیر بھی ملی تھی۔

(۲) شمس‌الدین خواجہ جان اور بدرالدین خواجہ امان ، خواجہ حاجی کے بیٹے تھے ، جسے نواب احمد بخش خاں نے غالب کی خاندانی پنشن میں دو ہزار کا شریک بنایا تھا حالانکہ میرزا کے نزدیک خواجہ حاجی کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ان کے جد امجد کے ''بار گیر،، (سائیس) کا بیٹا تھا (متفرقات غالب ص ۶) بہ حال خواجہ حاجی کو میرزا کے خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن خواجہ جان اور خواجہ امان سے میرزا کے تعلقات بعد میں بہت خوشگوار ہو گئے تھے۔

میاں ،

میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مراد نگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خاں نے ایک دن رکھ لیا۔ آج شنبہ ۲۱- جنوری یہاں مقام ہے۔ نو بج گئے ہیں۔ بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مفت کا کھانا ہے، خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شام شاہ جہاں پور ، پرسوں گڑھ مکتیشر رہوں گا۔ مراد آباد سے پھر تم کو خط (۱) لکھوں گا۔ لڑکوں(۲) کے ہاتھ کے دو خط لکھے ہوئے ان کی دادی(۳) کو بھجوا دیے ہیں۔ تم اس اپنے نام کے خط کو لے کر ڈیوڑھی پر جانا اور استانی جی کو پڑھ کر سنا دینا اور خیر و عافیت کہہ دینا۔ جناب خاں صاحب (۴) کو میرا سلام نیاز اور ظہیرالدین احمد کو دعا کہہ دینا۔

ہاں بھائی ، میں از روے مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کرے ، اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رام پور گیا ہے، یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔

مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱- جنوری ۱۸۶۰ء

(۱۳)

برخوردار سعادت و اقبال نشان، حکیم غلام نجف خاں کو میری دعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہنچی۔ تم جداگانہ خط کیوں نہ لکھا کرو؟ خط لکھا اور

---

(۱) یہ پہلے سفر رام پور کے حالات ہیں جو جنوری ۱۸۶۰ء میں ہوا تھا۔

(۲) باقر علی خاں اور حسین علی خاں جو سفر میں ساتھ تھے۔

(۳) بیگم غالب جنہیں اگلے فقرے میں ''استانی،، لکھا ہے۔

(۴) حکیم احسن اللہ خاں۔

بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاھا ، اپنے آدمی کے ھاتھ ڈاک گھر بھیج دیا۔ مکان کا پتا ضرور نہیں ۔ ڈاک گھر میرے گھر کے پاس ڈاک منشی میرا آشنا ۔ اب تم ایک کام کرو ۔ آج یا کل ڈیوڑھی جاؤ اور جتنے خط جمع ھیں وہ لو۔ مان سنگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو اور بیرنگ لکھ کر کلیان کے ھاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں نیا ھو، وہ مفصل لکھو۔ جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور اورظہیرالدین احمد خاں کو دعا کہنا۔

اب میرا حال سنو : تعظیم و توقیر بہت، ملاقاتیں تین ھوئی ھیں ۔ ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ھے، رھنے کو ملا ھے۔ یہاں پتھر تو دوا کو بھی میسر نہیں ۔ خشتی مکان گنتی کے ھیں ۔ کچی دیواریں اور کھپریل، سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ھے ۔ مجھ کو جو مکان ملے ھیں، وہ بھی ایسے ھیں ۔ ھنوز کچھ گفتگو درمیان میں نہیں آئی ۔ میں خود اون سے ابتدا نہ کروں گا۔ وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہیں گے، مگر بواسطہ کار پردازان سرکار۔ دیکھوں کیا کہتے ھیں اور کیا مقرر کرتے ھیں؟ میں سمجھا تھا کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائے گی، لیکن آج تک کہ جمعہ آٹھواں دن میرے پہنچنے کو ھے، کچھ کلام نہیں ھوا ۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ھے اور وہ سب کو کافی ھوتا ھے ۔ غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں ۔ پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں ۔ ایک دریا ھے ''کوسی،، سبحان‌اللہ ایسا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ھے، صاف، سبک، گوارا ، سریع‌النفوذ ۔ اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمے سے محفوظ ھوں ۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ھے ۔ لڑکے بھی تندرست ھیں ، آدمی بھی توانا ، مگر ھاں ایک عنایت (۱) دو دن سے کچھ بیمار ھے ۔ خیر اچھا ھو جائے گا ۔ والدعا

جمعہ ۳- فروری ۱۸٦۰ء

---

(۱) میرزا کا ملازم جس کا پورا نام عنایت‌اللہ تھا۔

میاں ،

تم نے برا کیا کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا ۔ بارے آج سہ شنبہ ۱۴- فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا اور اسی وقت پڑھوایا گیا۔ خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں ۔ یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سکرتر کا ہے ۔ ترجمہ اس کا یہ ہے :

''از دفتر خارجہ سکرتر اعظم ، حکم دیا جاتا ہے عرضی دینے والے کو کہ جواب اس عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے ارشاد فرمائیں گے۔ از کیمپ لودھیانہ ۔ ۲۸- جنوری ۱۸۶۰ء ''

یہاں کا یہ حال ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ ، مراد آباد آیا چاہتے ہیں ۔ مراد آباد یہاں سے بارہ کوس ہے ۔ نواب صاحب دورے کو اپنے ملک کے گئے ہیں ۔ دو چار دن میں پھر آئیں گے ۔ اگر اون کی ملاقات کو مراد آباد جائیں گے ، میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں، مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے۔ جو واقع ہوگا تمھیں لکھوں گا۔

یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو؟ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمھاری اسنانی کو لکھتا ہوں۔ کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ؟ اب اون کو خیال ہوگا کہ کہ اس انگریزی خط میں کیا لکھا ہے ۔ تم میرا یہ خط ھاتھ میں لے جاؤ اور حرف بحرف پڑھ سناؤ۔

لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں ۔ کبھی میرا دل بہلاتے ہیں ، کبھی مجھ کو ستاتے ہیں ۔ بکریاں، کبوتر، بٹیریں، تکل، کنکوا، سب سامان درست ہے۔ فروری مہینے کے دو دو روپے لے کر دس دن میں اٹھا ڈالے ۔ پھر

پرسوں چھوٹے صاحب (۱) آئے کہ دادا جان کچھ ہم کو قرض حسنہ دو۔ دیا گیا۔ آج ۱۴ ہے۔ مہینا دور ہے۔ دیکھیے کے بار قرض لیں گے۔ یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہوگا اور جو قرار پائے گا وہ مفصل تم کو لکھوں گا اور تم اپنی والدہ (۲) کو سنا دینا۔ ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پوچھ لینا کہ کدارناتھ نے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی؟ میں نے وفاداری اور حلال خوری تک کی بھی تنخواہ بھیج دی ہے۔

سہ شنبہ ۱۴۔ فروری ۱۸۶۰ء غالب

(۱۵)

صاحب،

کل آخر روز تمہارا خط آیا۔ میں نے پڑھا، آنکھوں سے لگایا، پھر بھائی ضیاالدین خاں صاحب کے پاس بھجوایا۔ یقین ہے کہ انہوں نے پڑھ لیا ہوگا۔ ما کتب فیہ معلوم کیا ہوگا۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے۔ کبھی کبھی ناگاہ ظہیرالدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤ گے؟ کئے برس، کے مہینے، کے دن، راہ دکھاؤ گے؟ یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو، بدستور ہے:

زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

جاڑا پڑ رہا ہے، توانگر غرور سے، مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جدید نے مارا، عرق(۳) کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا۔ ادھر انسداد دروازۂ آبکاری ہے، ادھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی فضل رسول صاحب حیدر آباد گئے ہیں۔ مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے، پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو گیا ہو تو مجھ کو ضرور لکھو۔ زیادہ کیا لکھوں؟

---

(۱) حسین علی۔ (۲) بیگم غالب۔ (۳) شراب۔

کیوں ظہیرالدین ، کیا میں اس لائق نہ تھا کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا؟ حکیم غلام نجف خاں خط لکھنے بیٹھے، تیری بندگی لکھ دی۔ تیرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ اس بندگی کے آنے کی مجھے کیا خوشی؟(۱)

صبح یک شنبہ ۱۱- جنوری ۱۸۶۳ء

غالب

(۱۶)

بھائی،

میں تم کو کیا بتاؤں کہ میں کیسا ہوں؟ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے، رستا ہے۔ خیر، محل اندیشہ نہیں ہے۔ رس رس کر مادہ نکل جائے گا۔ اس سے اور زیادہ خستہ اور افسردہ ہوں، قبض کہ وہ جانی دشمن ہے، ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے۔ بہ ہر حال:

مرگیست بنام زندگانی

حضرت غور کی جگہ ہے، ایک مکان دلکشا، کوچے کی سیر، بازار کا تماشا، دو کمرے، دو کوٹھریاں، آتشدان، صحن وسیع، اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے؟ دروازہ وہ تاریک کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے اور پھر ڈیوڑھی پر حلال خوروں کا مجمع، گوہ کے ڈھیر، کہیں حلال خوروں کا بچہ ہگ رہا ہے، کہیں بیل بندھا ہوا ہے، کہیں کوڑا پڑا ہوا ہے۔ عیاذاً باللہ! خدا نہ لے جائے ایسے مکان میں۔

تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا ؟ میں خدمت گزاری کو آمادہ ہوں ۱۲ ۱۸۶۳ء)

نجات کا طالب غالب

---

(۱) یہ اس زمانے کا خط ہے جب حکیم غلام نجف خاں اپنے وطن شیخو پورہ گئے ہوئے تھے۔

میاں ،

تمہارا گلہ میرے سر و چشم پر ، لیکن میرا حال سن لو اور اپنے وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر دلپذیر کا خط آیا ۔ پڑھتے ھی اس کا جواب لکھ رکھا۔ دوسرے دن ڈاک میں بجھوایا۔ مضمون بہ تغیر الفاظ یہ :

تم جو پھوڑے پھنسی میں مبتلا رہتے ہو ، اس کا سبب یہ کہ مجھ میں تمہارا لہو ملتا ھے اور میں احتراق خون کا پتلا ہوں۔ پھر تمہارا خط آیا، تیسرے دن اس کا جواب بھجوا دیا۔ مضمون یہ کہ تم سے تو میرا پیارا پوتا ظہیرالدین اچھا کہ جاتے وقت مجھ سے مل گیا اور وہاں پہنچتے ھی مجھ کو خط لکھا ۔ رسید ڈاک گھر سے ملتی نہیں ۔ خط دونوں پیڈ تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر میں ممکن نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہوں۔ شیخو پور کی ڈاک کے ہرکاروں نے نہ پہنچایا، میرا کیا قصور؟ البتہ سر نامے پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا۔ محلے کا نام نہ تھا۔ شاید اس سبب سے خط نہ پہنچا ہو ۔ اسی وقت تمہارا خط آیا، میں نے لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھیں ۔ اب عنایت‌اللہ کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں اور پچھوا منگواتا ہوں کہ پتا وہاں سے کیا لکھا جاتا ھے۔

لو صاحب عنایت‌اللہ آیا اور یہ پرزہ لایا ھے۔ پتا سرنامے پر لکھتا ہوں، مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا۔ کل صبح بھیج دوں گا۔

حکیم ظہیرالدین خاں کو دعا۔ بیٹا ، اب اس وقت مجھ میں دم نہیں ، دعا پر قناعت کر ۔ تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں، بھیج چکا ہوں۔ جھوٹے پر لعنت ، تو بھی کہہ ، ''بیش باد،، (۱) ۔

نواب مصطفیٰ خاں کل شہر میں آ گئے ۔ مع قبائل آئے ھیں ۔ ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکوں کی ختنہ اور ذی‌الحجہ میں محمد علی خاں (۲) کی شادی کریں گے۔

---

(۱) ظاھر ھےکہ یہ خط بھی اس زمانے میں لکھا گیا ۔ جب حکیم غلام نجف خاں اور حکیم ظہیرالدین اپنے وطن شیخوپور (یوپی) گئے ہوئے تھے ۔

(۲) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے فرزند اکبر۔

آج پانچواں دن ہے ، شہر میں مرغ کے انڈے کے برابر اولے پڑے، کہیں کہیں اس سے بڑے بھی۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر(۱) جدید آئے، دربار کیا۔ میری تعظیم اور مجھ پر عنایت ، میری تمنا سے زیادہ کی۔ آؤگے تو مفصل سن لو گے۔

شنبہ ۴۔ذی قعدہ (۱۲۸۱ھ ، یکم اپریل ۱۸۶۵ء) نجات کا طالب، غالب

(۱۸)

میاں ،

چانول برے ، بڑھتے نہیں ، لمبے نہیں ، پتلے نہیں ۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو ، پرانے اور پتلے چانول آئیں ۔ ایک روپے کے حرید کر بھیج دو۔ یاد رہے، نئے چانول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے ۔ یہ میرا تجربہ ہے۔

شام کو میر مجدالدین صاحب کہتے تھے کہ حکیم غلام نجف کے پاس ایک کاتب ہے ۔ دس بارہ جز کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھوانی ہے۔ یہ معلوم کر لو کہ وہ صاحب روپے کے کے جزو لکھیں گے اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں؟ یہ تو اب لکھو اور پھر دوپہر کے بعد اون کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں اون کو کاغذ اور منقول عنہ حوالے کروں۔ ظہیرالدین کو دعا کہو اور اس کا حال لکھو۔

غالب

(۱۹)

برخوردار حکیم غلام نجف خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ بدھ کا دن ، پہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔

---

(۱) ڈونلڈ میکلیوڈ ۔ جو رابرٹ منتگمری کے بعد ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک پنجاب کا گورنر رہا ، دھلی کا علاقه ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے پنجاب میں شامل کر دیا تھا۔ ۱۹۱۱ مں دھلی کو دارالحکومت بنانے کا فیصلہ ہوا تو یہ علاقه دوبارہ پنجاب سے الگ کیا گیا۔

۲۰- جمادی الاول (۱۲۸۲ھ) کی اور ۱۱- اکتوبر (۱۸۶۵ء) کی ہے - دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں - اب آتے جاتے ہیں - رات بخیر گزرے، بہ شرط حیات کل رام‌پور پہنچ جائیں گے - گھبرایا ہوا ہوں، تیسرا دن ہے پاے خانہ پھرے کو - لڑکے بخیر و عافیت ہیں - اپنی استانی سے کہہ دینا - میرزا شہاب‌الدین خاں کو دعا، نواب ضیاءالدین کو سلام - میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا - ضرور، ضرور - ظہیرالدین دعا سے خفا ہوگا - اس کو میری بندگی کہنا -(۱)

غالب

(۲۰)

اقبال نشان، عضدالدولہ حکیم غلام نجف خاں کو غالب علی شاہ کی دعا پہنچے - تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے - خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں - دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں - شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے - کئی طرح کے سالن، پلاؤ، متنجن، پسندے، دونوں وقت روٹیاں خمیری، چپاتیاں، مربے، اچار، میں خوش، لڑکے بھی خوش - کلو اچھا ہو گیا - سقا، مشعلچی، خاکروب، سرکار سے متعین ہے - حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے - آج تک دو ملاقاتیں ہوئی ہیں - تعظیم، تواضع، اخلاق، کسی باب میں کمی نہیں -

ظہیرالدین خاں بہادر کو دعا پہنچے - یہ خط لے کر تم اپنی دادی(۲) صاحب کے پاس جاؤ اور یہ خط پڑھ کر سناؤ اور ان سے یہ کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی، وہ غلط ہے، اوس کی کچھ اصل نہیں ہے - باقی خیرو عافیت -

صبح شنبہ ۲۱ ماہ اکتوبر ۱۸۶۵ء　　　غالب

---

(۱) یہ اور بعد کے تین خط دوسرے سفر رام پور سے متعلق ہیں -

(۲) ظاہر ہے کہ یہ خطاب ظہیرالدین سے ہے، غلام نجف خاں سے ہوتا تو بیگم کو والدہ یا ماں یا استانی لکھتے -

صاحب،

تم سچ کہتے ہو ۔ بھائی فضل‌اللہ خاں (۱) کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے، مگر الور سے مجھ کو لینا نہیں۔ یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئے گا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ، سو وہ بھی مجھے بھائی فضل‌اللہ خاں کا دینا ہے ۔ ان کا قرض ادا ہو جائے گا۔ احیاناً اگر خلاف میرے عقیدے کے پانسو روپیہ کا حکم ہوا اور وہ آ جائیں تو بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل کو دے کر مجھے لکھنا ۔ باقی کے واسطے میں جس طرح لکھوں، اس طرح کرنا۔

لو صاحب شیخ چلی بنا، خیالی پلاؤ پکا لیا ۔ اب روداد سنو۔ نواب صاحب(۲) کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے ۔ آج منگل کا دن ۴۔ جمادی‌الثانی کی (۳) اور ۲۴ اکتوبر کی(۴) ہے ۔ کھانے کی اور گھوڑوں اور بیلوں کے گھاس دانے کی نقدی ہو گئی ، لیکن اس میں میرا فائدہ ہے، نقصان نہیں ۔ دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا ۔ ھفتے دو ھفتے کی مدت اس کی ہے ۔ بعد جشن کے رخصت ہوں گا۔ خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو آ دیکھتا ہوں۔ ظہیرالدین خاں کو دعا۔

۴۔ جمادی‌الثانی (۱۲۸۲ھ)

۲۴۔ اکتوبر (۱۸۶۵ء)

(۲۲)

صاحب

تمہارے دو خط متواتر آئے ۔ ظہیرالدین کا آگرے جانا، میرا خط اوس کا موسومہ تمہارے پاس پہنچنا اور اوس کا (۵) آگرے کو روانہ ہونا،

---

(۱) امین اللہ خاں عرف امو جان دیوان الور کا بھائی ۔ مہاراجہ شیو دھیان سنگھ کو اختیارات ملے تو یہ لوگ پھر الور پہنچ گئے تھے۔

(۲) نواب کلب علی خاں ،جن کے جشن مسند نشینی میں شرکت کے لیئے میرزا دوسری مرتبہ رام پور گئے تھے۔

(۳) ۱۲۸۲ھ (۴) ۱۸۶۵ء (۵) یعنی خط کا۔

ظہیرالدین کی دادی کا بعارضہ سرفہ و سعال (۱) رنجور ہونا، کدارناتھ کا مجھ سے خفا ہونا ، مکان کے روکنے کی اجازت کا مانگنا، فضل حسن سے میرے واسطے درویوزہ تفقد کرنا(۲)، یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیرالدین کا خط تم نے کیوں کھولا ؟ وہ مغلوب‌الغضب ہے، تم پر خفا ہوگا۔ اس کی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ اس کے پاس ماءاللحم کا ہے، وہ کھنچوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کدارناتھ (۳) لڑکا ہے، وہ مجھ سے کیا خفا ہوگا ؟ روپیہ جو خزانہ میں جمع ہوگا ۔ آخر وہی لائے گا۔ خفا میں ہوں کہ روپیہ دام دام پایا اور میرا تمسک نہ دیا اور چٹھا تئیس روپے آٹھ آنے کا نہ بانٹا(۴) ۔

مکان کے روکنے کو اور کس طرح لکھوں؟ شہاب‌الدین خاں کو لکھا، شمشاد علی بیگ کو لکھا ، اب تم کو لکھتا ہوں۔ ستمبر کے پانچ روپے آٹھ آنے دے آیا ہوں ۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ سولہ روپے آٹھ آنے آ کر دوں گا، بلکہ اگر موقع بنے گا تو یہ سہ ماہی یہاں سے بطریق ہنڈوی بھیج دوں گا۔

اسماعیل خاں صاحب کو میری دعا کہو اور یہ کہ ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوا دیں اور حویلی کے پاے خانے کی صورت درست کروا دیں۔ ہاے قسمت ! اس قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن میرے مربی و محسن بنیں اور پھر واے محرومی کہ مطلب براری نہ ہو۔ لونڈوں کا احسان

---

(۱) کھانسی۔ (۲) مہربانی کی بھیک مانگنا۔

یہ خط منشی مہیش پرشاد کے مجموعہ خطوط سے لیا گیا ہے (ص ۲۳۲) ۔

(۳) وہ ساہوکار ، جس سے میرزا قرض لیتے رہتے تھے اور خزانے سے پنشن کا روپیہ لانے کا مختار نامہ اسی کو دے رکھا تھا۔

(۴) یعنی کدارناتھ نے قرض کا پورا روپیہ وصول کر لیا اور تمسک واپس نہ کیا۔ نہ تئیس روپے آٹھ آنے کی رقم تقسیم کی، جو مہینے کے اوائل میں ملازموں کے درمیان تقسیم ہو جانی چاہیے تھی۔ چٹھا بانٹنے کا مطلب ہے تنخواہ یا مزدوری بانٹنا۔

زہر قاتل ہے - فضل‌اللہ خاں میرا بھائی ہے - اوس کا احسان، مجھ کو گوارا سو بار اوس سے کہا اور ہزار بار کہوں گا - خیر جو ہوا سو ہوا - اب آپ اوس سے زنہار نہ کہیے گا، نہ لکھیے گا - اگر کچھ کہو، تو فضل سے کہو تفضل سے کہو والا، لا(۱) -

نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو، یا کل آ جائیں گے - جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں -

یکشنبہ ۱۲- نومبر ۱۸۶۵ء، صبح کا وقت نجات کا طالب، غالب

(۲۳)

میاں،

آج صبح کو تم آئے تھے - میں اس ٹکٹ کے قصے میں ایسا الجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا - اب میر عنایت حسین صاحب تمہارے پاس پہنچتے ہیں - جس امر میں یہ تم سے کوشش چاہیں، تم کو میری جان کی قسم، بہ دل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو - امر سہل ہے، کچھ بات نہیں ہے، مگر در صورت سعی، خدا کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملے گا اور میں تمہارا ممنون ہوں گا (۲) -

(۱۸۶۶ء) نجات کا طالب، غالب

(۲۴)

حکیم غلام نجف خاں،

اگر تم نے مجھے بنایا ہے، یعنی استاد اور باپ کہتے ہو، یہ امر از روے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روے اعتقاد ہے تو میری عرض مانو اور ہیرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو - بھائی انصاف کرو، اس نے اگر حکیم احسن‌اللہ خاں سے رجوع کی، وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو ان سے استفادہ بھی ہے - اگر گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا، تو ان کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے - ابتدا میں ان سے پڑھے ہو - پس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا - وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آ کر - اب جو حاضر ہوتا ہے تو لازم ہے کہ

---

(۱) یعنی فضل‌اللہ خاں سے کہو، تفضل حسین سے کہو، اور کسی سے ہرگز نہ کہو -

اس پر بہ نسبت سابق کے زیادہ توجہ فرماؤ اور بہ دل اس کا معالجہ کرو۔

(۱۸۶۶ء) التفات کا طالب، غالب

بنام ظہیرالدین احمد خان

(۱)

اقبال نشان، حکیم ظہیرالدین احمد خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ کہو میاں، تمہارا مزاج کیسا ہے؟ اور تمہارے بھائی مرزا تفضل حسین کیسے ہیں؟ اگر ملو تو میری دعا کہنا اور مزاج کی خبر پوچھنا اور اپنے والد ماجد (۱) کو میری دعا کہنا اور کہنا تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا، اس صورت میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔

سنو میاں ظہیرالدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ اور اون سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیرو عافیت کہو اور پوچھو کہ شہاب‌الدین خاں نے اکتوبر کے مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپئے پہنچا دیے یا نہیں؟ (۲) کدار ناتھ ڈیوڑھی پر آ کر جعفر بیگ، وفادار وغیرہ کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں؟ اچھا میرا بیٹا، یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھیو، دیر نہ کیجیو۔(۳)

پنجشنبہ ۲- نومبر ۱۸۶۵ء خط کے جواب کا طالب، غالب

(۲)

جناب فیض مآب چچا صاحب، قبلہ و کعبۂ دو جہاں کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں اور ہزار زبان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ سبحان‌اللہ کیا توپ، جس کی آواز سے رعد کا

---

(۱) حکیم غلام نجف خاں۔

(۲) یہ اس رقم کا ذکر ہے، جو بیگم غالب کو لوہارو سے اہل خاندان ہونے کی حیثیت میں مستقل طور پر ملتی تھی۔

(۳) یہ خط بھی رام پور سے لکھا گیا اور غلام نجف خاں کے نام خط ۲۱ میں جو فرمایا گیا ہے کہ کدار ناتھ نے چٹھا نہ بانٹا تو اس کی اطلاع ظہیرالدین نے اسی خط کے جواب میں دی ہوگی۔

دم بند اور رنجک(۱) کے رشک سے بجلی کو رنج۔ گولہ اس کا خدا کا قہر، دھواں اس کا دریاے عشق کی لہر۔ استغفراللہ کیا باتیں کرتا ہوں، جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔ کیسی رنجک، کیسا دھواں ، کسا گراب(۲) - یہ وہ توپ ہے، کہ بغیر ان عوارض کے صرف اس کی آواز سے رستم کا زہرہ (۳) آب ہو جائے اب بارود ہو تو رنجک اڑے ، آگ دھکائیں تو دھواں ہو، گولہ چھرا کچھ اس میں بھریں تو ظاہر میں کہیں نشان ہو۔ صرف اس کی آواز پر مدار ہے۔ نئی ترکیب اور نیا کاروبار ہے۔ ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شلک (۴) کی صدا سنائے۔ دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجا پھٹ جائے۔ آواز کا صدمہ اگرچہ صداے صور سے دونا ہے ، مگر ہمیں یہی کہتے بن آتا ہے ، کیا صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے، دیکھو تو کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولہ توپ ہی میں رہ جائے اور جو قلعہ روبر آئے وہ ڈھے جائے۔ دانا آدمی اسے زنجیری گولہ کہتا ہے (۵) کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں الجھ رہتا ہے۔ اچھے میرے چچا جان ، یہ توپ کس نے بنائی اور تمھارے ہاتھ کہاں سے آئی ؟ جو دیکھتا ہے حیران ہوتا ہے، اب شہر میں جابجا اوسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ' تم کو ہمارے سر پر سلامت رکھے اور ہمیشہ بدولت و اقبال و عز و کرامت رکھے (۶) -

---

(۱) بارود جو ابتدائی دور کی توپوں اور بندوقوں کے پیالے میں آگ دینے کے لیے رکھی جاتی تھی۔

(۲) یہ انگریزی لفظ (Grap-shot) سے بنا لیا گیا ، یعنی ایک گولی میں بہت سی گولیاں یا چھرے یا لوہے کے ٹکڑے بھر کر ھجوم پر مارنا تاکہ بہت سے لوگ زخمی ہوں اور ھجوم منتشر ہو جائے۔ (۳) پتّا۔

(۴) شلک : بالکسر و تشدید بندوقوں یا توپوں کی باڑھ جو فتح یا خوشی کے موقع پر چلائی جاتی ہیں ۔

(۵) یہ اصلی توپ نہیں بلکہ کھلونا تھی ، جس کا گولہ زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ توپ چلائی جاتی تھی تو گولہ زنجیر کی وجہ سے پاس ہی رہتا تھا۔

(۶) میرزا نے یہ خط بھیجتے وقت لکھا :

لو میاں ظہیرالدین ، ہم نے مسودہ لکھ کر بھیج دیا ہے۔ تم اس کو اپنے ابّا سے پڑھ لو اور اس کی نقل کروا کر اپنے چچا کو بھیج دو۔